## اِنَّ مِنَ الْبَیَانِ لَسِحْرًا

بعض بیان جادو کی تاثیر رکھتے ہیں

جناب شمس العلماء ڈاکٹر **مولوی حافظ نذیر احمد** صاحب مرحوم و مغفور ایل ایل ڈی

ڈی او ایل ڈپٹی کلکٹر بہادر و ممبر بورڈ آف ریونیو سرکار عالی نظام کے

# لکچروں کا مجموعہ

(جلد دوم)

جس میں سنہ ۱۸۹۵ء سے لے کر سنہ ۱۹۰۵ء تک کے بائیس لکچر ہیں

مرتبۂ

**مولوی بشیر الدین احمد** صاحب تعلقہ دار (کلکٹر) پنشنر سرکار عالی نظام

خلف الصدق جناب لکچرار مبرور

سنہ ۱۳۳۶ھ مطابق سنہ ۱۹۱۸ء

محمد قادر علیخان صوفی کے اہتمام سے

**مفید عام اسٹیم پریس آگرہ میں چھپا**

ع دوم ایک ہزار جلد

# شمس العلما ڈاکٹر مولوی حافظ نذیر احمد صاحب مرحوم و مغفور کی دیگر تصانیف

| | کاغذ ولایتی سفید | کاغذ حنائی | جلد | محصول ڈاک |
|---|---|---|---|---|
| (۱) قرآن مجید مترجم تقطیع کلاں دو صفحہ تیرھواں ایڈیشن مطبوعہ مفید عام آگرہ جس کے آخر میں الفاظ و محاورات اُردو کی ایک مکمل فرہنگ مستزاد کی گئی ہے۔ ........ | معہ ر | سے ر | عا ر | عصہ ر ۲ ر |
| (۲) قرآن شریف تقطیع متوسط دو صفحہ ترجمہ بین السطور "جامع المصاحف" ........ | بیہ ر | × | عبہ ر | ۹ ر |
| (۳) قرآن شریف ترجمہ بر صفحہ مقابل "غرائب القرآن" | بیہ ر | سے ر | ایضاً | ۱۳ ر |
| (۴) حمائل شریف تقطیع ۱۶ + ۲۲ ترجمہ بین السطور بارھواں ایڈیشن جس کے آخر میں الفاظ و محاورات اُردو کی ایک مکمل فرہنگ مستزاد کی گئی ہے۔ ........ | سے ر | × | عصہ ر | ۶ ر |
| (۵) دہ سورہ فی احسن صورہ۔ مروجہ پنج سوروں کی جگہ یہ دہ سورہ مترجم و محشی ہے سفر حضر میں پڑھنے کے بہت کام کا ہے۔ حمائل کی تقطیع ہے۔ ........ | ۸ ر | × | × | ۲ ر |

| | رنگین ٹائٹل | سادہ ٹائٹل | محصول ڈاک |
|---|---|---|---|
| (۶) ادعیۃ القرآن۔ قرآن شریف کی تمام دعائیں مترجم معہ ایک مفصل دیباچے کے جس میں دعا کی حقیقت اور اُس کی مقبولیت وغیرہ عمدہ اور مفید مضامین ہیں روزانہ وظیفہ کے لئے ایک نایاب مجموعہ ہے۔ ........ | ۷ ر | ۶ ر | ۲ ر |

| | قیمت | محصول ڈاک |
|---|---|---|
| (۷) الحقوق والفرائض۔ حصہ اول حقوق اللہ حصہ دوم حقوق العباد حصہ سوم اخلاق و آداب۔ مسایل شرعیہ میں اس سے بڑھ کر جامع، مفصل اور کوئی کتاب اردو میں نہیں ہے جو نہایت عام فہم اور سلیس بھی ہے ........ | للعہ | ۱۲ ر |

(۸) اجتہاد۔ اِس کتاب میں یہ بات ثابت کی گئی ہے کہ اسلام اور اُس کے معتقدات

## اِنَّ مِنَ الْبَیَانِ لَسِحْرًا

بعض بیان جادو کی تاثیر رکھتے ہیں

جناب شمس العلما ڈاکٹر **مولوی حافظ نذیر احمد** صاحب مرحوم و مغفور ایل ایل ڈی

ڈی او ایل ڈپٹی کلکٹر بہادر و ممبر بورڈ آف ریونیو سرکار عالی نظام کے

# لکچروں کا مجموعہ

(جلد دوم)

جس میں سنہ ۱۸۹۵ء سے کر سنہ ۱۹۰۵ء تک کے اکیس لکچر ہیں

مرتبہ

**مولوی بشیر الدین احمد** صاحب تعلقہ دارو (کلکٹر) پنشنر سرکار عالی نظام

خلف الصدق جناب لکچرار ممبر ور

سنہ ۱۳۳۶ھ مطابق سنہ ۱۹۱۸ء

محمد قادر علیخان صوفی کے اہتمام سے

## مفیدِ عام اسٹیم پریس آگرہ میں چھپا

طبع دوم ایک ہزار جلد  قیمت خرچہ دی پی

# جلد دوم
# تیئیسواں لیکچر

یہ لیکچر انجمن حمایت اسلام کے دسویں سالانہ جلسہ میں ۱۸۹۵ء میں
بمقام لاہور دیا گیا

نچا مارا ہے یکسر کیا عرب اور کیا عجم سب کو
خدا غارت کرے اس اختلافِ دین و مذہب کو

عجب بد عقل ہے انساں کہ بایں دعوئِ دانش
ہزاروں سال سیکھا پر نہ سمجھا اصل مطلب کو

اگر تعلیم دیں یہ ہے تو آخر کار سُن لینا
کہ خود مکتب کے لڑکوں نے کیا برباد مکتب کو

زمانے نے بہت سفاکیاں مذہب کی دیکھی ہیں
اگر شک ہو تو تم بھی آزما دیکھو مجرّب کو

خدا محفوظ رکھّے اس کی زد سے یہ وہ گولا ہے
نہ پیادے ہی کو چھوڑے اور نہ راکب کو نہ مرکب کو

یہ وہ آتش ہے عالم سوز جس کی ایک چنگاری
جلا دے ایک دم میں خشک و تر کو دور و اقرب کو

ڈسا ہو جس کو اس موذی نے وہ پھُٹکا نہیں کھاتا
خدارا تم نہ چھُو لینا کہیں اس نیشِ عقرب کو

مُصیطر کس لئے بنتے ہو لوگوں کے کہ یہ منصب
نہ حاصل تھا نہ حاصل ہے مقرّب سے مقرّب کو

نہ اس آواز کو کانوں میں آنے دینا سُن رکھو
نہ ایسی بات سے زنہار کرنا آشنا لب کو

نظر کچھ مقتضائے وقت پر بھی چاہیئے کرنی
کہ دن کو کام میں مصروف ہو آرام میں شب کو

مگر تم جھونپڑوں میں دیکھتے ہو خواب محلوں کے
ذرا سوچو تو کیا نسبت گئے وقتوں سے ہے اب کو

مزاج اسلام کا ناساز ہے۔ اچھّا نہیں لگتا
کسی کا بولنا آوازے جانِ معذّب کو

وے تم لوگ یوں بیگانہ وار آپس میں لڑ لڑ کر
بالآخر دق بنانا چاہتے ہو عارضی تب کو

پرائی کیا پڑی اپنی نبیڑو چھوڑ دو حق پر
وہ خود پہچان لیگا بے ادب کو اور مؤدّب کو

جائے گا۔ مگر اُس کا اونچا جانا ہی اُس کے گرنے کی دلیل ہے ؎

| | |
|---|---|
| یہ اقامت ہمیں پیغام سفر دیتی ہے | زندگی موت کے آنے کی خبر دیتی ہے |

اونچا چڑھنے میں پتھر کی رفتار ابتداءً تیز ہوتی پھر بتدریج دھیمی اور مدھم ہوتے ہوتے آخر کار فنا ہو جاتی ہے اے کاش رفتار صعودی کے فنا ہوئے پیچھے پتھر کو سکون اور وقوف ہو۔ لیکن ایسا نہیں ہوتا اور ہو نہیں سکتا۔ ریٹری بیوشن یعنی مکافات کے قاعدے سے ضرور ہے کہ پتھر جیسا اونچا چڑھتا تھا ویسا ہی نیچے کو گرے۔ صعود و ہبوط حرکتیں دونوں ہیں فرق اگر ہے تو صرف اسی قدر ہے کہ حرکت صعودی کی ابتدا فاسٹ (تیز) ہوتی ہے اور انتہا سلو (آہستہ) اور حرکت ہبوطی کی بالعکس یعنی ابتدا بطی اور انتہا سریع۔ مجھے یاد نہیں مگر اتنا خیال ضرور ہے کہ حرکت صعودی جس نسبت سے سُست اور حرکت ہبوطی جس نسبت سے تیز ہوتی جاتی ہے۔ ہندسہ دانوں نے تحقیق کر کے اعداد میں اس کا ٹھیک اندازہ ٹھیرا دیا ہے جس کو شوق ہو اور وہ اس وقت کے مسلمانوں کو نہ ہوا ہے نہ ہو تاہم جس کو شوق ہو ہمارے شمس العلماء خان بہادر مولوی ذکاء اللہ صاحب سے معلوم کر سکتا ہے۔ پتھر کے ہبوط اور صعود پر ہم قومی ترقی اور تنزّل کو قیاس کر سکتے ہیں اور اسی غرض سے میں نے اس کا تذکرہ بھی کیا ورنہ کہاں میں اور کہاں ریاضی کا مسئلہ۔

غرض ہم مسلمانوں کی قوم نے بھی ترقی کرنی شروع کی تو کس تیزی سے کہ اَور قوموں کو بھی ایسے اتفاقات پیش آئے ہیں تِلْكَ الْاَیَّامُ نُدَاوِلُهَا بَیْنَ النَّاسِ لیکن تاریخ کسی قوم کی مثال نہیں بتا سکتی جس نے مسلمانوں کی طرح ترقی کی ہو کہ ابتداءً شیوع اسلام سے صرف ساٹھ برس کے عرصہ میں وہ روم اور فارس کی زبردست سلطنتوں کو مغلوب کر کے گویا تمام زمین کے فرماں روا ہو گئے تھے۔ ہجرت ہی کو اسلام کے نشو و نما کی ابتدا سمجھو تو نویں برس مکہ فتح ہوا۔ جس کی نسبت اللہ تعالیٰ جل شانہٗ فرماتا ہے اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ وَرَاَیْتَ النَّاسَ یَدْخُلُوْنَ فِیْ دِیْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا

عرب جاہلیت جیسے اکھڑ درشت خو جنگ جو بدافعال بے دین لوگوں کو آٹھ برس صرف آٹھ برس میں بھلا آدمی کو بردبار۔ متواضع۔ منکسر۔ خدا پرست بنا دینا فی نفسہ ایک معجزہ عظیم الشان ہی (اس کے بعد لکچرار نے اپنے مسدس اتمام حجت کے چند بند سنائے) حدیث کی کتابوں میں لکھا ہی کہ حجۃ الوداع کے وقت ایک لاکھ صحابی حضرتؐ کی رکاب میں تھے جب کہ نو برس پہلے آں حضرت صلعم کافروں کے ڈر سے شب کے وقت چھپ کر اپنے ایک رفیق حضرت ابوبکر صدیقؓ کے ساتھ مکّے سے نکلے تھے۔ جنگِ بدر میں ابوجہل وغیرہ سرداران قریش مارے گئے۔ تو ابوسفیان رئیسِ قریش قرار پائے اور وہ بعد فتح مکّہ ایمان لائے۔ فتح مکّے کے وقت لشکر اسلام کی آمد سُن کر اُنھوں نے حضرت علیؓ کے پاس پناہ لی تھی اور جناب رسولِ خدا صلعم نے حضرت علیؓ کو حکم دیا تھا کہ ان کو لے جا کر ایسی جگہ کھڑا کرو کہ لشکرِ اسلام ان کے سامنے سے ہو کر گزرے اور اسلام کی عظمت ان کے ذہن میں مرتکز ہو چنانچہ ابوسفیان نے لشکرِ اسلام کو فئةً[۱] بعد فئةٍ گزرتے دیکھا۔ تو حضرت علیؓ سے کہا لقدْ امرَ امرُ ابنِ ابی کبشۃ ان کا مطلب یہ تھا کہ واقع ہیں اب تو تمھارے پیغمبر کو بڑا عروج ہو گیا ہے۔ لاکھ آدمی کا لشکر بہت بڑا لشکر ہوا ؎

| | |
|---|---|
| جَیْشٌ کَاَنَّکَ فِی اْلاَرْضِ تَطَاوَلُہٗ | وَالْاَرْضُ لَا اُمَمٌ وَالْجَیْشُ لَا اُمَمٌ |
| اِذَا مَضٰی عَلَمٌ مِنْہُ بَدَا عَلَمٌ | وَاِنْ مَضٰی عَلَمٌ مِنْہَا بَدَا عَلَمٌ |

یہ واقعات تاریخی ہیں جن سے کسی کو انکار نہیں ہو سکتا یہاں تک کہ میں نے حال میں کسی انگریزی اخبار یا ماہانہ رسالے میں دیکھا ہی کہ ولایت کے کسی کلب میں یہ مضمون زیر بحث تھا کہ دنیا میں عجب العجاب واقعات کون کون سے ہوئے مسٹر گلیڈسٹون جن کو یورپ نے گرینڈ اولڈ مین[۲] کا خطاب دے رکھا ہی اور یہ استحقاق دیا ہی۔ اُن کی دوسری فضیلتوں کے سوا یہ امر بھی مسلّمات سے ہی کہ دنیا کی تاریخ پر ان کی بڑی وسیع نظر ہی۔

[۱] ایک گروہ کے بعد دوسرا گروہ ۱۲ [۲] عظیم الشان بڈھا آدمی ۱۲

چنانچہ اِن مسٹر گلیڈسٹون نے اُس مجمع میں جہاں اور عجب العجاب واقعات بیان کیے اُن میں اوّل نمبر پر اسلام کی ترقی تھی۔ نہ مطلق ترقی بلکہ اِس قدر زمانۂ قلیل میں۔ خیر۔ تو ترقی بھی بدیر ہوئی تو اور جلدی ہوئی ہوئی تھی اور ہوئی۔ اُس کے یاد کرنے سے مُسلمانوں کو اِس طرح تو فائدہ ہوسکتا ہی کہ اپنے بزرگوں کی حالت سے اپنی موجودہ حالت کا مقابلہ کریں اور اپنے حالِ زار پر متاسف ہوں۔ غیرت کو کام میں لائیں اور داغِ ناخلفی کو اپنے ناصیۂ حال سے چھڑائیں۔ لیکن میں دیکھتا ہوں کہ مُسلمان اپنے بزرگوں کے کمالات اور کارنامے سُن کر اُلٹے شیخی میں آجاتے ہیں اور گو مُنہ سے نہ کہیں دل میں سمجھنے لگتے ہیں کہ دنیا میں بھلا مانس باآبرو دیندار ہوکر رہنا ایک فرض کفایہ تھا اور اِس فرض کو بزرگوں نے ادا کرکے اُن کو سبک دوش کردیا ہی۔ سخت سے سخت بیماری میں مبتلا ہونا بھی چنداں خوف کی بات نہیں۔ ہاں خوف کی بات یہ ہی کہ بیماری کا احساس نہ ہو یا احساس ہو اور وہ مرض کو علاج پذیر نہ سمجھے۔ مجھ کو افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہی کہ ہم مسلمانوں میں اکثر لوگ ان ہی دو قسموں کے ہیں۔ قوم برباد ہوچکی ہی اور ان کو خبر تک نہیں اور اگر معدودے چند کو خبر ہی بھی تو وہ خدا اور تقدیر پر چھوڑ رکھ کر کچھ کرنا نہیں چاہتے۔ اِس واسطے کہ اُن کے نزدیک کچھ بھی کرنے سے کچھ بھی فائدہ نہیں ہوسکتا۔ ان کو تقدیر اور توکّل اور جَفَّ الْقَلَمُ بِمَا هُوَ كَائِنٌ کے معنی یہی سمجھائے گئے ہیں اور سمجھائے جارہے ہیں۔ پھر ایک بڑی مصیبت جس نے بالکل آس توڑ دی ہی یہ ہی کہ لوگ قوم اور قومیت کے مفہوم کو نہیں سمجھتے کوئی اپنی جگہ کچھ کر بھی رہا ہی تو اپنے شخصی فائدے کے لیے کر رہا ہی۔ اَی کاش وہ اپنا شخصی فائدہ کرے مگر یہ سمجھ کر کرے کہ وہ بھی مسلمانوں میں کا ایک مسلمان ہی۔ جب وہ ایسی نیّت رکھے گا تو اُس کے شخصی افعال میں ایک قومی شان پیدا ہوگی۔ اصل خلقت میں انسان ایک مخلوق خودغرض ہی اِس کا ثبوت تصنیف را مصنّف نیکو کند بیاں اَلَا يَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ انسان کے بارے میں اللہ تعالیٰ خود فرقانِ حمید میں ایک مقام پر فرماتا ہی اِنَّ الْاِنْسَانَ

خُلِقَ هَلُوعًا اِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ جَزُوعًا وَاِذَا مَسَّهُ الْخَیْرُ مَنُوعًا ایک تو خلقت ہوئی
ثُو دغرض دوسرے پشتوں سے دیکھیں شخصی حکومتیں اب ہمارا حال یہ ہی کہ ہمارا کھانا پینا
سونا جاگنا چلنا پھرنا اُٹھنا بیٹھنا غرض جو فعل بھی ہم کرتے ہیں سب شخصی ہیں کبھی بھول کر
بھی قوم اور قومیت کا خیال ہمارے دل میں نہیں آتا۔ وہ جو سُنا ہو نَوْمُ الْعَالِمِ خَیْرٌ مِنْ
عِبَادَةِ الْجَاهِلِ وہ بھی اِسی تفرقہ پر مبنی ہے کیوں کہ جاہل سوتا ہی اس لئے کہ اپنے شخصی
کاموں سے تھکا ماندہ ہو گیا تھا۔ سو کر اپنے نفس کو آرام دے۔ عالم بھی اِسی غرض سے سوتا ہی
مگر وہ حسبۃً للہ لوگوں کو درس دینے حسبۃً للہ لوگوں کو وعظ اور نصیحت کرنے سے تھک گیا تھا
اُس کی غرض بھی تکان کا رفع کرنا ہی کہ بیدار ہو کر چُست و چالاک پھر خدا کے کاموں میں مصروف
ہو۔ ہمارے ہاں کہیں کہیں کوئی کوئی قومی کام ہو بھی رہے ہیں تو یا تو اُن میں شہرت اور جلبِ
منفعت کی قسم کی ذاتی اغراض مضمر ہوتی ہیں یا نہیں بھی ہوتیں تو لوگ بدنفسی سے ناحق
ناروا اُن کو متہم کر دیتے ہیں۔ اِن اطراف میں نمود کے دو ہی کام سُننے میں آتے ہیں اوّل درجے
میں علی گڑھ محمڈن کالج اور اس کے بعد **انجمن حمایت الاسلام لاہور**۔ سو دونوں متہم ہو چکے
ہیں اور اب بھی متہم ہیں۔ اِس کا ضروری اور لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہی کہ قومی کام یا تو شروع
ہوتے ہی بیٹھ جاتے ہیں یا مدد کرنے والوں کے متشکّی اور کارکنوں کی بے دلی کی وجہ سے
سِسک سِسک کر کچھ چلتے ہیں اور اُن کا قیام ہمیشہ معرضِ خطر میں رہتا ہی۔ یہ حالت دیکھ کر
میری اپنی تو یہ کیفیت ہو گئی ہی کہ کسی قومی کام میں طوعاً خوش دلی سے شریک ہونے کو جی
نہیں چاہتا۔ نہ میں کسی انجمن یا سوسائٹی کا ممبر ہوں نہ سکرٹری نہ کارفرما نہ کارکن نہ مُشیر۔
بعض لوگ جن کی خاطر مجھ کو ایسی ہی عزیز ہی زبردستی لکچر دینے کے لئے پکڑ لے جاتے ہیں اتنے
ضعیف تعلق پر بھی مجھ کو قومی خدمت کا صلہ تھوڑا بہت تو مل ہی رہتا ہے۔ انجمن حمایت
الاسلام میں لکچر دینے کی یہ سزا ملی کہ ہزاروں روپے گرہ سے خرچ کیئے سخت سے سخت گرمی
کی ایذائیں اُٹھائیں مہینوں بیمار رہا۔ سید احمد خاں کے برسویں دن کے چند گھنٹے کی رفاقت کا نتیجہ ہی

کہ اگر علمائے شہر سے فتویٰ لیا جائے تو مجھ کو مرتد نہیں تو کافر اور کافر نہیں تو فاسق ضرور بتائیں گے۔ ابھی شاید کاسۂ بدنامی کے لبریز ہونے میں کچھ بوندوں کی کسر ہو کہ اب مجھ کو اِس انجمن میں بُلایا گیا ہو۔

میں نے اِس انجمن کا نام تو سُنا تھا مگر اُسی بے اعتنائی کے ساتھ جیسا کہ میں عموماً قومی کاموں کی خبروں کو سُنا کرتا ہوں۔ آج تیسرا دن ہو کہ میں نے اِس انجمن کی رپورٹ کو سرسری نگاہ سے دیکھا اور اُس میں ایک شان خاص پائی جس کی وجہ سے میں یہاں چلا بھی آیا۔ وہ شانِ خاص جس نے مجھے اِس انجمن کا گرویدہ کیا اس کے ممبروں کا محالفہ ہو مجھ کو اس محالفے پر یاد آئی بیعت الرضوان کہ جناب پیغمبر خداؐ نے عمرے کے ارادے سے مکّہ کا قصد فرمایا۔ حدیبیہ پہنچے تو کفارِ قریش مانع ہوئے آخر کار صلح کی ٹھیری اور حضرت عثمانؓ صلح کی گفتگو کے لیئے مکّہ گئے اُن کے واپس آنے میں دیر ہوئی یہاں خیال ہوا کہ شاید حضرت عثمانؓ کو دشمنوں نے مار ڈالا۔ اِس موقع پر حضرتؐ نے اصحابؓ سے لڑنے مرنے کی بیعت لی اِسی بیعت کے بارے میں قرآن کی وہ آیت نازل ہوئی اِنَّ الَّذِیْنَ یُبَایِعُوْنَکَ اِنَّمَا یُبَایِعُوْنَ اللّٰہَ یَدُ اللّٰہِ فَوْقَ اَیْدِیْھِمْ فَمَنْ نَّکَثَ فَاِنَّمَا یَنْکُثُ عَلٰی نَفْسِہٖ وَمَنْ اَوْفٰی بِمَا عٰھَدَ عَلَیْہُ اللّٰہَ فَسَیُؤْتِیْہِ اَجْرًا عَظِیْمًا محالفہ بھی ایک قسم کی بیعت ہی ہو۔ مگر جیسا میں اس محالفے سے خوش ہوا ویسا ہی رپورٹ میں یہ دیکھ کر افسوس بھی کیا کہ بعض صاحبوں نے حلف کی ویسی رعایت نہ کی جیسی کہ اُن کو کرنی چاہیئے تھی۔ پھر نکثِ بیعت کی نوبت نہیں پہنچی تو بھی محالفہ قدر کی چیز ہو۔ انجمن کے اکثر ممبروں کے حالات سے مجھ کو ایسی آگاہی ہو کہ اُن کو کوئی طلبِ شہرت یا جلبِ منفعت کی شخصی اغراضِ خسیسہ سے متہم کر نہیں سکتا۔ مگر وہی جو وعید یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا کَثِیْرًا مِّنَ الظَّنِّ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ سے بھی نہ ڈرتا ہو۔ غرض چنوں کی تو میں کہتا نہیں مگر چنوں کے سوائے روپے پیسے کوڑی آٹا کپڑا جو کچھ بھی اِس انجمن کے ہاتھوں میں ہو۔ قسم کھانے کی بات ہو کہ محفوظ ہی

اور اُس کا مصرف بھی محفوظ ہی۔ چنوں کو جو میں نے مستثنیٰ کیا تو مجھ کو ایک کہانی یاد آگئی کہ ایک بار چنا حضرت میکائیل کے پاس فریادی گیا کہ یوں تو سارے غلّے کھائے جاتے ہیں اور اسی لئے پیدا کیئے گئے ہیں اِس کی تو کچھ شکایت نہیں مگر مجھ پر جو خاص ستم ہوتے ہیں اُن کی داد چاہتا ہوں کہ جب سے میں زمین سے سر باہر نکالتا ہوں ساگ کے لئے لوگ مجھ کو توڑنا شروع کر دیتے ہیں۔ پھر آخر دم تک مجھ کو چین نہیں لینے دیتے اچھی طرح پھلنے نہیں پاتا کہ کچّے کو کھانے لگتے ہیں قدرتی پختگی کا انتظار نہ کر کے ہولے بنا ڈالتے ہیں۔ پھر ان ظلموں سے جانبر ہوا تو شاخ و برگ بھُس ہو کر جانوروں کے دوزخِ شکم کا ایندھن ہوتا ہی رہا دانہ اُس کو دلتے پیستے اُبالتے بھونتے ہیں غرض ستانے اور ایذا دینے کا کوئی دقیقہ اُٹھا نہیں رکھتے چنوں کا اِس طرح چڑ چڑ بولنا سُن کر حضرت میکائیل نے اُس کو ایسا گھورا کہ گویا کھا ہی جائیں گے۔ آپ سمجھے کہ کیوں میں نے چنوں کو مستثنیٰ کیا تھا۔ پھر میں نے اِس بات کو بھی نظر استحسان سے دیکھا کہ انجمن نے بہت چھوٹے سکیل کا کام لیا ہی۔ مسلمانوں کو اگر ایک بڑی وسیع عمارت خیال کیا جائے اور جب کہ مسلمانوں کا شمار ہمارے ہندوستان میں چھ کروڑ ہی تو کیوں اُن کو وسیع عمارت خیال نہ کیا جائے۔ بہر کیف مسلمانوں کو اگر ایک وسیع عمارت خیال کیا جائے تو اِس عمارت کا یہ حال ہی کہ کوئی اینٹ اپنی جگہ پر قائم نہیں الّا ماشاءاللہ دیواروں کو لونی لگی ہی چھلیں ڈھی پڑی ہیں کڑی تختہ گل گل کر آٹا ہو گیا ہی کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ عمارت خاویۃٌ علیٰ عروشہا کی مصداق کیوں نہیں ہو گئی۔ اچھّا تو میں دیکھتا ہوں کہ اور لوگ ساری عمارت کے ازسرِ نو بنانے کے مدعی ہیں۔ مگر اِس انجمن نے اس عمارت کا بہت چھوٹا سا کونہ لیا ہی وہ بھی تجدید کے لئے نہیں بلکہ صرف اِس لیئے کہ ہو سکے تو اُتنے ٹکڑے کو اڑواڑ یا تھونی لگا کر گرنے نہ دیں۔ یہ لوگ حدِ امکان وقوعی میں ہیں اور مدعیانِ تجدید حدِ امکان عقلی سے بھی متجاوز اِس میں شک نہیں کہ مسلمان ایک طرح کی نہیں سیکڑوں طرح کی اصلاح کے محتاج ہیں۔ اِن لوگوں نے چند باتیں اختیار کی ہیں اور وہ بھی ایک محدود حلقے میں اور ان باتوں کا سر انجام

بھی آسان سے آسان ہی مگر ع

| مشکل ز توجہِ تو آسان | آسان ز تغافلِ تو مشکل |
| --- | --- |

اگر ایک کام کو کرنا ہی نہ چاہو تو اس کا کچھ بھی علاج نہیں۔ چٹکی چٹکی آٹے کی بھی کچھ حقیقت ہی مگر یہی چٹکی چٹکی سب گھروں سے ملے تو شاید ایک دن کی آمدنی سے یتیم تو یتیم انجمن کے ممبر انجمن کے ملازم انجمن کے سالانہ جلسہ کے حضّار مہینوں اپھرے رہیں۔ لیکن یتیموں کے سوا خدا نہ کرے کہ کوئی اور اس آٹے کو کھائے اِنَّ الَّذِیْنَ یَاْکُلُوْنَ اَمْوَالَ الْیَتٰمٰی ظُلْمًا اِنَّمَا یَاْکُلُوْنَ فِیْ بُطُوْنِہِمْ نَارًا وَّ سَیَصْلَوْنَ سَعِیْرًا ۔ میں نے انجمن کے اغراض و مقاصد پر غور کیا تھا کہ اگر ہو سکے تو ممبروں کو اغراض کے اور زیادہ محدود کرنے کی رائے دوں کیوں کہ طلب الکل فوت الکل کا کھٹکا بھی تو لگا ہوا ہی مگر ایک سے ایک مقصد زیادہ ضروری ہی ان میں کسی ایک غرض کو چھوڑ دیا جائے تو اس کے یہ معنی ہوں گے کہ سرے سے تائیدِ اسلام کا نام ہی نہ لیا جائے اب مجھ کو صرف ایک بات اور کہنی ہی کہ انجمن کے تمام اغراض نہایت عمدہ اور نہایت ضروری ہیں۔ اور انجمن نے قائم ہو کر تمام مسلمانوں پر کیا امیر کیا غریب حجّتِ الٰہی تمام کر دی ہی مگر بنظرِ خیر خواہیِ اسلام بعض اغراض کے پیرایۂ اظہار میں اختلاف کرتا ہوں۔ مثلاً آپ صاحب مسلمانوں کے یتیم اور لاوارث کی پرورش اور تعلیم کا تکفل کرتے ہیں تو کون ایسا کم بخت سنگ دل ہوگا جو اس کو کارِ ثواب نہ سمجھے اور کارِ ثواب نہ کہے۔ آپ کے لئے اس مطلب کے ادا کرنے کا سب سے عمدہ اور معقول پیرایہ یہ ہی کہ یتیمی اور لاوارثی سے بڑھ کر کوئی مصیبت نہیں جو ایک بدنصیب فرزند آدم پر دنیا میں نازل ہو سکتی ہے۔ یتیمی اس طرح کی بے سہارے اور مایوسانہ زندگی ہی کہ اکثر صورتوں میں مرجانا اس سے بدارج بہتر ہو سکتا ہی۔ نابالغی تک کا زمانہ یتیم کے لئے نہایت عاجزی اور بے بسی کا زمانہ ہی نہ صرف موجودہ تکلیفات کے اعتبار سے بلکہ اس وجہ سے بھی کہ یہی زمانہ نابالغی مدت العمر کی رنج و راحت کا فیصلہ کر دیتا ہی۔ ابتدائے زندگی میں ماں باپ سے بڑھ کر آدمی کا کوئی خیر خواہ نہیں ہو سکتا۔ اولاد کے ساتھ ماں باپ کی محبت

فطری محبت ہی بے شائبۂ غرض۔ اگر یتیم کے ماں باپ زندہ ہوتے وہ ضرور اس کو اُسی مذہب کی تعلیم دیتے جس کو اُنھوں نے اپنے لیئے نجاتِ ابدی کا ذریعہ سمجھا اور جس کو وہ تمام آمیوں کے لیئے نجات ابدی کا ذریعہ سمجھتے رہے۔ پس اگر کسی مسلمان کا بچّہ لاوارث رہ جائے تو اُس کے والدین کے ہم قوموں اور ہم مذہبوں یعنی مسلمانوں ہی کو اُس کا نیچرل گارڈین یعنی محافظ قانونی اور ولی اور سر پرست ہونا چاہیئے۔ اگر کسی دوسرے مذہب والے کو مسلمانوں کے لاوارث بچّے کا ولی اور سر پرست بنایا جائے وہ فی اغلب الاحوال اُس کو اپنے مذہب کی ترغیب دے گا جس کے معنی دوسرے لفظوں میں یہ ہوں گے کہ لاوارث گویا تبدیل مذہب پر مجبور کیا گیا جو گورمنٹ کے منصفانہ اُصولِ مذہبی نیوٹریلٹی اور آزادی رائے کے بالکل خلاف ہی۔ اگر یتیموں کے حاصل کرنے کا یہ پیرایہ ہو تو اس میں کچھ بھی اعتراض کی بات نہیں اور غالب ہی کہ آپ صاحبوں نے صاحب ڈپٹی کمشنر کو عرضی دی ہوگی تو اسی مضمون کی دی ہوگی یا اسی طرح کا کوئی اَور مضمون لکھا ہوگا لیکن بعض مقامات پر آپ کی رپورٹ کے مضامین میں ایسے فقرات پاتا ہوں جو بالکل خلاف مصلحتِ وقت ہیں وہ طرز جو بعض صاحبوں نے ان مقامات پر اختیار کیا ہی غیر مذہب والوں کو بُرا لگنے والا ہی حضرات! یہی تو کج ادائیاں ہیں جو ہم کو چین سے بیٹھنے نہیں دیتیں۔ کوئی برس خالی نہیں جاتا کہ کہیں نہ کہیں مسلمانوں اور ہندوؤں میں فساد نہ ہوتا ہو۔ وہی ہندو ہیں وہی اُن کے مندر ہیں وہی اُن کے سنکھ ہیں وہی اُن کے تیوہار ہیں وہی اُن کے اوقات ہیں وہی اُن کے باجے ہیں اور وہی ہم مسلمان ہیں وہی ہماری مسجدیں ہیں وہی ہماری پنجگانہ نمازیں ہیں وہی اذانیں ہیں وہی ہمارے تیوہار ہیں اور وہی رسمیں ہیں اگر ہم دونوں اسی طرح کرتے ہوتے تو کبھی کے کٹ مرے ہوتے۔ فرض کیا جائے کہ ہمیشہ اور ہر جگہ دوسروں ہی کی زیادتی ہوتی ہو تو اچھا تالی کبھی ایک ہاتھ سے نہیں بجتی۔ مسلمان زیادتی نہ کرتے ہوں گے۔ تو کلوخ انداز را پاداش سنگ ست کرتے ہوں گے۔ ہمیں اپنے جوشِ مذہبی کو ٹھنڈا کرنا ہو

سمجھنا چاہیئے کہ ہم پر وہ وقت نہیں تو اُسی کے قریب قریب وقت پڑا ہی جو شروع کے مسلمانوں پر ہجرت سے پہلے بلکہ ہجرت کے کئی سال بعد تک پڑا تھا۔ دوسرے مسلمانوں کی کون کہے خود جناب رسولِ خدا ہی کی بے آبروئی اور ایذا دہی میں لوگوں نے کون سا دقیقہ اُٹھا رکھا تھا مگر یہ کرتے کیا تھے صبر۔ خیر ویسا صبر تو ہونا مشکل ہی کہ سر پر پتھر کھینچ مارا ہی خون کی تُلّلی جاری ہی دندانِ مبارک شہید ہو گئے ہیں صحابہؓ عرض کرتے ہیں کہ اُن کے حق میں بد دعا کیجیے اور آپ فرماتے ہیں کہ ای اللہ ان کو معاف کر کہ انھوں نے اپنے رسول کی قدر نہیں جانی۔ مگر ویسا صبر مشکل ہی تو شکر ہی کہ ویسی مصیبت بھی نہیں۔ ہم ہی نے اپنے تئیں کچھ ایسا چھوئی موئی بنا رکھا ہی کہ بے تمیزی کرے کوئی اور ایمان جائے ہمارا۔ ہندو اور عیسائی تو بھلا خیر دوسرا مذہب رکھتے ہیں اور اُن کے ہمارے اُصول مختلف ہیں۔ ہمارے آپس ہی میں ایک سے ایک کی نہیں بنتی۔ خدا ایک رسولؐ ایک قرآن ایک قبلہ ایک بلکہ یوں کہو کہ دین ایک تاہم چھوٹے چھوٹے بے حقیقت اختلافات پر مسلمانوں میں لاٹھیاں چلیں سر پھٹّول ہو فوجداری استغاثے ہوں۔ عدالت سے فریقین کو سزا ہو مچلکے لیئے جائیں۔ دونوں فریق ایک ایک مسجد میں نماز نہ پڑھ سکیں۔ اِس سکڑی جنتری میں سے نکلے تب کہیں جا کر چودھویں صدی کا مسلمان کہلائے رباعی

| | | | |
|---|---|---|---|
| شنیدم کہ مردانِ راہِ خدا | | دلِ دشمناں ہم نہ کردند تنگ | |
| ترا کے میسّر شود ایں مقام | | کہ با دوستانت خلاف ست و جنگ | |

مُسلماناں در گور و مُسلمانی در کتاب۔ ہاں تو لاؤ لکچر کی وہ شروع کی بات یاد کریں۔ الاوّل بہ آخر نسبتے دارد۔ پتھر جب اوپر سے گرتا ہی تو اُس کی رفتار تنزّل تیز ہوتی جاتی ہی۔ مُسلمانوں کو دنیا میں ظہور کیے ہوئے اب کم و بیش تیرہ سو برس ہوے اِس میں سے آدھی مدت ترقی کی رکھو اور آدھی تنزل کی یا دو تہائی ترقی کی رکھو اور ایک تہائی تنزل کی یا تین چوتھائی ترقی کی اور ایک چوتھائی تنزل کی تو اُس حساب سے جس کا حوالہ میں نے شمس العلماء خان بہادر مولوی

ذکاء اللہ پر کیا تھا مسلمان حضیض نکبت میں دن دونے اور رات چوگنے گرتے چلے جاتے ہیں۔ غرض کچھ کرنا ہی تو پرسوں کے کرتے کل اور کل کے کرتے آج اور آج کے کرتے اب اور اب کے کرتے ابھی کرو۔ ورنہ پس ازاں کہ من نہ مانم بہ چہ کار خواہی آمد +

# چوبیسواں لکچر

یہ لکچر ایجوکیشنل کانفرنس کے دسویں سالانہ جلسہ میں ۱۸۹۵ء بمقام شاہجہان پور دیا گیا تھا

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰی قَوْمِہٖ فَلَبِثَ فِیْھِمْ

اَلْفَ سَنَۃٍ اِلَّا خَمْسِیْنَ عَامًا فَاَخَذَھُمُ الطُّوْفَانُ

وَھُمْ ظَالِمُوْنَ فَاَنْجَیْنَاہُ وَاَصْحَابَ السَّفِیْنَۃِ

وَجَعَلْنَاھَا اٰیَۃً لِّلْعٰلَمِیْنَ

یہ آیت تو سورۂ عنکبوت کی ہے مگر نوح علیہ السلام کا ذکر قرآن میں کئی مقام پر ہے۔ اور اُنتیسویں پارے میں تو ایک سورت ہی براسہا نوح علیہ السلام کے حالات میں ہے اور اُن ہی کے نام سے نامزد بھی ہے۔ نوح علیہ السلام کا سب سے زیادہ مذکور سورۂ ہود

ہیں ہے کہ ایک ہی جگہ اکھٹے دور کوع ان ہی جناب کے حالات میں ہیں۔ اور بڑے ہی دلکش اور موثر ہیں۔ قرآن کا یہ طرز خاص ہے کہ اُس میں ایک ہی پیغمبر یا ایک ہی اُمّت یا ایک ہی واقعے کے حالات بقدر مناسب جگہ جگہ ٹکڑے ٹکڑے کرکے بیان ہوئے ہیں اور کہیں کہیں ایک ہی مضمون کا اِن ہی لفظوں یا دوسرے لفظوں میں اعادہ بھی ہے تو وہ قندِ مکرر کا مزہ دیتا ہے۔ میں نے ایک خاص غرض سے سورۂ عنکبوت کی آیت اختیار کی ہے ورنہ میں سورۂ ہودؑ ہی میں سے پڑھتا۔ سورۂ ہودؑ کی عظمت آپ صاحبوں کو اِس سے معلوم ہوگی۔ کہ جناب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم ارذل العمر کو نہیں پہنچے جس کی نسبت اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَمِنْكُمْ مَنْ يُرَدُّ إِلَىٰ أَرْذَلِ الْعُمُرِ لِكَيْلَا يَعْلَمَ بَعْدَ عِلْمٍ شَيْئًا۔ اور ارذل العمر کو پہنچنا شانِ رسالت کے خلاف سا بھی تھا۔ ہم اس عمر کے آدمی کو کہا کرتے ہیں کہ سٹھیا گیا ہے یا سترا بہترا ہوگیا ہے۔ پیغمبر صاحب پر جو آثار پیری ظاہر ہوئے تو اسی قدر کہ آخر عمر میں بدن مبارک ذرا بھاری ہو چلا تھا اور نافلۂ شب بیٹھ کر پڑھنے لگے تھے اور صدغین یعنی کنپٹی اور عنفقہ یعنی لب زیریں کے بالوں میں گنتی کے چند سفید بال آگئے تھے۔ سو عمر کے لحاظ سے یہ بھی قبل الوقت تھا۔ بلکہ ایک صحابی نے کہا بھی کہ یا حضرت آپ جلد بوڑھے ہو چلے تو فرمایا شَيَّبَتْنِي هُودٌ وَأَخَوَاتُهَا باوجودے کہ آپ کے اگلے پچھلے سب گناہ خدا نے معاف فرما دئے تھے۔ إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُبِينًا لِيَغْفِرَ لَكَ اللَّهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ وَيُتِمَّ نِعْمَتَهُ عَلَيْكَ وَيَهْدِيَكَ صِرَاطًا مُسْتَقِيمًا وَيَنْصُرَكَ اللَّهُ نَصْرًا عَزِيزًا لیکن آپ نے شرط عبودیت کو فوت نہیں ہونے دیا یہاں تک کہ نماز شب میں زیادہ کھڑے رہنے سے آپ کے پاؤں ورم کر آئے تھے۔ اور کسی نے کہا بھی کہ آپ عبادت کی اتنی زحمت کیوں اُٹھاتے ہیں تو فرمایا أَفَلَا أَكُونُ عَبْدًا شَكُورًا۔ اور واقع میں قرآن ہی ہی ایسی چیز کہ اگر خدا کا جلال اور جبروت کما ہو حقہٗ انسان کے ذہن نشین ہو اور وہ صدق دل سے قرآن کو کلام الٰہی جانتا اور مانتا ہو اور اس کا بھی اُس کو کامل

یقین ہو کہ زمین اور آسمان اپنی جگہ سے ٹل جائیں تو ٹل جائیں مگر قرآن کا ایک ایک جملہ - نہیں ایک ایک لفظ - نہیں ایک ایک شوشہ ضرور پورا ہو کر رہے گا پر رہے گا - اگر قرآن کی نسبت انسان کا ایسا عقیدہ ہو اور ہر شخص اپنی اپنی جگہ غور کر لے کہ ایسا عقیدہ رکھتا ہی یا نہیں - لیکن اگر قرآن کی نسبت انسان کا ایسا عقیدہ ہو تو کچھ عجب نہیں کہ وہ قیامت کے حالات سُن کر کانپ اُٹھے - اور کچھ عجب نہیں کہ قیامت کے حالات سن کر اُس کی گھگی بندھ جائے اور کچھ عجب نہیں کہ قیامت کے حالات سُن کر وہ بے اختیار رو پڑے جیسا کہ اللہ تعالیٰ قرآن میں ایک جگہ فرماتا ہے اَللّٰہُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِیْثِ کِتٰبًا مُّتَشَابِھًا مَّثَانِیَ تَقْشَعِرُّ مِنْهُ جُلُوْدُ الَّذِیْنَ یَخْشَوْنَ رَبَّھُمْ ثُمَّ تَلِیْنُ جُلُوْدُھُمْ وَقُلُوْبُھُمْ اِلٰی ذِکْرِ اللّٰهِ ذٰلِکَ ھُدَی اللّٰهِ یَھْدِیْ بِهٖ مَنْ یَّشَآءُ وَمَنْ یُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ ھَادٍ اور دوسری جگہ اُن وقتوں کے سچے عیسائیوں کی نسبت فرمایا ہی وَاِذَا سَمِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَی الرَّسُوْلِ تَرٰٓی اَعْیُنَھُمْ تَفِیْضُ مِنَ الدَّمْعِ مِمَّا عَرَفُوْا مِنَ الْحَقِّ یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اٰمَنَّا فَاکْتُبْنَا مَعَ الشّٰھِدِیْنَ وَمَا لَنَا لَا نُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَمَا جَآءَنَا مِنَ الْحَقِّ وَنَطْمَعُ اَنْ یُّدْخِلَنَا رَبُّنَا مَعَ الْقَوْمِ الصّٰلِحِیْنَ انسان راسخ العقیدت کا کانپ اُٹھنا اور رو پڑنا کیا بڑی بات ہی قرآن میں تو خدا نے وہ تاثیر رکھی ہی کہ اُس کو سن کر پہاڑ ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں تو عجب نہیں لَوْ اَنْزَلْنَا ھٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰی جَبَلٍ لَّرَاَیْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْیَةِ اللّٰهِ - مؤثر کے قوی الاثر ہونے میں تو سر مو فرق نہیں - ہاں فرق ہی تو متاثر کی حالتوں میں ہی - ایسے بھی خدا کے بندے ہو گزرے ہیں کہ مارے وہشت کے دہل کر مر گئے ہیں زرارہ بن اوفی تابعی کا مذکور ہی کہ جامع بصرہ میں نماز پڑھانے کھڑے ہوئے - قراءۃ میں فَاِذَا نُقِرَ فِی النَّاقُوْرِ مُنہ سے نکلا تھا کہ دھڑام سے گر پڑے اُٹھایا تو ہولِ قیامت سے ڈر کر طائرِ روح پرواز کر چکا تھا - مرتے تو نہیں مگر نماز میں بعض بزرگوں کو زار و قطار روتے تو میں نے بھی دیکھا ہی - شیخ سعدیؒ نے سچ کہا ہی ؎

| | | | |
|---|---|---|---|
| باراں کہ در لطافتِ طبعش خلاف نیست | | در باغ لالہ روید و در شور بوم خس | |

ایک تو وہ تھے کہ قرآن سُن کر قبل الوقت بوڑھے ہو گئے تھے۔ گویا فَکَیْفَ تَتَّقُوْنَ اِنْ کَفَرْتُمْ یَوْمًا یَّجْعَلُ الْوِلْدَانَ شِیْبًا ۔ السَّمَآءُ مُنْفَطِرٌۢ بِہٖ جیتے جی اُن پر گزر رہا تھا۔ ایک وہ تھے کہ قرآن سُن کر کانپ اُٹھتے تھے۔ ایک وہ تھے کہ قرآن سُن کر رونے لگتے تھے۔ ایک ہم ہیں کہ نَبَذَ فَرِیْقٌ مِّنَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتٰبَ کِتٰبَ اللّٰہِ وَرَآءَ ظُہُوْرِہِمْ کَاَنَّہُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ کے مصداق بن کر کتاب اللہ سے کچھ سروکار ہی نہیں رکھتے۔ کتاب اللہ کو پسِ پشت ڈال دینے کے معنی یہی ہیں کہ اُس سے سروکار نہ رکھا جاے اور کَاَنَّہُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ صاف بتا رہا ہی کہ گویا اُن کو اُس کتاب کی خبر ہی نہیں کہ خدا کی طرف سے نازل بھی ہوئی ہی اور نازل ہوئی ہی تو اُس میں کیا لکھا ہی۔ اِس اعتبار سے کہ قرآن صرف پیغمبر صاحب کی طرف وحی کیا گیا خدا نے اُس کو مَآ اُنْزِلَ عَلَیْکَ یا مَآ اُنْزِلَ اِلَیْکَ فرمایا ہی۔ اور اِس اعتبار سے کہ اُس کے احکام عام ہیں اور نہ صرف مسلمان بلکہ تمام افرادِ بنی آدم اُس کے مخاطب ہیں۔ اِس کو مَآ اُنْزِلَ عَلَیْکُمْ اور مَآ اُنْزِلَ اِلَیْکُمْ بھی ارشاد ہوا ہی۔ اِس کہنے سے میرا مطلب یہ ہی کہ قرآن کی نسبت ایسا خیال نہ کرو کہ وہ پیغمبر صاحب پر نازل ہوا اور ہم قرآن کی ذمہ داریوں کے بوجھ سے سبکدوش ہیں۔ نہیں نہیں۔ تعمیل کے اعتبار سے قرآن جیسا پیغمبر صاحب پر نازل ہوا ویسا ہی ہر ایک فردِ بشر پر نازل ہوا۔ جو نزولِ قرآن کے وقت خطاب کی صلاحیت رکھتا تھا یا تا قیامِ قیامت جامۂ بشریت میں آکر خطاب کی صلاحیت رکھے گا۔ نزولِ قرآن کی غرض و غایت اُس کے احکام کی تعمیل ہوئی تو سب سے پہلے ضرور ہی کہ ہم اُن احکام کو جانیں اور سمجھیں اور جاننا اور سمجھنا جیسا قرآن کی اصلی زبان یعنی عربی میں ہو سکتا ہی کسی دوسری زبان میں ہو نہیں سکتا۔ یہ جو پچھلی آسمانی کتابوں یعنی تورات انجیل وغیرہ پر مسلمان تبدیل و تحریف کا الزام لگاتے ہیں بادی النظر میں یہ الزام مخاصمانہ معلوم ہوتا ہی۔ کیوں کہ انسان کا اتنا بدنفس ہونا بھی قرینِ قیاس نہیں کہ وہ ایک کتاب کو کتاب اللہ بھی کہے اور پھر اُس میں دیدہ و دانستہ تبدیل و

تحریف بھی کرے۔ لیکن مسلمانوں نے بڑی کاوش سے اِس الزام کو منزل تک پہنچایا ہی۔
یہاں تک کہ خود یہود و نصاریٰ کے علماء کو بہ مجبوری تسلیم کرنا پڑا ہی کہ واقع میں صحف سماوی
انسانی تصرّفات سے محفوظ نہیں۔ لوگوں نے دیدہ و دانستہ تبدیل و تحریف نہ بھی کی ہو تاہم
ترجمہ خود ایک طرح کی تبدیل و تحریف ہی اور میں سمجھتا ہوں کہ جو شخص اِس گناہ کا مرتکب
ہوا ہی۔ وہ بے تامّل اس کو تسلیم کرے گا۔ میں شروع سے قرآن کے ترجمے کا سخت مخالف
رہا ہوں اب بھی مخالف ہوں اور جب تک زندہ ہوں مخالف ہی رہوں گا۔ اور اِس کے
دو بڑے سبب ہیں۔ بے شک بعض لوگ ایسے اداشناس بھی ہوتے ہیں جو پیغمبر کی طرزِ زندگی
یا تعلیم یا قیافے سے اُس کی صداقت کے معتقد ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ جب پیغمبر صاحب نے
حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے اپنے معراج پر جانے کا حال بیان کیا تو وہ بے تامّل صَدَّقْتَ
یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ کہہ اُٹھے۔ اور اِسی سے صدیق اُن کا خطاب ہوا۔ اور لوگوں نے پوچھا
کہ تم نے ایسی خلاف قیاس بات کو کس طرح پر تسلیم کر لیا ہوگا تو جواب دیا کہ پیغمبر نے فرمایا
اور مجھ کو یقین آگیا۔ ان ہی کی ایک اور حکایت ہی کہ پیغمبر صاحب کے زمانے میں روم نصاریٰ
اہلِ کتاب تھے اور فارس آتش پرست۔ دونوں میں ہوئی لڑائی تو اہلِ فارس نے فتح پائی
مشرکینِ عرب نے یہ سن کر خوب بغلیں بجائیں اور اپنے حق میں اس کو فالِ نیک سمجھا کہ جس طرح
فارسی آتش پرست روم اہلِ کتاب پر غالب آئے۔ ہم بھی مسلمانوں پر غالب آئیں گے۔ جیسے
مشرکینِ فارس کی فتح سے خوش ہوئے تھے ویسے ہی مسلمان روم کی شکست سے آزردہ۔
آخر مسلمانوں کی تسکین خاطر کے لیے وہ بڑے دھڑلّے کی پیشین گوئی نازل ہوئی الٓمّٓ
غُلِبَتِ الرُّوْمُ فِیْ اَدْنَى الْاَرْضِ وَھُمْ مِنْ بَعْدِ غَلَبِهِمْ سَيَغْلِبُوْنَ فِیْ بِضْعِ سِنِيْنَ
لِلّٰهِ الْاَمْرُ مِنْ قَبْلُ وَمِنْ بَعْدُ وَيَوْمَئِذٍ يَّفْرَحُ الْمُؤْمِنُوْنَ بِنَصْرِ اللّٰهِ يَنْصُرُ مَنْ يَّشَاۗءُ
وَھُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ وَعْدَ اللّٰهِ لَا يُخْلِفُ اللّٰهُ وَعْدَهٗ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ
ظَاهِرًا مِّنَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَھُمْ عَنِ الْاٰخِرَةِ ھُمْ غٰفِلُوْنَ۔ ہم لوگوں کا کیا حال ہی کہ تمام

دنیا کے جغرافئے اور تاریخ کی کتابیں پڑھتے ہیں۔ زمین کے چپے چپے کے نقشے ہمارے سامنے رہتے ہیں۔ کوئی حصہ ملک کا نہیں جس کے تفصیلی حالات ہم کو اخبار سے معلوم نہ ہوتے ہوں۔ ریل اور سٹیمر کے ذریعے سے سیر و سیاحت ایسی آسان ہو گئی ہی کہ دو مہینے میں تمام محیطِ زمین کا چکّر لگا آنا کچھ بڑی بات نہیں۔ اس پر بھی حال کی بات ہی کہ چین اور جاپان میں لڑائی کی چھیڑ چھاڑ شروع تھی تو تمام دنیا کے اہل الرائے اس پر متفق تھے کہ کم ظرف جاپان اہل یورپ کی ادھوری نقل کر کے شیخی میں آگیا ہی اور اُس کی شامت آئی ہی کہ چین کے ہاتھی کے ساتھ گنّے کھانے چلا ہی۔ خدا کی قدرت وہی کَمْ مِنْ فِئَةٍ قَلِيلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيرَةً بِإِذْنِ اللهِ جاپان نے چین کو خلاف توقع ایسا ایسا رگیدا کہ آخر کو اُس سے چیں بُلوا دی۔ اب چین کا بھرم کُھل گیا ہی اور جاپان اُس کو زخمی شکار کی طرح نیم مردہ کر کے چھوڑ گیا ہی۔ یورپ کے گدھ موقع پا کر اس کو آلپٹے ہیں اور اُس کی بوٹیاں نوچ رہے ہیں۔ تو میرے کہنے کا مطلب یہ ہی کہ اِس آگہی کے زمانے میں کہ چین اور جاپان دونوں کی فوجی قوت بحری اور برّی یورپ کے بچّے بچّے کو معلوم تھی۔ اور اس پر سمجھتے تھے کچھ اور ہوا کچھ۔ اِسی طرح جب جرمن اور فرانس کی مشہور لڑائی ہوئی تھی جس میں فرانس کی شخصی سلطنت کا خاتمہ ہو گیا اُس وقت بھی پالی ٹیشن لوگوں نے جتنی پیشین گوئیاں کیں سبھی تو غلط نکلیں۔ اب ہم اُن پیشین گوئیوں کا مقابلہ کرتے ہیں اُس بڑے دھڑلّے کی قرآنی پیشین گوئی کے ساتھ جو جناب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے روم اور فارس کی نسبت وحی آسمانی کے ذریعے سے کی تھی۔ غُلِبَتِ الرُّومُ فِي أَدْنَى الْأَرْضِ وَهُم مِّن بَعْدِ غَلَبِهِمْ سَيَغْلِبُونَ فِي بِضْعِ سِنِينَ۔ پیغمبر صاحب کے حالات روزِ ولادت سے لے کر روزِ وفات تک کے جزو و کل ایسے شرح و بسط کے ساتھ قلم بند کیئے ہوے موجود ہیں کہ اُن سے پیغمبر صاحب کا کوئی قول و فعل متروک نہیں ہونے پایا۔ اس واسطے کہ اُن حالات کو لوگوں نے نہایت تفتیش و تلاش و احتیاط کے ساتھ عبادت سمجھ کر جمع کیا ہی۔ پیغمبر صاحب کی ساری لائف

پڑھ ڈالو کہیں سے اِس کا پتہ نہیں چلتا اور نہیں چل سکتا کہ یہ پیشین گوئی پیغمبر صاحب کی اپنی ذاتی رائے تھی۔ اُنھوں نے روم اور فارس کا سفر نہیں کیا اُن کو اِن دو زبردست سلطنتوں کی فوجی قوت کے موازنہ کرنے کا کوئی موقع نہیں ملا۔ اور اگر یہ پیشین گوئی پیغمبر صاحب کی اپنی ذاتی رائے ہوتی تو وہ کبھی ایسے وثوق کے ساتھ اُس کو مشتہر نہ کرتے کہ اُس کو وحی متلو میں داخل کر دیتے جس کے صدق و کذب پر اُن کی رسالت کا صدق و کذب موقوف تھا اور پھر پیشین گوئی بھی ایسے تھوڑے زمانے کی فِیْ بِضْعِ سِنِیْنَ۔ کہ لفظ بضع عربی میں ۳ سے لے کر ۹ تک کی اکائیوں پر بولا جاتا ہے۔ لیکن اِدھر صاحبِ وحی کو یقینِ کامل تھا کہ یہ پیشین گوئی خدا کی پیشین گوئی ہے اور اپنے وقت پر ضرور ہو کر رہے گی۔ اور اسی لیے اِس کے مشتہر کرنے میں ذرا بھی تامل نہ کیا اور اُدھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ جیسے اُس کے باور کرنے والے کہ دوڑے دوڑے جا نسواونٹوں کی شرط لگا آئے اور جیتے۔ خیر تو بعضے لوگ ایسے ادا شناس بھی ہوتے ہیں کہ پیغمبر کی طرز زندگی یا تعلیم یا قیافے سے اُس کی صداقت کے معتقد ہو جاتے ہیں۔ جیسے ابوبکر رضی اللہ عنہ۔ یا جیسے عبداللہ بن سلام کہ وہ کہتے ہیں میں نے جب اوّل بار پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو مدینے میں دیکھا تو میرا دل مان گیا کہ ایسی نورانی شکل و صورت کا آدمی جھوٹا نہیں ہو سکتا وَاللّٰہِ مَا ھٰذَا بِوَجْہِ کَذَّابٍ لیکن سب کے دل تو ایک طرح کے نہیں ہوتے بلکہ سچ پوچھو تو اِس آسانی کے ساتھ حق سے متاثر ہونے والے آدمی بہت ہی کم ہوئے ہیں اب بھی بہت ہی کم ہیں اور آیندہ بھی بہت ہی کم ہوں گے۔ ایک بڑا جمِ غفیر تو اُن لوگوں کا ہی جو معجزے کو پیغمبری کی دلیل متعین سمجھتے ہیں اور ان میں بھی سب سے تیز وہ تھے جو من مانتے معجزے طلب کیا کرتے تھے وَقَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى تَفْجُرَ لَنَا مِنَ الْاَرْضِ يَنْۢبُوْعًا اَوْ تَكُوْنَ لَكَ جَنَّةٌ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّعِنَبٍ فَتُفَجِّرَ الْاَنْهٰرَ خِلٰلَهَا تَفْجِيْرًا اَوْ تُسْقِطَ السَّمَآءَ كَمَا زَعَمْتَ عَلَيْنَا كِسَفًا اَوْ تَاْتِيَ بِاللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ قَبِيْلًا اَوْ يَكُوْنَ لَكَ بَيْتٌ مِّنْ زُخْرُفٍ اَوْ تَرْقٰى فِي السَّمَآءِ وَلَنْ نُّؤْمِنَ لِرُقِيِّكَ حَتّٰى تُنَزِّلَ

عَلَیْنَا کِتَابًا نَّقْرَؤُہٗ اِن کو دین و مذہب سے تو کچھ بحث تھی نہیں صرف پیغمبر کے ساتھ ہرانی جتانی کرنی منظور تھی اور بس۔ لیکن کام تو ایسے ہی لوگوں سے پڑتا رہا ہو اِس مصلحت سے پیغمبروں کو معجزے دئے گئے پھر معجزے فی نفسہا کیسے ہی عظیم الشان کیوں نہ ہوں بعد الوقوع واقعۂ تاریخی ہو کر رہ جاتے ہیں۔ میں یوں کہتے ہی کہتے رہ گیا کہ معجزہ صاحبِ معجزہ کے مرنے سے واقعۂ تاریخی ہو جاتا ہو اور رُکا بھی تو اِس خیال سے کہ ہمارے یہاں تو لوگوں نے خرقِ عادت کو ایسی قوت ٹھیرا رکھا ہو جو صاحبِ قوت کے مرے پیچھے اَور بھی زور پکڑ جاتی ہو۔ میں خود چند بزرگوں کی زیارت سے اُن کی زندگی میں مشرف ہوا ہوں۔ بے شک بہت لوگ اُن سے ارادت رکھتے تھے اور اُن کے حق میں میرا گمان بھی نیک تھا ظَنُّوْا بِالْمُؤْمِنِیْنَ خَیْرًا مگر دعوے کے ساتھ کوئی خرقِ عادت اُن کی طرف منسوب نہیں کیا جاتا تھا۔ دفعۃً سُنا کہ اُن بزرگ کا اِنتقال ہوا اور خبر انتقال کے ساتھ یہ بھی سُنا کہ غُسل دیتے میں ہونٹ ہلتے ہوئے دکھائی دئے۔ کان لگا کر سُنا تو نفی و اثبات جہری کا ذکر جاری تھا۔ پھر قطب صاحب میں مزار کی تجویز ہوئی تھی۔ بہتیرے زور لگائے جنازہ جگہ سے نہ ہلا پر نہ ہلا اتنے میں حضرت سجادہ نشین صاحب کو مراقبے میں بشارت ہوئی کہ جہاں ہمارا وصال ہوا ہو ہم کو یہیں رہنے دو۔ تو میں یہ نہیں کہنا چاہتا کہ معجزہ صاحبِ معجزہ کے مرنے سے مر جاتا ہو۔ بلکہ شاید یہ کہنا بہتر ہوگا کہ معجزہ عند الوقوع بڑا قوی ڈوس[۹۵] ہوتا ہو لیکن مرورِ زمانہ سے پُرانا ہو کر ضعیف الاثر ہو جاتا ہو۔ مثلاً جس وقت حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے مُردے کو قُمْ بِاِذْنِ اللّٰہِ کہکر جلا اُٹھایا ہوگا۔ جتنوں نے یہ کرشمۂ قدرت دیکھا ہوگا ضرور حضرت عیسیٰؑ پر صدقِ دل سے ایمان لائے ہوں گے۔ لیکن اب اُس معجزے کا کیا حال ہو۔ بہتوں کو تو یقین نہیں کہ ایسا ہوا ہو اور جن کو یقین ہو تو اُس کو نہ عین الیقین کہہ سکتے ہیں اور نہ حق الیقین۔ وہ ایک افسانے سے زیادہ دلوں پر اثر نہیں کر سکتا۔ کُلُّ مَنْ عَلَیْہَا فَانٍ کا فتویٰ نہ صرف بنی آدم پر جاری ہو بلکہ کُل چیزوں پر جو روے زمین پر ہیں۔ یہاں تک کہ واقعات پر بھی۔ لیکن فنا کے طریقے مختلف ہیں۔ آدمی کا

[۹۵] معتاد۔ مقدارِ خوراک۔ ۱۲

فنا ہونا اُس کے مرنے سے ہوتا ہے اور واقعات کا فنا ہونا اُن کی تاثیر کے ضعیف ہو جانے سے
غرض جس طرح کل انبیاء علیہم السلام کو پیشگاہ خداوندی سے معجزے ملے تھے۔ اسی طرح ہمارے
پیغمبر صاحب کو معجزے کا ملنا تو ضرور تھا۔ لیکن وہ فضیلت جو خدا نے اُن کو دوسرے پیغمبروں
پر دی ہے اس کی بھی متقاضی تھی کہ جس طرح وہ اشرف الانبیاء ہیں اُسی طرح اُن کا معجزہ بھی
اشرف المعجزات ہو۔ سو واقع میں بھی ایسا ہی ہے۔ ہمارے پیغمبر صاحب کا بڑا معجزہ ہی قرآن۔
اور دوسرے انبیاءؑ کے معجزوں سے اس کا مقابلہ کیا جائے تو یہ ابدی اور دائمی اور مستمر اور
متجدد اور باقی ہے۔ جب کہ دوسرے معجزات اپنے وقت میں معجزہ تھے اور اب صرف ایک واقعہ
تاریخی ہو گئے ہیں کہ اُن کا وقوع تسلیم بھی کیا جائے تاہم اُن میں مرورِ زمانہ کی وجہ سے وہ
اثر وہ زور وہ وقعت باقی نہیں۔ لیکن معلوم رہے کہ یہ شرف اور یہ فضیلت جو معجزۂ قرآن
کو ہے اس کی فصاحت و بلاغت کی وجہ سے ہے۔ جس کا معارضہ باوجود طلب و تحدّی نہ آج
تک کوئی کر سکا اور نہ آیندہ کوئی کر سکے لَئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰٓی اَنْ یَّاْتُوْا بِمِثْلِ
هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا یَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِیْرًا تو میں جو قرآن کے ترجمے کا
مخالف تھا اور مخالف ہوں اور مخالف رہوں گا۔ اس کا ایک سبب تو یہی تھا کہ ترجمہ
کیسی ہی احتیاط اور عمدگی سے کیوں نہ کیا جائے۔ اصل عربی کی فصاحت اور بلاغت تو
ترجمے میں آنی ممکن نہیں اور یہ اختلاف اَلسنہ کا ضروری نتیجہ ہے۔ اور قرآن کا ترجمہ ہوگا
تو لوگ اصل متن سے بے نیاز ہوتے جائیں گے اور ترجمہ ہی اصل قرآن کے قائم مقام ہوگا
جیسا کہ تورات و انجیل وغیرہ کا حال ہوا کہ یہ کتابیں اپنی اصلی زبان میں تیمناً لوگوں نے
رکھ چھوڑی ہوں تو رکھ چھوڑی ہوں ورنہ جہاں دیکھو تراجم۔ اور اگر خدا نخواستہ قرآن کا
یہی حال ہوا اور ان شاء اللہ نہیں ہوگا۔ کیوں کہ خدا نے اس کی حفاظت کا وعدہ فرمایا ہے
اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ لیکن اگر بفرضِ محال قرآن کا بھی حال ہوا تو اس کے
یہ معنی ہوں گے کہ مسلمان ایک زندہ معجزے کو ہاتھ سے دے بیٹھیں گے یعنی ہیرے مُنہ

میں خاک بنیادِ اسلام متزلزل ہو جائے گی۔ دوسرا سبب میرے مخالفِ ترجمہ ہونے کا وہی خوفِ تحریف تھا اور ہے۔ زیادہ نہیں ۳ یا ۴ بار بے رجوع الی الاصل ترجمہ در ترجمہ ہونے دو اور پھر مثلاً چوتھے ترجمے کو اصل سے ملا کر دیکھو تو پاؤ گے کہ گویا دو کتابیں ہیں جداگانہ ذرا سمجھنے اور غور کرنے کی بات ہے کہ جناب پیغمبر صاحب صلعم اپنی رسالت کے جہاں اور دلائل پیش کرتے تھے وہاں توارت اور انجیل اور صحف انبیاء سابقین کی پیشین گوئیوں سے بھی استدلال کرتے تھے اور استدلال بھی کرتے تھے تو اس شد و مد کے ساتھ کہ اَلَّذِیْنَ اٰتَیْنٰاھُمُ الْکِتَابَ یَعْرِفُوْنَہٗ کَمَا یَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَھُمْ اور وَاِذْ قَالَ عِیْسَی ابْنُ مَرْیَمَ یٰبَنِیْٓ اِسْرَآئِیْلَ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ اِلَیْکُمْ مُّصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیَّ مِنَ التَّوْرٰاۃِ وَمُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ یَّاْتِیْ مِنْۢ بَعْدِی اسْمُہٗٓ اَحْمَدُ۔ اس سے بڑھ کر صاف اور صریح پیشین گوئی اور کیا ہو سکتی ہے کہ نام تک بتا دیا۔ کسی کی عقل اس بات کو قبول کر سکتی ہے کہ کتاب مخالفوں کے ہاتھ میں ہو اور اس میں پیغمبر صاحب کا نام و نشان نہ ہو اور ناحق زبردستی اُن سے کہا جائے کہ نہیں خود تمہاری کتابوں میں نام تک لکھا ہوا موجود ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو مخالفین لا کر کتابوں کا ڈھیر لگا دیتے کہ لو بتاؤ ان میں تمہارا مذکور کس مقام پر ہے۔ مگر سیر اور حدیث کہیں سے اس کا پتہ نہیں چلتا کہ کسی مخالف نے ایسا کیا ہو۔ یوں اُن کے مناظروں اور مباحثوں یہاں تک کہ مباہلے تک کا مذکور ہے اور نہیں ہے تو اس معارضے کا۔ پس ہو نہ ہو پیغمبر صاحب کے زمانے تک تو پیشین گوئی بقید نام ضرور موجود تھی۔ لیکن اب واقع میں کہیں نہیں پائی جاتی تو یہ اس اثنا میں کدھر غائب ہوئی۔ غائب ہوئی ترجموں میں کہ احمد اسم صفتی ہے۔ کسی نے اُس کو صفت سمجھا اور تعیین اسمی اُڑ پڑ گئی۔ غرض ایک تو قرآن کی فصاحت اور بلاغت کے لحاظ سے اور دوسرے اِس خاص قسم کی تحریف کے ڈر سے میں ہمیشہ قرآن کے ترجمے کا مخالف رہا ہوں اور اب بھی ہوں اور رہوں گا بھی۔ مگر آپ صاحب نہایت تعجب سے سنیں گے کہ باوجود ایسی سخت مخالفت کے میں نے آپ ہی قرآن کا اُردو ترجمہ بھی کیا ہے

جو مطبع انصاری دہلی میں چھپ رہا ہی - اِس کا یہ سبب ہوا کہ ایک طرف تو مَیں ترجمے کا مخالف تھا اور دوسری طرف میں نہایت افسوس کے ساتھ دیکھتا تھا کہ مسلمانوں کے معاملات صاف نہیں اِس لیئے کہ اُن کے مذہبی خیالات درست نہیں اور مذہبی خیالات درست نہیں اس لیئے کہ اُن کی مذہبی معلومات ٹھیک نہیں - میں دوسری قوموں کے ساتھ مسلمانوں کا مقابلہ کرتا ہوں تو میں ان کو الزام نہیں دیتا کہ یہ اپنے مذہب کا پاس کم کرتے ہیں - نہیں - اِن میں اکثر نمازیں پڑھتے ہیں اور روزے تو گویا سب ہی رکھتے ہیں - محرّماتِ شرعی سے بھی اکثر محترز ہیں میں ان کو مذہبی رسموں کا اہتمام کرتے ہوے بھی دیکھتا ہوں - اور اپنی مذہبی کتاب یعنی قرآنِ مجید کو تو یہ ایسا عزیز رکھتے ہیں کہ دوسری قوموں میں اُس کی نظیر ملنی مشکل ہی - مگر قرآن کو عزیز رکھتے بھی ہیں تو اُس کے لفظوں کو - مجھ کو کتاب فروشوں اور چھاپے خانے والوں سے معلوم ہوا ہی کہ جس کثرت اور تواتر سے قرآن چھپتا ہی کوئی کتاب نہیں چھپتی ایک - اور دوسرے یہ کہ جتنی قرآن کی نکاسی ہی کسی کتاب کی نہیں کہ حمائل ہو ضخیم ہو - خفی ہو جلی ہو مترجم ہو غیر مترجم ہو - اِدھر چھپا اور اُدھر بِکا - پھر مسلمانوں میں لاکھوں قرآن کے حافظ نکلیں گے اور الحمد للہ کہ اُن میں سے ایک میں بھی ہوں جب کہ دوسری قوموں میں کوئی حافظِ کتاب سننے میں نہیں آیا - لیکن کیا نقوش اور الفاظ کی عزت کرنے سے کہہ سکتے ہیں کہ مسلمانوں نے حَقَّ قَدْرِہٖ قرآن کی قدر کی - حاشا نہیں - کلا نہیں - قرآن نام ہی مجموعۂ معانی و الفاظ کا - پس جو شخص طوطے کی طرح قرآن کے الفاظ پڑھتا ہی - اور فہمِ معانی سے بے بہرہ ہی - ہم اُس کو بہت کریں گے نیم قرآن خواں کہیں گے - یا اِس سے بھی کم - اے کاش مسلمان جس قدر قرآن کے الفاظ کی قدر کرتے ہیں اُس کی آدھی تہائی چوتھائی بلکہ دسواں بیسواں پچاسواں سواں حصّہ اُس کے معانی کی طرف متوجّہ ہوں بے شک قرآن عربی زبان میں ہی اور وہ بجاے خود مشکل زبان ہی اور اُس کی صرف و نحو میں بڑی موشگافیاں ہیں - اور اُس کا سیکھنا بے شک دقّت طلب ہی لیکن لوگوں نے

جتنا اُس کو مشکل بنا رکھا ہے اور مشکل سمجھ رکھا ہے میں خیال کرتا ہوں اُس کا عشر عشیر بھی مشکل نہیں۔ گو زبان مشکل ہے۔ لیکن اِس اشکال کے مقابلے میں یہ کتنی بڑی سہولت ہے کہ اُس کے الفاظ ہماری زبان اُردو میں اِس کثرت سے ہیں جیسے کھچڑی میں چاول اُس کے الفاظ فصیح اُردو کی جان ہیں کَیْفَ مَا اتَّفَقَ کوئی سا اُردو کا اخبار اُٹھا کر دیکھو۔ گو اُس کا اڈیٹر ہندو اور ہندو بھی کٹا ہندو۔ مسلمانوں کی صورت مسلمانوں کے نام مسلمانوں کی بولی یعنی نہ صرف مسلمانوں کے مذہب سے بلکہ مسلمانوں کی ہر چیز سے جلتا ہو۔ خدا نے چاہا تو اس کے اخبار کی بھی کوئی سطر نہیں پاؤ گے جس میں عربی کا لفظ نہ ہو۔ اور یوں جیسے مرزا نوشہ مرحوم کونتھ کونتھ کر پارسی ناآمیختہ بتازی لکھا کرتے تھے اُن کی طرح کوئی ٹھیٹ ہندی کی چندی لکھے تو اُس کا مذکور نہیں۔ مگر اُس کو ٹھیٹ ہندی کہیں گے نہ فصیح اُردو۔ بہر کیف عربی کے اِشکال کے مقابلے میں ایک سہولت تو یہ ہے کہ فصیح اُردو میں اِس کے الفاظ بکثرت ہیں۔ اِس کے علاوہ زبان دانی دو طرح کی ہے۔ ایک اعلیٰ درجے کی اور وہ تو ساری عمر کے صرف کیئے بدون نہیں آتی۔ اور دوسری بقدرِ کارروائی اور فہمِ قرآن کے لیئے میں سمجھتا ہوں اتنی بھی بس کرتی ہے۔ لیکن ہاں امام رازیؒ کا سا سمجھنا نہیں بلکہ یہی معمولی طور کا سا سمجھنا جیسے ہم معمولی استعداد کے ہندی یعنی باشندگانِ ہند سمجھ لیا کرتے ہیں۔ سو امام رازیؒ ہی نے قرآن میں بڑی نکتہ چینیاں کر کے کون سا کمال حاصل کر لیا تھا۔ یہ وہی امام رازی ہیں نہ جن کی شان میں مولانا روم فرماتے ہیں ؎

| | |
|---|---|
| گر بہ استدلال کارِ دیں بُدے | فخرِ رازی رازدارِ دیں بُدے |

بلاشبہ فہمِ قرآن کی قدر عربی جاننے کے لیئے ہم کو اپنے طریقۂ تعلیم کی اصلاح کرنی پڑے گی اور وہ محتاجِ اصلاح ہے بھی۔ لیکن فرض کرو کہ اِتنی عربی جو فہمِ قرآن کے لیئے بس کرے۔ پتّھر ہے اور پتّھر بھی خارا۔ مگر بے فہم قرآن آدمی ٹکسالی مسلمان تو ہوتا نہیں۔ اور ٹکسالی مسلمان ہونا اگر نعمت ہے اور وہ واقع میں نعمت ہے اور بڑی نعمت ہے

کیوں کہ نجاتِ ابدی اور نعمائے بہشت اور رضوان اللہ کی کفیل ہی تو ایسی بڑی نعمت کو دیکھیں یا چند روزہ زحمت کو۔

بھائیو! ذرا انصاف کرو دنیاے فانی کی موہوم کامیابیوں کے لیئے ہم تم محنت اور جانفشانی کا کون سا دقیقہ اُٹھار کھتے ہیں تو آخرت کے گھر کو جہاں ہمیشہ ہمیشہ رہنا ہی ایسا کہاں کا گیا گزرا ہوا سمجھ لیا ہی کہ اُس کے لیئے اِتنی سی زحمت بھی گوارا نہ کرو اَمۡ حَسِبۡتُمۡ اَنۡ تَدۡخُلُوا الۡجَنَّةَ وَ لَمَّا یَاۡتِکُمۡ مَّثَلُ الَّذِیۡنَ خَلَوۡا مِنۡ قَبۡلِکُمۡ مَسَّتۡهُمُ الۡبَاۡسَآءُ وَ الضَّرَّآءُ وَ زُلۡزِلُوۡا حَتّٰی یَقُوۡلَ الرَّسُوۡلُ وَ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا مَعَهٗ مَتٰی نَصۡرُ اللّٰهِ اَلَاۤ اِنَّ نَصۡرَ اللّٰهِ قَرِیۡبٌ تم ایسی بے حقیقت زحمتوں کو لیئے پھرتے ہو۔ قرآن میں ایک مقام پر اللہ تعالیٰ دو دلے مسلمانوں کی نسبت اعتراض کے طور پر فرماتا ہی وَ لَوۡ اَنَّا کَتَبۡنَا عَلَیۡهِمۡ اَنِ اقۡتُلُوۡۤا اَنۡفُسَکُمۡ اَوِ اخۡرُجُوۡا مِنۡ دِیَارِکُمۡ مَّا فَعَلُوۡهُ اِلَّا قَلِیۡلٌ مِّنۡهُمۡ وَ لَوۡ اَنَّهُمۡ فَعَلُوۡا مَا یُوۡعَظُوۡنَ بِهٖ لَکَانَ خَیۡرًا لَّهُمۡ وَ اَشَدَّ تَثۡبِیۡتًا وَّ اِذًا لَّاٰتَیۡنٰهُمۡ مِّنۡ لَّدُنَّاۤ اَجۡرًا عَظِیۡمًا وَّ لَهَدَیۡنٰهُمۡ صِرَاطًا مُّسۡتَقِیۡمًا۔ مگر ہاں یوں کہو کہ ہم پہلے مسلمان تھے اِس لیئے کہ مسلمان کے گھر پیدا ہوئے مسلمانوں کا سا نام رکھا گیا۔ زبردستی پکڑ کر ختنے کر دیئے جن دنوں انگرکھے کا رواج تھا بائیں طرف کو انگرکھے کا پردہ رکھا۔ مزے سے جانوروں کے گوشت کھاتے رہے۔ اور اب مسلمان ہیں اِس واسطے کہ مذہب کی آڑ پکڑ کر اپنا ہو یا بیگانہ لڑنے کو موجود خانہ جنگی کو طیار بلوے کو آمادہ ہنگامے کو مستعد۔ اس میں تو دوست اور دشمن کسی کو کلام نہیں کہ مسلمانوں کی حالت یوماً فیوماً خراب ہوتی چلی جارہی ہی۔ اس خرابی کے اسباب قریبہ جو کچھ بھی ہوں مگر جہاں تک میں خیال کرتا ہوں ان اسباب کا سلسلہ آخر کار اسی ایک سبب پر جا کر منتہی ہوتا ہی کہ مسلمانوں کا مذہب اصلی حالت پر نہیں رہا۔ بے شک جیسا میں نے ابھی تھوڑی دیر ہوئی کہا تھا وہ مذہب رکھتے ہیں اور کون سا فرد بشر ہی جو کوئی نہ کوئی مذہب نہیں رکھتا بہرکیف مسلمان مذہب رکھتے ہیں مگر میں وَالَّذِیۡ نَفۡسِیۡ بِیَدِهٖ

اعتراض کے طور پر نہیں دل سوزی اور ہم دردی کی راہ سے کہتا ہوں کہ اِن وقتوں کے اکثر مسلمانوں وَلِلاکثرِ حُکمُ الکُلّ یعنی ان وقتوں کے مسلمانوں کے مذہب کی بنیاد تقلیدِ آبائی پر ہی یا رسم و رواج پر یا طرزِ معاشرت پر یا کسی اَور چیز پر جو تم لوگ تجویز فرماؤ نہ قرآن پر اس واسطے کہ یہ بیچارے قرآن کے مفہوم سے واقف نہیں۔ واقفیت کی اِن کو لیاقت نہیں اور واقفیت کی نظر سے اس کو پڑھتے بھی نہیں۔ یاد رکھو کہ عام مسلمانوں کے حال سے بحث ہی اگر سیکڑوں میں نہیں ہزاروں میں بلکہ شاید لاکھوں میں دو چار عربی داں اور فہمِ قرآن پر قادر ہوئے تو اِتنوں سے اُس حکم میں جو عام مسلمانوں پر لگایا جائے کوئی خلل نہیں آتا۔ اب میں یہ دکھانا چاہتا ہوں کہ ایک حکم الفاظ قرآن کے پیرائے میں جو وقعت رکھتا ہی وہ دوسری زبان کے پیرائے میں نہیں رکھ سکتا۔ جب ہم سمجھ کر قرآن کی تلاوت کرتے ہیں تو خود بخود ایسا معلوم ہوتا ہی کہ گویا ہم خدا سے باتیں کر رہے ہیں۔ کبھی ہم کچھ عرض کرتے ہیں اور کبھی وہ کچھ ارشاد فرماتا ہی۔ لیکن جب ہم ترجمہ لیکر بیٹھتے ہیں۔ تو یہ خیال ہوتا ہی کہ خدا نہیں کہہ رہا بلکہ اُس کی طرف سے مترجم کہہ رہا ہی اور اسی واسطے ترجمہ وہ زبردست اثر نہیں ڈال سکتا جو اصل قرآن ڈالتا۔ اگر ہم اُس کو سمجھتے ہوتے۔ عربی زبان کا تلفظ بھی ایک خاص وقعت رکھتا ہی۔ اُس کے حروف حلقی بولنے میں شان دار معلوم ہوتے ہیں ہم کو یہ بھی بتایا گیا ہی کہ اہلِ جنت عربی ہی میں بات چیت کریں گے۔ غرض ہم مسلمان کئی سبب سے عربی کا ادب کرتے ہیں اور وہ قابلِ ادب ہی بھی۔ اور یہ میرا پکا عقیدہ ہی کہ اگر ہم قرآن کو اُس کی اصلی زبان میں سمجھتے ہوتے تو ہم اِس سے کہیں بہتر مسلمان ہوتے جیسے اب ہیں۔ میں اپنے لکچروں میں عربی کے چھوڑ بیٹھنے پر مسلمانوں کو بڑی سختی سے ملامت کرتا تھا اُن کو بتاتا تھا سمجھاتا تھا کہ مسلمانوں نے عربی کو ناحق ہوّا بنا رکھا ہی وہ جیسی مشکل سمجھی جاتی ہی۔ ہرگز ایسی مشکل نہیں۔ کہنے کو تو میں سب کچھ کہتا تھا۔ پر دل میں یہ بھی سمجھتا تھا کہ ایک مذہبی خیال تو محرّک اور وہ بھی ضعیف اور ہزاروں موانع

اور وہ ایک سے ایک قوی۔ عربی کی اٹکی ہوئی گاڑی کو جگہ سے سرکانا این خیال است و محال است و جنوں۔ جب اِدھر سے مایوسی ہوتی تھی تو میں ترجمے کی تصویب کرنے لگتا تھا کہ جب مسلمانوں کو عربی کے پڑھنے کی فرصت نہیں۔ توفیق نہیں تو خیر اِن کو ترجمے ہی کی چاٹ لگائی جائے کہ کسی طرح حکمِ خدا اِن کے کانوں میں تو پڑے۔ اور حکمِ خدا بُری طرح یا بھلی طرح کانوں میں پڑتا رہے گا تو کہاں تک ان کے معتقدات اور معاملات پر اثر نہ کرے گا آخر گوش رسیدہ اثرے دارد۔ یوں تو قرآن کے متعدد ترجمے ہوئے ہیں اور اگرچہ پہلے لوگ قرآن کے ترجمے کا قصد کرتے ہوئے رُکتے تھے مگر اب یہ جھجک اُٹھ گئی ہی اور اُٹھتی چلی جاتی ہی۔ بہر کیف قرآن کے متعدد ترجمے موجود ہیں۔ مگر سب میں مشہور اور مقبول تین ہیں۔ اور کتنے بڑے دینی فخر کی بات ہی کہ تینوں ترجمے ایک ہی گھر کے ہیں۔ اسلام کے اعتبار سے جو خاندان عموماً تمام ہندوستان اور خصوصاً دہلی کا موجبِ فخر ہو گزرا ہی۔ اِس کے مورثِ اعلیٰ تھے حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب۔ ان کے دو فرزند حضرت مولانا شاہ ولی اللہ صاحب اور مولانا شاہ اہل اللہ صاحب۔ مولانا شاہ ولی اللہ کے چار فرزند۔ مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب۔ مولانا شاہ رفیع الدین صاحب۔ مولانا شاہ عبدالقادر صاحب اور مولانا شاہ اسمٰعیل شہید کے والد مولانا شاہ عبدالغنی صاحب۔ فارسی ترجمہ مولوی شاہ ولی اللہ صاحب مرحوم و مغفور کا ہی۔ بڑی احتیاط سے ترجمہ کیا ہی۔ احادیث اور تفاسیر پر شاہ صاحب کی بڑی وسیع نظر ہی۔ اور اس لئے یہ ترجمہ سب سے زیادہ مستند ہی۔ مگر ہی فارسی۔ اور ظاہر ہی کہ شاہ راہِ عدم پر آگے عربی ہی تو پیچھے فارسی۔ یعنی عربی تو گویا ہندوستان سے رخصت ہوئی اور فارسی یوں ہی سی کچھ ہی سو وہ بھی مہمانِ چند روزہ ہی ع اگر ماند شبے ماند شبے دیگر نمی ماند۔ پس ہم کو مولانا مولوی شاہ ولی اللہ صاحب کے فارسی ترجمے سے تو قطع نظر کرنی چاہیئے اب رہ گئے اُردو کے دو ترجمے ان میں سے ایک مولوی شاہ رفیع الدین صاحب کا ہی اور دوسرا مولوی شاہ عبدالقادر صاحب کا کہ یہ دونوں مولوی شاہ ولی اللہ صاحب کے فرزند

تھے۔ مولوی شاہ عبد العزیز صاحب سے چھوٹے۔ مولوی شاہ رفیع الدین صاحب کا ترجمہ لفظی ہی۔ جس کو انگریزی میں لِٹرل کہتے ہیں۔ یعنی شاہ رفیع الدین صاحب ترتیب الفاظ کو بھی ہاتھ سے نہیں جانے دیتے۔ اگر ایک آیت کا ترجمہ اُس کے نیچے لکھا جائے گا تو تم پاؤ گے کہ ہر ایک لفظ اور ہر ایک حرف کا ترجمہ اُس کے مقابلے میں ٹھیک اُسی کے نیچے موجود ہی۔ ظاہر ہی کہ یہ ترجمہ شگفتہ ہو نہیں سکتا۔ کیونکہ اُردو اور عربی کا طرزِ ادائے مطلب ایک دوسرے سے بالکل متغائر ہی۔ مثلاً ایک موٹی سی بات کہتا ہوں کہ ضَرَبَ زَیْدٌ عَمْرًوا عربی کا ایک جملہ ہی فصیح اور بامحاورہ۔ جس کا ترجمہ مولوی شاہ رفیع الدین صاحب کے ڈھنگ پر یوں ہو گا کہ "مارا زید نے عمرو کو" لیکن "مارا زید نے عمرو کو" صحیح تو ہی مگر فصیح اور بامحاورہ نہیں۔ کیوں کہ عرب کے لوگ پہلے فعل بولتے ہیں پھر فاعل پھر مفعول کا نام لیتے ہیں۔ اور ہم اوّل فاعل و مفعول کا ذکر کر کے آخر میں فعل لاتے ہیں اسی مطلب کو ہم اس طرح پر کہیں گے کہ "زید نے عمرو کو مارا"۔ "مارا زید نے عمرو کو" ویسی ہی غیر فصیح اُردو ہی جیسی زَیْدٌ عَمْرًوا ضَرَبَ غیر فصیح عربی ہی۔ اور جملہ صرف فعل اور فاعل اور مفعول ہی کا تو نام نہیں۔ بعض اوقات شرط و جزا اور متعلقات اور بدل اور تاکید اور صفات اور معطوفات اور جملۂ معترضہ وغیرہ کے داخل کلام ہونے سے ایک جملہ کئی کئی سطروں میں جا کر تمام ہوتا ہی اور جب تین لفظوں میں ترتیب کی پابندی کرنے سے اُردو کا یہ حال ہو گیا کہ زید نے عمرو کو مارا کی جگہ مارا زید نے عمرو کو بولنے لگے تو اُن بڑے جملوں کا کیا حال ہونا ہی جن کے ساتھ متعلقات کا لمبا دُم چھلّا بھی لگا ہی۔ بس یہ حال ہوتا ہی کہ عبارت اُکھڑی اُکھڑی معلوم ہوتی ہی۔ طبیعت اُلجھتی ہی ہماری اپنی زبان ہی اور مطلب بھی دقیق نہیں مگر کچھ ایسی تعقیدات واقع ہوئی ہیں کہ قدم قدم پر سوچنے اور غور کرنے کی ضرورت پڑتی ہی۔ نتیجہ یہ ہی کہ لوگ شوق سے ترجمے کی طرف راغب نہیں ہوتے اور کچھ لوگ ترجمے کو پڑھتے بھی ہیں تو وہی تعبّدی طور پر پڑھتے ہیں۔ جیسے اصل متن کو۔ میں بہ قسم

اِس بات کو کہتا ہوں کہ مَیں اِن بزرگوں کی اور اِن بزرگوں کے ترجموں کی اِس قدر عزت کرتا ہوں کہ بس میرا ہی جی جانتا ہی۔ میں خوب سمجھتا ہوں کہ اُنھوں نے کتنی کچھ تو محنت کی ہوگی اور کتنا کچھ وقت صرف کیا ہوگا۔ اور اِن ترجموں پر کیا موقوف ہی۔ ایں خانہ تمام آفتاب است۔ اِس خاندان نے تو تمام ہندوستان میں اسلام کی وہ وہ خدمتیں کی ہیں کہ بس خدا ہی اُن کی داد دے گا۔ میرا اپنا عقیدہ تو یہ ہی کہ اِن بزرگواروں نے ہندوستان کے اسلام کے حق میں ایسا کام کیا ہی۔ جیسا عرب کے اسلام کے حق میں مہاجرین اور انصار نے کیا تھا۔ رِضْوَانُ اللّٰہِ عَلَیْہِمْ اَجْمَعِیْنَ۔ پھر یہ مترجم دِلّی میں پیدا ہوئے۔ اِن کی بولی بجائے خود سند ہی۔ مجھ سے کسی معتبر نے روایت کی تھی کہ شیخ ابراہیم ذوق شروع شروع میں میاں نصیر سے مشورہ لیا کرتے تھے۔ پھر دونوں میں ایک طرح کی منافست پیدا ہوگئی تھی تو میاں ذوق بالالتزام مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب کے وعظ میں حاضر ہوتے اور اُن کے بیان سے استفادہُ سخن کرتے۔ تو کون ایسا ناانصاف اور حق ناشناس اور احمق ہوگا۔ کہ مولوی شاہ رفیع الدین یا مولوی شاہ عبدالقادر کے ترجموں پر معترض ہو۔ مگر ہی کیا کہ ان بزرگوں نے فرطِ ادب سے لفظی تقدیم وتاخیر کو بھی گناہ سمجھا۔ اور اُن کی یہ احتیاط قابلِ تحسین ہی اگلوں نے ایسی ہی احتیاطیں کی ہیں تب کہیں جاکر قرآن محفوظ رہا ہی۔ ورنہ آج توراۃ و انجیل کا سا حال ہوگیا ہوتا۔ مثلاً سورۂ اقرأ میں جو وہ آیت ہی کَلَّا لَئِنْ لَّمْ یَنْتَہِ لَنَسْفَعًا بِالنَّاصِیَۃِ نَاصِیَۃٍ کَاذِبَۃٍ خَاطِئَۃٍ اِس میں لَنَسْفَعًا حقیقت میں صیغۂ جمع متکلّم مضارع موکد بہ لامِ تاکید و نونِ تاکید خفیفہ ہی مگر مصحفِ عثمانی میں غلطی سے نون خفیفہ کی جگہ تنوین لکھ گیا کہ اُس وقت تک قواعد اچھی طرح منضبط نہیں ہوئے تھے۔ اور نون خفیفہ اور نون تنوین دونوں کا تلفظ یکساں تھا۔ ابھی تک وہی غلطی نقل در نقل ہوتی چلی آتی ہی۔ اور رسم الخط قرآنی کی رو سے اگر کوئی تنوین کی جگہ نون خفیفہ لکھ دے تو اُس کو غلط سمجھیں گے۔ اِس بارے میں ہمارے علما کی احتیاط تو اِس درجے تک بڑھی ہوئی ہی کہ

قرآن تو قرآن حدیث اور مسائل فقہی کا بھی جب ترجمہ کریں گے لفظی بلکہ دینیات کے متعلق اُن کی اپنی عبارت بھی کچھ ایسی ہی شان کی ہوتی ہے - نواب قطب الدین خاں صاحب نے جو مولوی شاہ اسحاق صاحب کے سجادہ نشین تھے ایک کتاب لکھی ہے مظاہر الحق بڑی مبسوط کتاب ہے - اور اوّل سے آخر تک عبارت کی ایک ہی شان ہے - اس بات کے دکھانے کو کہ یہ لوگ اپنی خاص عبارت کے لیئے بھی وہی لفظی ترجمے کی شان اختیار کرتے ہیں میں مختصر سے دو مقام پیش کرتا ہوں - اوّل خطبہ اور دوسرے ایک فائدے کی ڈیڑھ سطر -

"بعد اس کے مسکین محمد قطب الدین شاہجہان آبادی عرض کرتا ہے کہ مشکوٰۃ"
"شریف علمِ حدیث میں عجیب نافع کتاب ہے کہ ہر مضمون کی حدیثیں اس میں مندرج"
"ہیں اُس کا ترجمہ عدیم النظیر میرے اُستاد بزرگوار مولانا مخدومنا مکرمنا حاجی"
"محمد اسحاق نواسہ حضرت شیخ عبد العزیز رحمہما اللہ تعالیٰ کے نے بیچ زبان ہندی"
"کے بین السطور میں لکھا تھا - لیکن کاتبوں سے اس کی صحت میں فرق آنے لگا"
"مرضی جناب موصوف کی ایسی پائی کہ اگر یہ بطور شرح لکھا جاوے - بہتر ہے -"
"اس لیئے اس ہیچ مداں نے ترجمہ اس کا عبارت عربی سے علیحدہ کر کے لکھا"
"اور فائدے مختصر مناسب مقام کے شروح مشکوٰۃ وغیرہ سے مثل مرقات شرح"
"ملا علی قاری اور ترجمہ شیخ عبد الحق او رحاشیہ سید جمال الدین رحمہم اللہ کے"
"اور سوائے ان کے سے زیادہ کر کے خدمت عالی میں عرض کی اور جناب ممدوح"
"نے بھی کہ کچھ فائدے لکھے تھے تبرکاً اس میں درج کیئے - اور نام اس کا مظاہر حق"
"رکھا گیا کہ اس میں تاریخ اس کی نکلتی ہے - اللہ اس کو مقبول فرما اور ہم سب کو"
"اس سے دارین میں فائدہ مند کر - اور سند اس کتاب مستطاب کی یہ ہے کہ"
"پڑھی یہ کتاب اضعف العباد محمد قطب الدین الاحراری الدہلوی غفر اللہ لہما"
"نے - حضرت مخدومی معظمی مکرمی مولوی محمد اسحاق رحمہ اللہ سے اور انہوں نے"

"پڑھی حضرت شیخ عبد العزیز رحمۃ اللہ سے اور اُن کو اجازت ہی حضرت شاہ ولی اللہ"
"محدث دہلوی سے۔"
"بیٹھے درمیان دونوں خطبوں کے اس قدر کہ قرار پکڑتا ہر عضو اپنی جگہ پر اور"
"وصحت کو نہیں پہنچی دعا کرنی حضرت سے اِس جلسے میں۔"

مولوی شاہ رفیع الدین صاحب کی نسبت مولوی شاہ عبد القادر صاحب نے ذرا اِس پیچ کو ڈھیلا کیا ہی اور محاورات اُردو کو بہت نباہا ہی۔ مگر انقباض اُن کے ترجمے میں بھی ہی۔ یہ سبب کچھ ہی مگر اس کو کیا کیا جائے کہ اِس وقت کے لوگ اِس طرح کے ترجموں کو پسند نہیں کرتے اور ان کو پڑھ کر خوش نہیں ہوتے اور اصل مطلب فوت ہو رہا ہی کہ جو لوگ اُردو کے پڑھنے پر قادر ہیں ان میں اکثر ان ترجموں سے اُکتا اُٹھتے ہیں اور مطالب قرآن سے ایسے ہی بے خبر رہتے ہیں جیسے اَن پڑھ۔ قرآن کے ترجمے کے بارے میں ایسے خیالات وقتاً فوقتاً میرے ذہن میں گزرا کرتے تھے کہ اِس اثناء میں حدیث کی ایک کتاب دیکھنے کا اتفاق ہوا جس کا نام ہی تَیسِیرُ الوُصُولِ اِلیٰ جَامِعِ الاُصُولِ مِنْ حَدِیْثِ الرَّسُوْلِ۔ صاحبِ کتاب نے صحاح ستہ کی احادیث کو ایک جگہ اِس خوبی سے ترتیب دے کر جمع کیا ہی کہ اُس کا حجم ایک کتاب کے حجم سے بڑھنے نہیں پایا۔ مجھ کو وہ کتاب ایسی پسند آئی کہ میں نے بے تامل اِس کا ترجمہ شروع کر دیا اور یہ سمجھا کہ اگر اس کتاب کا شگفتہ ترجمہ ہو جائے تو صحاح ستہ کے ترجموں کی کچھ ضرورت نہیں۔ چنانچہ اِس کے ربع اوّل کا ترجمہ کیا ہوا موجود ہی۔ اِسی ربع میں واقع ہوئی کتاب التفسیر اور اُس میں واقع ہوئیں قرآن کی آیتیں اور چار و ناچار اُن کا ترجمہ کرنا پڑا۔ تو میں نے اِن آیات کا ویسا ہی با محاورہ سلیس مطلب خیز ترجمہ کیا جیسا ترجمہ لوگ چاہتے ہیں اور جیسے کی ضرورت ہی۔ اب مجھ کو خیال آیا کہ وہی آیتیں احادیث میں آئیں تو میں نے ترجمہ کرنے میں کچھ باک نہ کیا۔ اور وہی آیتیں قرآن میں ہیں تو میری طبیعت ترجمہ کرنے میں مضائقہ کرتی ہی تو میری وہی مثل ہوئی کہ گڑ کھاؤں گلگلوں سے پرہیز۔

اِس خیال نے ایسا اگر دبایا کہ میں نے تیسیر کا ترجمہ تو کیا موقوف اور ایک دم سے قرآن مجید کا ترجمہ شروع کر دیا - خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہی کہ وہ ترجمہ تمام ہو گیا ہی اور میں نے اُس کو مطبع انصاری دہلی میں اپنے زیر نظر چھپوانا بھی شروع کر دیا ہی اور میں اُمید کرتا ہوں کہ اِنْ شَاءَ اللّٰہ ۱۳۱۵ ہجری میں چھپ کر طیار بھی ہو جاے گا - بعض صاحبوں نے مجھ سے مُنہ پھوڑ کر فرمائش کی اور صلاح تو بہتوں نے دی کہ میں نمونے کے طور پر چند مقامات کا اپنا ترجمہ دوسرے ترجموں سے مقابلہ کر کے پبلک کے روبرو پیش کروں - مگر میں نے ایسا کیا نہیں اور کروں گا بھی نہیں - کیوں کہ اس میں دوسرے مترجموں کے ساتھ ایک طرح کا معارضہ ٹھیرتا ہی اور معارضہ نہ میری نیت میں ہی اور نہ میں اپنے اوپر یہ تہمت لینی چاہتا ہوں - ہاں میں اپنا ترجمہ ہر ایک شخص کو دکھا سکتا ہوں اور دکھانے کے لیئے اُس کو چھپوایا ہی ہی - رہا دوسرے ترجموں سے مقابلہ کرنا یہ میرا کام نہیں - جس ارادے سے وہ ترجمے کیئے گیئے اور جس زمانے میں کیئے گیئے وہ اب بھی لا جواب ہیں - اور جو شخص شگفتہ عبارت میں قرآن کا مطلب آسانی سے سمجھنا چاہتا ہی اُس کے لیئے تو نہیں مگر ہاں جو مبتدی ادب عربی میں لفظ لفظ کے ترجمے سے اپنی اِستعداد بڑھانا چاہتا ہی اُس کے لیئے بکار آمد ہیں اور بکار آمد رہیں گے - میں نے ترجمۂ قرآن کی نسبت بہت زیادہ گفتگو کی ہی تو کوئی صاحب ایسا خیال نہ فرمائیں کہ میں اپنے ترجمے کی خریداری کی ترغیب دیتا ہوں - میں تو اُس شخص کا ہم خیال ہوں - جس نے یہ شعر کہا ہی ؏

| | |
|---|---|
| حقا کہ با عقوبتِ دوزخ برابر است | رفتن بہ پاے مردیِ ہمسایہ در بہشت |

اِس زمانے میں جس طرح کے مصنفوں کی قدر کی جاتی ہی اِن میں سے ایک مَیں بھی ہوں - مگر مَیں نے کبھی اپنی کسی کتاب کی اشاعت کے لیئے کسی طرح کی کوشش نہیں کی - بلکہ میں نے اپنی کسی کتاب میں لکھا بھی ہی کہ میں کتابیں نہیں تصنیف کرتا بلکہ یوں سمجھو کہ ایک طرح کے کنکوّے بناتا ہوں اگر اِن میں پرواز کا مادہ ہی تو آپ سے آپ اُڑیں گے ورنہ میں کہاں

ان کے پیچھے دُم چھلّے کی طرح لٹکا لٹکا پھروں گا- اور یہی معاملہ میں اپنے قرآن کے ترجمے کی نسبت بھی کرنے والا ہوں- اور میں قوم کی قدردانی کا بھی اندازہ کیے بیٹھا ہوں- میں تو ایک ہیچ کارہ سا آدمی ہوں اور میری ساری عمر اپنے ہی نفس کی خدمت میں گزری ہی- لیکن جو قوم کے محسن اور ہمدرد اور خیرخواہ اور دل سوز اور فدائی ہیں اُن کو بھی جیسے جیسے خطاب اور جو جو انعام ملے ہیں مجھ کو ذرا ذرا معلوم ہیں- میں تو اپنے ترجمے کی نسبت فیصلہ کر چکا ہوں کہ میری زندگی میں تو یہ ازیں سو رانده وزاں سو درمانده ہی رہے گا- اِس اجمال کی تفصیل یہ ہی- کہ اسلام پر یعنی ہندوستان کے اسلام پر یہ وقت بڑا نازک گزر رہا ہی- نہ اِس اعتبار سے کہ مسلمان یوماً فیوماً مفلس اور محتاج اور ذلیل اور خوار اور بے وقعت اور بے اعتبار ہوتے چلے جاتے ہیں کہ اِس بارے میں اگر میں کچھ کہوں گا بھی تو شاید ذرا ٹھیر کر کہوں گا بشرطیکہ وقت ملا- مگر میں اسلام کے حق میں اس وقت کو اِس لیئے نازک سمجھتا ہوں کہ خود مذہب ایک تزلزل کی حالت میں پڑا ہی- شیعہ سنی اور وہابی بدعتی اور مقلّد غیر مقلّد کے اختلافات جو تھے سو تھے اور وہ مسلمانوں میں پھوٹ ڈالنے اور اسلام کو ضعیف کرنے کے لیئے بس کرتے تھے اور کر ہی رہے تھے کہ اب انگریزی عملداری کی وجہ سے انگریزی پڑھے ہوؤں کا ایک اَور گروہ پیدا ہوا اور ہرچند مردم شماری کے اعتبار سے یہ گروہ ہنوز بہت ہی تھوڑا ہی- مگر اِس کا تھوڑا ہونا بجائے اِس کے کہ اسلام کے حق میں فالِ نیک ہو اُس کی تباہی اور خرابی کی دلیل ہی- پھر اِس گروہ کا تھوڑا ہونا بات ہی کَے دن کی ہی- اگر ہندوستان میں انگریزی عمل داری رہی اور ظاہری سامان تو ایسے ہیں کہ خدا نے چاہا مَا دَامَتِ السَّمٰوٰاتُ وَالْاَرْضُ رہے گی اِلَّا مَا شَاءَ رَبُّكَ اور جائے گی بھی تو قیامت کے بوریئے سمیٹ کر جائے گی- بہرکیف اگر انگریزی عمل داری رہی تو اِس گروہ کو خدا نے ایسی برکت دی ہی کہ یہ گروہ انڈے بچے دیتا چلا جا رہا ہی وہی جیسا مشہور ہی کہ شروع شروع میں خدا کو جلدی سے دنیا کو آباد کرنا منظور ہوا تو

ماما حوّا ایک بچّہ صبح دیتی تھیں اور ایک بچّہ شام تب تو باوا آدم لاکھ سے زیادہ بیٹے پوتے پروتے چھوڑ کر مرے تھے۔ فرطِ بداہت کی وجہ سے کوئی شخص اس سے انکار کر نہیں سکتا کہ انگریزی کا پڑھنا اس عمل داری میں تمام دنیاوی کاموں پر مقدم ہی اور نہ صرف اس عمل داری میں بلکہ اس زمانے میں کیوں کہ انگریزی تعلیم کا اثر نہ صرف انگریزی عمل داری میں محدود ہی بلکہ جہاں انگریزی عمل داری نہیں اُن کو بھی انگریزی کا جاننا ناگزیر ہی۔ ہماری تو کیا بساط ہی۔ اچھّے اچھّے ہیکڑ انگریزی کے نام سے چڑتے رہے ہیں اور آخر کار جھک مار کر اُن کو انگریزی کے آگے ہاتھ پھیلانا پڑا ہی۔ وسعت میں آبادی میں جاپان کو چین سے کچھ بھی تو نسبت نہ تھی مگر یہ گویا آنکھوں دیکھی بات ہی کہ مقابلہ ہوا تو جاپان بازی لے گیا۔ اِس لئے کہ یورپ کی کوئی ادا بھی اُس کی تقلید سے نہیں بچی تھی اب چین کے ہوش درست ہوئے اور وہ بھی اِس تجویز میں ہی کہ کچھ لوگ تعلیم پانے کے لئے یورپ بھیجا کرے۔ اور روم اور مصر کی نسبت تو مدّت سے سُن رہے ہیں کہ وہاں کے امیرزادے جس کثرت سے ان کو جانا چاہیئے اُس کثرت سے تو نہیں مگر ہاں یورپ تعلیم پانے جاتے ہیں اور اپنے لوگوں میں لیاقت نہیں پاتے تو یورپ کے لوگوں کو بُلا بُلا کر پولیس اور فوج اور انجنیری علاقوں کی افسریاں دیتے ہیں۔ ہم اپنے پڑوس میں کابل کو دیکھتے ہیں کہ اِن دنوں ماشاء اللہ بڑے زوروں پر ہی۔ تو کیوں۔ اس لئے کہ ولایت سے کلیں منگوا منگوا کر توپوں اور بندوقوں اور کارتوسوں اور چھرّے باروت وغیرہ کے بہت سے کارخانے جاری کر رکھے ہیں۔ اور یہ جو آئے دن سنتے رہتے ہیں کہ ایشیا کے فلاں بادشاہ یا رئیس یورپ کی سیر کو تشریف لے گئے اُن کی سیر میں بھی تعلیم مضمر ہوتی ہی۔ جو کچھ وہاں دیکھتے واپس آکر اپنے یہاں اُس کی نقل کرتے۔ بھلا پھر یہ اہلِ یورپ کے آگے ہاتھ پھیلانا نہیں ہی تو کیا ہی۔ دنیا اسی ہندوستان یا اسی نارتھ وسٹرن پراونسز یا اسی ضلع شاہ جہاں پور سے تو عبارت نہیں ہی اگرچہ اپنی کوتاہ نظری سے لوگ دنیا کو نہایت محدود خیال کرتے ہیں

ایک آدمی چند اخباروں میں اپنا نام یا کسی دوسری طرح پر لوگوں میں اپنا تذکرہ ہوتا ہوا سُن کر اپنے تئیں مشاہیر میں شمار کرتا اور اپنے جی میں خوش ہو لیتا ہو لیکن اگر وہ ذرا اپنی نظر کو وسیع کرے تو اُس کو فوراً معلوم ہو جائے کہ جس دائرے کو اُس نے محیط زمین خیال کر رکھا ہو وہ حقیقت میں ایک نقطے سے زیادہ پھیلاؤ نہیں رکھتا۔ شاید افریقہ کا مذکور ہو کہ وہاں کسی ریاست کا بادشاہ اپنے تئیں ہفت اقلیم کا بادشاہ سمجھتا تھا اور اس ایک بادشاہ پر کیا موقوف ہو بادشاہوں اور رئیسوں اور دولت مندوں بلکہ میں تو کہتا ہوں عموماً کُل آدمیوں کے کم تر سا ورنٹی (عُجب) کے خبط سے خالی ہوتے ہیں۔ امیروں کے نام اور اُن کے خطاب دلالت کرتے ہیں کہ وہ اپنے تئیں کیا سمجھتے ہیں۔ شروع کے مسلمانوں کے نام سے پتہ لگتا ہو کہ اُن کے مزاجوں میں کس درجہ کا انکسار تھا وہ باوجودے کہ دنیاوی اور دینی عظمتوں اور بزرگیوں کے جامع تھے اور عظمتیں اور بزرگیاں بھی اِس درجے کی کہ اُس کا پاسنگ بھی کسی کو نصیب نہیں ہو سکتا۔ بااین ہمہ الفاظِ مفردہ میں اپنے نام رکھتے تھے جیسے علی۔ حسن۔ حسین وغیرہ۔ لیکن اب کیا حال ہو چاہے باوا نے نتھوا اور بُدھوا ہی نام کیوں نہ رکھا ہو۔ پہلا کام جو ہم میں سے ایک آدمی شد و بود حاصل کر لینے کے بعد کرنا چاہتا ہو یہ ہو کہ وہ اپنے نام کو شان دار بناتا ہو۔ اے کاش وہ اپنے تئیں لیاقت سے شان دار بنائے۔ وہ مفرد نام کو پسند نہیں کرتا۔ اور پھر ترکیب پر بھی قانع نہ ہو کر تیمناً نہیں بلکہ کبراً و نخوةً اطالت نام کے لیے لفظ محمدؐ تو ضرور ہی اپنے نام کے ساتھ لگا لیتا ہو۔ اور اِس کے بعد مذہب یا وطن یا نسبت نسبی میں بہتیری گنجائش ہو اچھے نام رکھنا تو بہت اچھی بات ہو مگر اُس داعیے کو دیکھنا چاہیئے۔ جس وجہ سے ناموں کو شان دار بنایا جاتا ہو۔ ہاں تو شاید افریقہ کا مذکور ہو کہ وہاں کسی ریاست کا بادشاہ اپنے تئیں ہفت اقلیم کا بادشاہ سمجھتا تھا۔ اتفاق سے وہاں کسی سیّاح انگریز کا گزر ہوا۔ مجھ سے جس شخص نے یہ حکایت نقل کی اُس نے مطلق سیاح کہا تھا انگریز کا لفظ میں نے اپنی

طرف سے بڑھا دیا ہی۔ اِس لیئے کہ اب یہ شوق جو ترقی تجارت بلکہ ملک گیری کی کلید ہی۔ خدا نے انگریزوں ہی کو دیا ہی کہ یہ لوگ اگر سیر و سیاحت نہیں بھی کر سکتے تو گھر بیٹھے جغرافیئے اور تاریخ کا اوڑھنا بچھونا بنائے رہتے ہیں اور یہی وجہ ہی کہ تعلیم میں جغرافیئے اور تاریخ پر سب سے زیادہ زور دیا جاتا ہی۔ رہے ہم گھر گھُسنے ہندوستانی۔ ہمارا تو حال یہ ہی کہ میں نے تو کسی طالب علم کو جغرافیئے اور تاریخ کا شایق نہ پایا۔ جس کو دیکھا روتے اور جھینکتے ہی دیکھا۔ اور میں دوسروں پر کیا الزام دوں کہ جغرافیہ اور تاریخ کے نام سے خود مجھ کو نفرت ہی۔ اِس سے کہ دو چار آدمی بضرورت ولایت گئے اور بارسٹری کا ڈپلوما اور ولایتی بی بی لے آئے یا حج کی تقریب سے اگر مقلد ہوئے تو حرمین شریفین اور غیر مقلد ہوے تو غالباً صرف مکہ معظمہ کی زیارت سے مشرف ہو آئے اِس سے تو فریضۂ سیر و سیاحت ادا نہیں ہوتا۔ ہندو اگر ملک کے باہر نہیں جاتے تو وہ معذور ہیں کہ اُن کا مذہب اُن کو اجازت نہیں دیتا کہ کالے پانی سے عبور کریں اور عبور کرنے کے علاوہ دوسرے ملک میں وہ کھانے پینے کی احتیاط بھی باقی نہیں رکھ سکتے۔ مگر سرسیّد لینے کی بات تو یہ ہے کہ جن کا مذہب مانع ترقی ہو وہ ترقی کریں۔ اور جن کا مذہب مانع ترقی ہونا کیسا ترقی کے لیئے اُلٹا متقاضی ہو وہ اُسی مذہب کا حیلہ بنا کر ترقی معکوس کریں۔ ببیں تفاوتِ رہ از کجاست تا بہ کجا۔ کیوں جی وَعَدَ اللّٰہُ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا مِنۡکُمۡ وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَیَسۡتَخۡلِفَنَّہُمۡ فِی الۡاَرۡضِ کَمَا اسۡتَخۡلَفَ الَّذِیۡنَ مِنۡ قَبۡلِہِمۡ اور لَقَدۡ کَتَبۡنَا فِی الزَّبُوۡرِ مِنۡۢ بَعۡدِ الذِّکۡرِ اَنَّ الۡاَرۡضَ یَرِثُہَا عِبَادِیَ الصّٰلِحُوۡنَ اور یَقُوۡلُوۡنَ لَئِنۡ رَّجَعۡنَاۤ اِلَی الۡمَدِیۡنَۃِ لَیُخۡرِجَنَّ الۡاَعَزُّ مِنۡہَا الۡاَذَلَّ ؕ وَ لِلّٰہِ الۡعِزَّۃُ وَ لِرَسُوۡلِہٖ وَ لِلۡمُؤۡمِنِیۡنَ وَ لٰکِنَّ الۡمُنٰفِقِیۡنَ لَا یَعۡلَمُوۡنَ۔ یہ اور اِس طرح کی اَور بہت آیتیں جن سے استشہاد کروں تو بات بڑھتی چلی جائے تقاضائے ترقی نہیں تو کیا ہی۔ اور ہندوؤں کا نام بھی میں نے اِس لیئے لیا کہ ہم اور وہ ملے جُلے ہوئے بستے ہیں شاید اُن کی حالت دیکھکر مسلمانوں

کے دلوں میں گدگدی پیدا ہو ورنہ قیود اور شرائط اور مزاحمتوں اور رکاوٹوں کے اعتبار
سے نصاریٰ کا مذہب تو سب سے گیا گزرا ہوا ہی اور پھر یہ لوگ معراج الکمال ترقی پر
چڑھے چلے جا رہے ہیں۔ ہندوؤں کا مذہب تو سمندر پار ہی جانے کی مناہی کرتا ہی ان کے
یہاں تو جگہ سے ہلنے تک کی مناہی ہی۔ کیوں کہ کل کے لیئے ذخیرہ کرنے ہی کی مناہی ہی او
فکرِ فردا نہیں تو یوں کہو کہ دنیا میں کوشش کوئی چیز نہیں۔ اٹلی میں گاری بالڈی ایک
بڑا مشہور سپہ سالار ہو گزرا ہی۔ جس نے روم کو پوپ کی سلطنت سے آزاد کرایا۔ سنہ ۱۸۷۰ع
میں وہ فتحمند اپنی فوج لے کر روم میں داخل ہوا۔ برسا برس فوج کے اِس داخلے کی
یادگار میں تمام ملک خوشیاں مناتا ہی۔ اب کے برس اُس تقریب میں گاری بالڈی کا ایک
بُت بھی کھولے جانے کو تھا۔ اُس موقع پر اٹلی کے وزیرِ اعظم کرِسپی نے جو اسپیچ دی میں
آپ صاحبوں کو انگریزی میں پڑھ کر سناتا ہوں اگر تلفظ میں غلطی کروں تو معاف فرمانا کیوں کہ
میں نے انگریزی کسی سکول یا کالج میں نہیں پڑھی۔ اور نہ انگریزی سوسائٹی میں رہا۔
اور نہ ساری عمر خدا نے انگریزی کے ذریعے سے مجھ کو معاش دی۔ لیکن با ایں ہمہ میں جو کچھ
بھی ہوں اور جیسا کچھ بھی ہوں ہی انگریزی ہی کی بدولت۔ ورنہ سیکڑوں عربی فارسی پڑھے
ہوئے مجھ سے بہتر اِس مجمع میں موجود ہوں گے۔

(اس کے بعد لکچرار نے انگریزی عبارت پڑھی جس کا خلاصہ یہ ہی)

کرِسپی نے کہا کہ مذہب کو ملک داری اور ملک گیری سے کچھ سروکار ہی نہیں۔ عیسائی مذہب
تو یہ چاہتا ہی کہ تارک الدنیا ہو کر کسی گرجا گھر کے کونے میں بیٹھے یادِ الٰہی کیا کرو انتہیٰ۔ با ایں ہمہ
اہلِ یورپ عیسائیت کا بھی دم بھرتے ہیں اور ملک بھی فتح کرتے چلے جاتے ہیں۔ یہ دین داری
ہم مسلمانوں ہی کے حصے میں آئی ہی کہ ملک گیری اور ملک داری کا کیا مذکور ہی۔ یہاں
خانہ داری سے بھی ایمان میں فرق آجاتا ہی۔ ای تب تو مسلمان اپنی حالت کو درست
نہیں کرتے۔ مجھ میں یہ ایک بڑا عیب ہی کہ ایک بات کو شروع کرتا ہوں اور کہتے کہتے کہیں

سے کہیں نکل جاتا ہوں اور وہ بات ناتمام رہ جاتی ہے۔ لیکن آپ سب صاحب ذرا صبر سے بیٹھے رہیں۔ جو جو باتیں ناتمام رہ گئی ہیں مجھ کو معلوم ہیں اور میں اِن شاء اللہ سب کو پورا کرکے اور ایک کا ایک سے جوڑ لگا کر دکھا دوں گا۔ آخر میں تو بات یہ ہو رہی تھی کہ افریقہ میں کسی ریاست کا بادشاہ حمق سے اپنے تئیں ہفت اقلیم کا بادشاہ سمجھتا تھا۔ اتفاق سے کسی انگریز سیاح کا وہاں گزر ہوا اور وہ انگریز تھا بڑا لایق۔ اور انگریز اکثر ایسے ہی ہوا کرتے ہیں اور لیاقت ایسا بیج نہیں کہ ضائع جائے۔ آخرکار وہ انگریز بادشاہ کا اتالیق اور مصاحب ہو گیا۔ تو یہ انگریز بادشاہ سے اپنے ملک کے حالات بیان کیا کرتا اور بادشاہ اُس کو افسانے کی طرح سنتا کیوں کہ اُس کو تو یقین ہی نہ تھا کہ اُس کے ملک کے سوا کوئی اَور ملک بھی ہے۔ جب اُس انگریز نے دیکھا کہ اِس پتھر میں جونک نہیں لگتی تو آخر اُس نے یہ تدبیر نکالی کہ بادشاہ کو جغرافیوں اور نقشوں کی طرف متوجہ کیا اور روئے زمین کا ایک بڑا سا کرہ بنا کر اُس کے سامنے رکھ دیا اور بتایا کہ یہ پہاڑ ہیں اور سمندر ہیں۔ بادشاہ کو تو خبط تھا ہی کہ میں ہفت اقلیم کا بادشاہ ہوں۔ چھوٹتے ہی پوچھا کہ ہمارا ملک کدھر ہے۔ انگریز نے ایک سوئی لے کر اُس کی ایک جگہ پر ٹیک دی کہ یہ ہوگا اور اتنا ہی ہوگا۔ سُنا ہے کہ اس کے بعد سے وہ بادشاہ اپنے ملک کو بے حقیقت سمجھنے لگا تھا۔ لیکن کیا خاک سمجھنے لگا ہوگا۔ اُس نے عاجز آ کر اُس انگریز کو اپنے یہاں سے اِس قصور پر نکلوا دیا کہ ایک دن اِس انگریز نے اَور تذکروں میں یہ بھی کہا تھا کہ جاڑے کے دنوں میں ہمارے یہاں پانی از خود جم جایا کرتا ہے بادشاہ نے کہا اب تم مجھ کو نرا احمق ہی بنانے لگے۔ اِس گستاخی کے بدلے میں جان سے تو تم کو کیا ماروں جاؤ پھر اپنا مُنہ نہ دکھانا۔ تو جس طرح افریقہ کا یہ بادشاہ یا رئیس دنیا کی وسعت سے بے خبر تھا۔ ہم مسلمان بھی اسی کے قریب قریب انگریزوں کے اقتدار سے بے خبر ہیں۔ اور میرا خیال یہ ہے کہ تمام دنیا میں انگریزی کا اثر پڑ رہا ہے اور ہندوستان میں تو انگریزی شرطِ تموّل اور شرطِ تعزّز اب ہے کوئی دن جاتا ہے کہ وہ شرطِ زندگی ہوئی

جاتی ہی۔ اور انگریزی دانوں کا شمار اور خاصکر مسلمان انگریزی دانوں کا شمار اگر اِس وقت کم ہی مگر یہ کمی کی دن کی ہی۔ یہ گروہ اب بھی آہستہ آہستہ بڑھ رہا ہی اور آیندہ بھی بڑھے گا اور جلد جلد بڑھے گا۔ اِس میں تو ذرا بھی شک نہیں کہ اِس گروہ کے بڑھنے سے مسلمانوں کی دنیاوی خوش حالی کو بہت کچھ ترقی ہوگی۔ مگر بحث اس میں یہ ہی کہ انگریزی مذہبِ اسلام پر کیسا اثر ڈال رہی ہی۔ سو ظاہر ہی کہ اگر اسلام میں پہلے سے بہتّر فرقے موجود تھے تو یہ تہتّرویں صاحب اَور تشریف لائے ؏

| نقشہ ایک اَور نئے جمایا | | پس ماندہ کا پیش خیمہ آیا | |
| --- | --- | --- | --- |

اب اگر اَللّٰھُمَّ زِدْ فَزِدْ کہتا ہوں تو اختلاف بڑھتا ہی اور نہیں کہتا تو نیچری فرقے کے لوگ ناخوش ہوتے ہیں۔ گویم مشکل وگرنہ گویم مشکل۔ میں اِن لوگوں کے معتقدات کے بارے میں بُرا یا بھلا ایک لفظ بھی مُنہ سے نہیں نکالنا چاہتا۔ مگر ہاں اتنا جانتا ہوں کہ جس طرح انگریزی بڑھتی جاتی ہی۔ ورنہ ستائی بہ ستم می رسد۔ اُسی کے ساتھ ساتھ نیچریانہ عقائد بھی بڑھتے جاتے ہیں۔ اگرچہ پُرانے فرقوں کے اختلاف بھی چٹکیاں لینے میں کمی نہیں کرتے تھے مگر بڑے میاں تو بڑے میاں چھوٹے میاں سبحان اللہ۔ نیچری تو ایسی مہین چٹکیاں لیتے ہیں جیسے کسی بھڑ نے کاٹا کہ آدمی بلبلا اُٹھتا ہی۔ بھلا کیوں کر ہو سکتا تھا کہ قرآن کا ترجمہ کروں اور اِس گروہ کا خیال نہ کروں کہ اِن کو تو فلسفہ کی عینک کے بدون قرآن کا ایک لفظ نہیں سوجھتا اور پھر فلسفہ کی عینک لگا لینے سے اِن کو وہ سوجھتا ہی جو ہم میں سے کسی کو نہیں سوجھتا۔ عینک پر ایک بات یاد آئی۔ کہ بندے کے ایک دوست تھے اور وہ ہمیشہ عینک لگائے رہتے تھے۔ مگر کس طرح کہ معمول کے مطابق کمانیاں کنپٹیوں میں اڑا کر عینک کو اونچا کر لیتے کہ تالیں پیشانی پر رہتیں۔ چند روز تک تو مجھ کو خیال ہوا کہ اِس وضعِ خاص سے عینک کا لگانا اتفاقی بات ہی مگر میں نے ہمیشہ اُن کو اِسی وضع سے عینک لگائے دیکھا یہاں تک کہ لکھنے پڑھنے میں بھی۔ تو میں نے اُن سے پوچھا کہ آپ عینک تو ہمیشہ لگائے رہتے ہیں مگر عینک

سے کبھی کام لیتے ہیں نے آپ کو نہیں دیکھا تو فرمایا کہ میں عینک سے بس یہی کام لیتا ہوں کہ اِس کو اِس طرح پر لگائے رہتا ہوں اِس سے ذرا صورت رعب دار ہو جاتی ہی۔ اے کاش ہمارے انگریزی داں بھائی اِسی طرح پر فلسفہ کی عینک لگائے رہیں۔ اور اِس سے کام نہ لیں۔ خاص کر قرآن پڑھتے وقت کہ میرے خیال میں فلسفہ کی عینک سے قرآن کے حرف بجائے صاف دکھائی دینے کے اَور دُھندلے دُھندلے دکھائی دینے لگتے ہیں ۹

| | | | |
|---|---|---|---|
| ناقص کا صفا کیش سے مطلب نہ بر آئے | | جو کور ہو عینک سے اُسے کیا نظر آئے | |

غرض میں نے قرآن کا ترجمہ کیا تو ایک طرف متعارف مسلمانوں کا خیال اور دوسری طرف اُن مسلمانوں کا جنھوں نے انگریزی تعلیم پائی ہی یا جو آیندہ چار و ناچار انگریزی پڑھیں گے اور دونوں طرف کا خیال کر کے جیسا میں نے پہلے کہا تھا اپنے ترجمے کی نسبت یہ فیصلہ کیا کہ میری زندگی میں تو یہ ازیں سو راندہ وزاں سو درماندہ ہی رہے گا۔ انگریزی داں تو اُس کو اِس توقّع سے لیں گے کہ مترجم معلوم ہی کہ تھوڑی سی انگریزی بھی جانتا ہی اور کبھی کبھی تو ایسی اُردو بولتا ہی کہ فعل اُردو ہوتا ہی تو فاعل انگریزی یا مبتدا انگریزی ہوتا ہی تو خبر اُردو اور لوگوں کے دکھانے کو نیچریوں پر مُنہ بھی آتا ہی مگر کُلُّ اِنَاءٍ بِالَّذِی فِیہِ یَنۡضَحُ نیچریت ہی کہ اِس کے کلام سے ٹپکی پڑتی ہی اِس نے ترجمہ کیا ہو گا تو کہاں تک فلسفہ کی رعایت نہ کی ہو گی۔ مگر ترجمہ پڑھ کر دیکھیں گے تو پائیں گے وہی آسمان وہی فرشتے وہی جنّات وہی دوزخ وہی بہشت وہی خلافِ عقل عیسیٰؑ کا بے باپ کے پیدا ہونا وہی موسیٰؑ کی عصا کا اژدہا بننا پتھر کی چٹان سے پانی کے سوتے بہانا بہتے سمندر کو روکنا پھاڑنا۔ ایک سے ایک اَن ہونی ایک سے ایک عجیب۔ آپ سمجھتے ہیں کہ یہ لوگ میرا ترجمہ دیکھ کر کیا کہیں گے۔ وہی کہیں گے جو قومِ ثمود نے صالحؑ سے کہا تھا یَا صَالِحُ قَدۡ کُنۡتَ فِینَا مَرۡجُوًّا قَبۡلَ ھٰذَا۔ یہ لوگ شاید دیکھے پیچھے یہ حکم لگائیں گے۔ رہے متعارف مسلمان وہ تو غالباً سرے سے آنکھ اُٹھا کر دیکھنے ہی کے نہیں۔ اور کیوں دیکھیں جن کا عقیدہ یہ ہی کہ قرآن اُردو میں نازل ہوتا تو

مولوی شاہ عبد القادرؒ کا موضح القرآن ہوتا۔ تو اب فرماؤ میرا ترجمہ ازیں سو راندہ وزاں سو درماندہ ہوا یا نہیں۔ با ایں ہمہ میں خدا کے بھروسے پر تکیہ کر کے کہتا ہوں کہ یہ ترجمہ میری زندگی میں ازیں سو راندہ وزاں سو درماندہ رہے تو رہے۔ مگر ان شاء اللہ چودھویں صدی بلکہ پندرھویں صدی کی ایک حد تک یہی ترجمہ لوگوں کے ہاتھوں میں رہے گا۔ نیچری مسلمان ہوں تو اور متعارف پرانی فیشن کے مسلمان ہوں تو۔ کچھ خیال ہو کہ میں نے لکچر کیوں کر شروع کیا تھا۔ شروع کیا تھا اس طرح پر کہ میں نے پہلے قرآن کی ایک آیت پڑھی تھی وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰی قَوْمِہٖ فَلَبِثَ فِیْھِمْ اَلْفَ سَنَۃٍ اِلَّا خَمْسِیْنَ عَامًا فَاَخَذَھُمُ الطُّوْفَانُ وَھُمْ ظَالِمُوْنَ فَاَنْجَیْنَاہُ وَاَصْحَابَ السَّفِیْنَۃِ وَجَعَلْنَاھَا اٰیَۃً لِّلْعٰلَمِیْنَ اس کے ترجمے کی بھی نوبت نہ آئی کہ بات سے بات نکلتے نکلتے کہیں سے کہیں جا پہنچا۔ اچھا تو اب ترجمہ سنو۔ اور ہم نے نوح کو اُن کی اُمّت کے لوگوں کی طرف پیغمبر بنا کر بھیجا اور وہ پچاس برس کم ہزار برس اُن میں رہے (اور اتنی مدت سمجھانے سے بھی رستے پر نہ آئے) تو اُن کو طوفان نے آلیا اور ان ہی کی زیادتی تھی۔ پھر ہم نے نوح کو اور اُن لوگوں کو جو ان کے ساتھ کشتی میں سوار تھے طوفان سے نجات دی اور اس واقعے کو دنیا جہان کے لوگوں کے لئے ایک واقعۂ عبرت بنا دیا۔ سیدھی سیدھی باتیں ہیں اور ایک سیدھا مسلمان آسانی سے ان کو سمجھ لیتا ہے۔ قرآن کوئی تاریخی کتاب نہیں کہ گزشتہ واقعات کی یادداشت قلم بند کرنے کے لئے لکھی گئی ہو۔ قرآن کی غرض وغایت ہی لوگوں کے معتقدات اور اخلاق اور معاملات کی اصلاح اور جہاں کہیں اُس میں واقعات گزشتہ کا بیان ہے وہ بھی اسی غرض سے ہے کہ لوگ دوسروں کے حالات سُن کر متنبہ ہوں عبرت پکڑیں۔ اپنا چال چلن درست کریں۔ چنانچہ ایک سیدھا مسلمان نوحؑ کے اس قصہ سے اتنا ہی مطلب اخذ کرتا ہے کہ نوحؑ ایک پیغمبر ہو گزرے ہیں۔ دوسرے پیغمبروں کی طرح اُنھوں نے بھی اپنی اُمّت کو خداشناسی اور خداپرستی کی تلقین کی۔ باوجودے کہ نوحؑ ان کو ساڑھے نو سو (۹۵۰) برس تک

وعظ و نصیحت کرتے رہے اِن پر کچھ اثر نہ ہوا - اور آخر کار طوفان آیا اور نوحؑ اور معدودے چند مسلمان جن کو اُنھوں نے اپنے ساتھ کشتی میں سوار کر لیا تھا وہ تو بچے باقی سب غرق ہو گئے - وہ یہ قصّہ سُنتا تو ہی مگر اُس کی نظر اصل مطلب پر ہی کہ مجھ کو خدا شناس اور خدا پرست ہونا چاہیئے - کہیں ایسا نہ ہو میں بھی خدا کے غضب میں آجاؤں - لیکن اب ایسا وقت آیا ہی کہ لوگ ایسی سادہ دلی کے ساتھ قرآن کو سُننا نہیں چاہتے - جس طرح بلا تشبیہ وکیل اور بارسٹر پینل کوڈ کے لفظ لفظ پر حجتیں کرتے ہیں - اِسی طرح لوگ قرآن میں بال کی کھال نکالنا چاہتے ہیں - ایک آیت اور بیسؔ جھگڑے - اب یہ نوحؑ کا مختصر سا قصّہ ہی مگر یہ لوگ سیدھی طبیعت کے ہوں تو سیدھے مسلمانوں کی طرح ارادت اور عقیدت سے سُنیں - اُنھوں نے تو قرآن کو معاذ اللہ شطرنج کی بساط قرار دیا ہی اور اُس میں بُرد و مات کے نقشے سوچتے ہیں اور فِی زَعْمِہِمْ خوش ہیں کہ ہم اجتہادی مسلمان اور استد لالی دین دار ہیں اور اگر انصاف کے ساتھ اپنے نفس کا احتساب کریں تو سمجھیں کہ دین سے بہ منازل دور ہیں يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَمَا يَخْدَعُوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ دین و مذہب کے اعتبار سے طبیعت کی یہ اُفتاد بہت ہی بُری اُفتاد ہی - مگر کیا کیا جائے - خدا کسی مصلحت سے اب ایسی ہی طبیعتیں پیدا کرتا ہی - اب میں بتاؤں کہ ایسی گُربُزی طبیعتوں کے لوگ نوحؑ کے اِس مختصر قصّے کو کس نظر سے دیکھیں گے - وہ پوچھیں گے کہ نوحؑ کس کے بیٹے کس کے پوتے کس کے پڑوتے تھے - یعنی ان کا نسب نامہ آدمؑ تک نہیں بلکہ اجزاے صغاردی مقراطیسی تک کا کیا ہی - کس ملک میں تھے اور کس زمانے میں تھے - پھر خدا جو کہتا ہی کہ ہم نے اُن کو پیغمبر بنا کر بھیجا - پیغمبری ہی کیا چیز - اور پیغمبر کی ضرورت کبھی تھی بھی یا نہیں - اور خدا نے اُن کو بھیجا تو کیوں کر بھیجا - خود اُن کو اپنے روبرو بُلا کر حکم دیا یا نوحؑ کو خواب ہوا - روبرو بُلا کر حکم دیا ہو تو لازم آتا ہی کہ خدا متحیّز اور متجسّم اور متشکّل ہوا اور خواب ہوا تو وہ نوحؑ کا اپنا خیال ہوا - پھر اِلٰی قَوْمِہٖ صاف دلالت کر رہا ہی کہ

نوحؑ کی خاص اُمت تھی اُن ہی لوگوں نے نافرمانی کی اور اُنہیں پر عذاب آیا ہو گا۔ حالاں کہ عام خیال یہ ہے کہ طوفانِ نوحؑ میں ساری دنیا غرقاب ہو گئی تھی۔ اور پھر خداشناسی اور خداپرستی کو طوفان سے تعلق کیا۔ طوفان آیا ہو گا تو آکسیجن اور ہائڈروجن کے پروپورشن میں کسی وجہ سے فرق آیا ہو گا۔ پھر جب تک جیالوجی اور فزیالوجی سے طوفان کی تصدیق نہ ہو کوئی سائنٹفک مینؔ[1] تو اس کو باور کرنے کا نہیں۔ اور نوحؑ اور اُن کے رفقا کشتی میں بچ بھی گئے تو اس میں نوحؑ نے کمال ہی کیا کیا۔ اور اگر یہ مطلب ہو کہ نوحؑ نے سب سے پہلے کشتی ایجاد کی تو کشتی کا ایجاد کرنا نہ معجزہ ہے اور نہ اِس ایجاد کی بنا پر نوحؑ پیغمبری کا دعویٰ کر سکتے ہیں۔ پھر اَور سب باتیں تو تحقیق طلب ہیں اور تحقیق کیے پیچھے جیسا کچھ نتیجہ نکلے مگر اِس ساڑھے نو سو برس کی عمر کو کوئی کیسے مان سکتا ہے۔ پُرانے کھنڈروں کے کھودنے سے کبھی کی گڑی دبی لاشیں برآمد ہوئی ہیں اور بڑی مشکل سے اُن کا پتہ لگایا گیا ہے اور یہ بات حدِ یقین کو پہنچ گئی ہے کہ ہمیشہ سے آدمی کا یہی قد و قامت رہا ہے اور یہی اوسطِ عمر۔ اور جس طرح لوگوں میں مشہور ہے۔ کہ کوئی عوج[2] بن عوق تھا اور سمندر اُس کے ٹخنوں تک آتا تھا اور وہ ہاتھ نیچا کر کے سمندر کی تہ سے مچھلیاں نکالتا اور آفتاب سے بھون بھون کر کھاتا اور باوجودے کہ موسیٰؑ کا قد ستّر گز کا تھا اور ستّر ہی گز کا اُن کا نیزہ اور ستّر ہی گز اُچھلے اِس پر بھی وہ عوج کے ٹخنے تک پہنچے۔ یا جس طرح جدّے میں باوا آدم کا بڑا لمبا مزار بنا ہے اور اُس پر اُن کی درازیِ قد کو قیاس کیا جاتا ہے۔ غرض جس طرح یہ ڈھکوسلے لوگوں میں مشہور ہو گئے ہیں اسی طرح اگلے لوگوں کی عمر کے بارے میں بھی غلط روایتیں اور بے اصل حکایتیں چل پڑی ہیں۔ جن کو کوئی سائنٹفک مینؔ ایک لمحہ کے لیئے بھی تو یقین نہیں کر سکتا۔ تو ہو نہ ہو قرآن میں برس سے یہ متعارف برس مُراد نہیں ہو گا۔ عجب نہیں نوحؑ کے وقت میں شش ماہی

[1] وہ شخص جو ہر بات میں سائنس کی تقلید کرتا ہے۔ [2] عوج بن عنق جو مشہور ہے غلط ہے ۱۲

یاسہ ماہی یا کسی اَور وقت خاص پر برس کا اطلاق ہوتا ہو- یہ تو میں نے تھوڑے سے احتمالات نمونے کے طور پر بیان کیے ورنہ جو جو اور جیسی جیسی باتیں ان شکّیوں کو سوجھتی ہوں گی ہمارا تو ذہن بھی اُن کی طرف منتقل نہیں ہوتا اور خدا نہ کرے کہ منتقل ہو- ہم تو مذہبی باتوں میں بھولے اور سادہ لوح ہی بھلے- آج کل کے کرُیزی طبیعت اور شکّی مزاج کے لوگ یعنی انگریزی داں جس کاوش کے ساتھ قرآن کو دیکھنا اور سمجھنا چاہتے ہیں- میری آج کی بات خوب مضبوطی کے ساتھ پلّے باندھ لیں کہ وہ وَضْعُ الشَّیْئِ فِیْ غَیْرِ مَحَلِّہٖ کرتے ہیں اور اُنھوں نے بالکل غلط رستہ اختیار کیا ہو ؎

| | |
|---|---|
| ترسم نہ رسی بہ کعبہ ای اعرابی | کیں رہ کہ تو میروی بہ ترکستان ست |

مذہب اور سیان پت میں بڑا بَیر ہو- سیانا آدمی اپنی عقل پر بھروسا کرتا ہو اور سمجھتا ہو کہ مَیں بھی کچھ بلکہ سب کچھ ہوں اور مذہب کہتا ہو کہ میں کے گلے پر چھُری- یہاں چاہیئے عاجزی اور مسکنت- لیکن مشکل ہو کہ مخالف آوازیں سنیں اور دل میں اُن کو جگہ نہ دیں اور مشکل ہو کہ عقل رکھیں اور اُس سے کام نہ لیں اور مشکل ہو کہ عقل سے کام لیں اور اُن کو مذہب کی طرف سے شکوک واقع نہ ہوں اور مشکل ہو کہ شک بھی واقع ہوں اور صاف دل سے اسلام پر بھی جمے رہیں- اچھا پھر یہ لوگ مبتذل بازاری کودن کندۂ ناتراش تو نہیں کہ ان کی کچھ پروانہ کی جائے- مسلمانوں نے تو کوٹ پتلون ترکی ٹوپی بوٹ چھُری کانٹے میز کرسی یعنی بات بات پر ان کو برادری سے بہتیرا خارج کرنا چاہا- لیکن یہ لوگ عملداری کا تقاضائے وقت کا اور سب سے بڑی بات تو یہ ہو کہ مفید اور بہ کار آمد معلومات اور لیاقت کا بَل رکھتے تھے یہ بھلا کیا نکلنے والے تھے یہی غنیمت سمجھو کہ اُنھوں نے ہم کو نہیں نکالا- مگر سوال یہ ہو کہ ان کو ان ہی کی حالت پر چھوڑ دینا تھا یا ان کی روک تھام کرنی ضرور تھی- اگر ان کو ان ہی کی حالت پر چھوڑ دیا ہوتا تو میں یہ تو نہیں کہتا کہ ان میں کے اکثر کبھی کے عیسائی ہو گئے ہوتے کیوں کہ جس کے کان اسلام کی بھنگ پڑی ہو اور اُس کے سر میں عقل اور دل میں انصاف

بھی ہو وہ عیسائی تو کیوں ہونے لگا تھا۔ اگر کسی کی عقل ایسی ہی ماری پڑی ہو اور وہ دنیاوی اغراض سے نہیں بلکہ مذہبی تقاضے سے ترکِ اسلام کرتا ہو تو دنیا میں کوئی سا مذہب بھی اُس کو مطمئن نہیں کر سکتا۔ یعنی مسلمان جو اسلام سے بھاگا بس سمجھ لو کہ وہ نہ عیسائی ہوگا نہ یہودی نہ کچھ نہ کچھ۔ وہ ہوگا تو ملحد اور دہریہ ہوگا اور بس۔ غرض انگریزی داں مسلمانوں کی اگر روک تھام نہ کی گئی ہوتی تو ظنِ غالب تھا کہ وہ کبھی کے ملحد اور دہریئے ہو گئے ہوتے۔ اور ملحد اور دہریئے ہو گئے ہوتے تو عیسائیت یا یہودیت یا کسی اَور مذہب سے اسلام کو اتنا نقصان نہیں پہنچ سکتا جتنا کہ اِن دہریوں سے پہنچتا ہے۔ اچھا تو میں پوچھتا ہوں کہ اِن کی روک تھام کس نے کی۔ بے شک فلسفیانہ خیالات کی وبا نے مرضِ متعدی کی طرح یونان سے پھیل کر مسلمانوں میں بھی سرایت کی تھی اور اُن وقتوں کے اطباے روحانی یعنی علما نے اِس مرض کی جیسی چاہیئے روک کی بھی تھی بلکہ یوں کہنا چاہیئے کہ استیصال کلی کر دیا تھا مگر جس طرح امراضِ جسمانی کا دورہ ہوا کرتا ہے اِسی طرح امراضِ روحانی یعنی خیالاتِ فاسد کا بھی دورہ ہوا کرتا ہے۔ چنانچہ اب پھر اُن ہی فلسفیانہ خیالات نے بڑے شد و مد کے ساتھ عود کیا ہے۔ اور علمِ کلام کی کتابوں میں اِن کی تردید بھی موجود ہے۔ مگر ایک تو خیالات کی شان بدلی ہوئی ہے۔ دوسرے علمِ کلام کی کتابوں کی طرف رجوع کرنے کی انگریزی خوانوں کو فرصت نہیں۔ یعنی مرض بڑھتا جاتا تھا اور دوا کچھ بھی نہیں ہوتی تھی۔ سید احمد خاں نے مسلمانوں پر بڑے بڑے احسان کیئے ہیں مثلاً ان کا ایک علی گڈھ محمڈن کالج ہی ہے کہ ہزاروں احسان ایک طرف اور وہ اکیلا ایک طرف۔ مگر میں باوجودے کہ سر سید کے بعض مذہبی خیالات سے اختلاف رکھتا ہوں تاہم ان کے کالج سے اِن کے مذہبی رفارم کی زیادہ عزت کرتا ہوں اِس لیئے کہ اگر یہ تعلیم انگریزی کے ساتھ ساتھ مذہبی رفارم کو نہ لے چلے ہوتے تو انگریزی تعلیم مسلمانوں میں اتنا رواج ہی کیوں پاتی اور پاتی بھی تو ڈھلمل یقین مسلمانوں سے

اسلام ہی کو کون سے بھاگ لگ جاتے۔ اب جو علی گڈھ کالج کے لڑکے (میں نے اِن کو لڑکے کہا تو غلطی کی عمر کے اعتبار سے تو یہ ضرور لڑکے ہیں مگر مفید اور بکار آمد معلومات کے اعتبار سے یہ ہم جیسے بُڈھوں کے کان کترنے کو موجود ہیں ع گوسالۂ ما پیر شد و گاؤ نشد غرض اب جو علی گڈھ کالج کے لڑکے مذہبی رفارم اور انگریزی تعلیم کی دوہری دوہری جنتریوں میں سے ہو کر نکلتے ہیں تو اعمالِ ظاہر کے لحاظ سے پُرانی فیشن کے مسلمانوں کو ان کے دین و مذہب کی طرف سے کیسی ہی بدگمانی کیوں نہ ہو مگر اسلامی حمیت اور قومی ہمدردی کہ یہی پکّے مسلمان کی شناخت ہے ان کی عشر عشیر تو کسی میں ہو لے۔ اور یہ جو کہا جاتا ہے کہ علی گڈھ کالج میں سید احمد خانی عقائد کی تعلیم نہیں دی جاتی اور طلبہ سرسید کی مصنفات دیکھنے نہیں پاتے یہ بھی اپنی جگہ سچ ہے اور بالکل سچ ہے کیوں کہ واقع میں سرسید کی کوئی کتاب داخلِ درس نہیں اور کیسے داخلِ درس ہو سکتی ہے جب کہ مذہبی کورس تجویز کرتی ہے مستند اور مسلّم دین دار عالموں کی کمیٹی۔ لیکن غالب کے کیا برمحل دو شعر یاد آئے ہیں جو بالکل مناسبِ مقام ہیں ؎

| | |
|---|---|
| گر کیا ناصح نے ہم کو قید اچھا یوں سہی | یہ جنونِ عشق کے انداز چھٹ جائیں گے کیا |
| خانہ زادِ زلف ہیں زنجیر سے بھاگیں گے کیوں | ہیں گرفتارِ وفا زنداں سے گھبرائیں گے کیا |

سید احمد خاں اپنی ساری مصنفات کو لے کر جلا دیں اور آگے کو مذہب کے متعلق لکھنے سے توبہ کریں تو بھی تو یہ خیالات بند نہیں ہو سکتے کہ خود بخود در و دیوار سے اس طرح کی آوازیں نکلی چلی آتی ہیں۔ بیچارے سید احمد خاں کیا کریں اور کوئی کیا کر سکتا ہے۔ ہاں یوں کہو کہ مذہب کے اعتبار سے ایسے پُرآشوب زمانے میں پیدا ہونا ہی ٹھیک نہیں۔ بہرکیف علی گڈھ کالج کے طالب العلموں کے عقائد کی نسبت جو کچھ بھی سمجھو اسلامی حمیت اور قومی ہم دردی کہ یہی پکّے مسلمان کی شناخت ہے اِن کے عشر عشیر تو کسی میں ہو لے رہے اعمالِ ظاہر تو ایسا کون سا فردِ بشر ہے جس سے کوتاہی نہیں ہوتی قطعہ

| | |
|---|---|
| بندہ ہماں بہ کہ زتقصیرِ خویش | عذر بہ درگاہِ خدا آورد |
| ورنہ سزاوارِ خداوندیش | کس نہ تواند کہ بجا آورد |

اور یہی تو وجہ تھی کہ جناب رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کسی کو اُس کا عمل جنّت میں نہیں لے جائے گا۔ اِس پر لوگوں نے پوچھا بھی کہ یا حضرت کیا آپ کے اعمال کا بھی یہی حال ہی۔ فرمایا کہ ہاں مجھ کو بھی میرے عمل جنّت میں نہیں لے جائیں گے میں بھی جنّت میں جاؤں گا تو خدا ہی کی رحمت سے جاؤں گا۔ اچھّا تو وہ بات پھر رہ گئی کہ میں نے جو لکچر کو وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰی قَوْمِہٖ سے شروع کیا تو کیوں۔ بات یہ ہی کہ میں اکثر لکچر سے پہلے تھوڑی بہت نظم بھی پڑھا کرتا ہوں۔ آج کے لکچر کے لئے بھی عَلٰی وَفْقِ الْعَادَۃ چند شعر کہہ کر لایا تھا اور اتفاق سے پہلے ہی شعر میں نوحؑ کا نام آگیا تھا۔ اس مناسبت سے میں نے وہ آیت پڑھی تھی۔ مجھ کو کیا خبر تھی کہ میں تمہید ہی میں رہ جاؤں گا اور مطلعِ لکچر اُس کا مقطع ہو جائے گا۔ بہرکیف بٹر لیٹ[1] دیں نور۔ وہ نظم یہ تھی:۔

| | |
|---|---|
| بچایا ڈوبنے سے کشتیِ دینِ محمدؐ کو | الٰہی نوحؑ کی سی عمر دے سرسید احمد کو |
| مگر میں پورے ساڑھے نو سو شمسی سال گن لونگا | کہ کوئی نیچری کچھ کم نہ کردے وقتِ ممتد[2] کو |
| ہمیں احساں شناسی شکر پر مجبور کرتی ہی | وگرنہ ہم کمینہ پن سمجھتے ہیں خوشامد کو |
| تعصّب ہی ترقی میں مسلمانوں کی حارج تھا | جزاک اللہ کس خوبی سے سرکایا ہی اس سد[3] کو |
| کسی ڈھب سے انھیں تعلیم کے رستہ پہ لا ڈالا | اگر اب بھی نہ سمجھیں یہ تو روئیں قسمتِ بد کو |
| کیا تھا پاک اِس کے جدِّ امجد نے سنا ہوگا | بتوں کی گندگی سے خانۂ کعبہ کے معبد کو |
| سو اِس نے بھی دلوں سے دھو دیا اوہامِ باطل کو | کہ اس کا فرض تھا پھر زندہ کرنا سنتِ جد کو |
| مسلمانوں نے آپ اسلام کو ایسا بگاڑا تھا | کہ ہم اس کی بدولت آخر آپہنچے ہیں اِس حد کو |

[1] دیر آید درست آید - ۱۲ [2] دراز - ۱۲ [3] روک - ۱۲

کہ ہم کو آج دنیا میں ہے وہ رُسوائی و ذلّت
جو ہونی چاہیئے انجام میں کافر کو مرتد کو

جو عالم تھے اُنہوں نے صرف دستارِ فضیلت کی
بنا کر دھجیاں اُس پاک پیغمبر کی سند کو

عوام الناس فہمِ رازِ دیں سے عاجز و قاصر
لئے بیٹھے تھے رسم و راہ و تقلیدِ شد آمد کو

خدا ہی جانے کیا اسلام کو لوگوں نے سمجھا تھا
چلے آتے تھے سب تکذیب کو ابطال کو رد کو

اِدھر سائنس کا پتھراؤ کہتا تھا کوئی دم میں
کیئے دیتا ہوں چکنا چور اس شیشے کے گنبد کو

سو اس نے اپنے زورِ عقل سے وہ پائداری دی
کہ اب جنبش نہیں تا حشر اِس قصرِ مشید کو

خدا کی شان وہ اب بیچلر[۵۱] آف آرٹ ہوتے ہیں
جو کفر و زندقہ کہتے تھے انگریزی کی ابجد کو

بہت سنتے رہے ہو جذر اسلامی سمندر کے
اب آگے دیکھنا طغیان و جوش و شورش و مد کو

یہ کنکوّے ہیں ان میں قوتِ پرواز خلقی ہے
انہیں تعلیم کی دریائی پہنچائے گی فرقد کو

عزیزو یہ عمل داری بڑی رحمت خدا کی ہے
غنیمت بس غنیمت جانو اُس کے فضلِ بے حد کو

نہ کچھ تخصیص مذہب کی نہ کچھ تعیین ملت کی
جو اسود[۵۲] کو وہ ابیض[۵۳] کو جو ابیض کو وہ اسود کو

باطمینان اسبابِ ترقی جمع ہیں سارے
اگر تم کام میں لاؤ طلب کو جہد کو جد کو

علی گڈھ ہو کے سیدھی راہ نکلی ہے ترقی کی
ہمارے ساتھ ہو لو جلد تر پہنچو گے مقصد کو

بچو ٹکّر سے حتی الوسع وقتِ نامساعد کی
اُٹھایا ہے کسی نے یا اُٹھا سکتا ہے اِس زد کو

اب آزادی نے اپنا سکّہ عالم میں بٹھایا ہے
نکالو مطلقاً فرہنگ سے لفظِ مقید کو

کسی کی بات بھی مانا کرو ضد کی بھی اک حد ہے
خدارا چھوڑ دو اس جاہلانہ کاوش و کد کو

اگر اب بھی نہ تم نے قدر و قیمت وقت کی جانی
تو بس پتّھر پہ کھُدوا رکھنا اس قولِ مؤکّد کو

کہ مٹ جاؤ گے اور برباد ہو جاؤ گے بالآخر
پکڑ پاؤ گے کیا تم ناتواں اِس چودھویں صد کو

بس اپنی شاعری موقوف کر برخود غلط مت ہو
اگرچہ روکنا مشکل ہے مضمونوں کی آمد کو

کہیں اس شاعری کے خبط میں عادت نہ کر لینا
خلافِ وضع وصفِ خط و خال و عارض و خد کو

۵۱ بی۔ اے کی ڈگری ۱۲ ۵۲ کالے ۱۲ ۵۳ گورے ۱۲

خیر اُلٹا سیدھا لکچر تو تمام ہوگیا مگر کانفرنس کے متعلق میں نے ابھی تک ایک لفظ بھی نہیں کہا اِس واسطے کہ مسلمانوں کے دار العلوم علی گڈھ کالج میں ہماری قومی بدنصیبی سے ایک بڑا رخنہ واقع ہوگیا ہی - اِس رخنے سے میری مُراد وہ بڑا بھاری غبن ہی جو کالج کی رقموں میں ایک ہندو کلرک کی بددیانتی اور بدنیتی سے ہوا اور جس کی کیفیت آپ سب صاحبوں کے گوش زد ہوئی ہوگی - علی گڈھ کالج ہماری قومی رفاہ اور فلاح کی شاہ نہر ہی اور کانفرنس یا الفرض یا اخوان الصفا یا لجنۃ الادب یا کالج میگزین یا تہذیب الاخلاق یا علی گڈھ انسٹی ٹیوٹ گزٹ یہ اُسی شاہ نہر کے رجبہے ہیں - شاہ نہر میں پانی کی کمی ہوتی ہی تو رجبہوں میں خاک اُڑنے لگتی ہی - اِس سے میں نے خیال کیا تھا کہ شاید امسال کانفرنس جمع نہ ہو - کیوں کہ جتنی چیزیں کالج پر متفرّع اور کالج سے متعلق ہیں - ان سب کا فرض منصبی اِس وقت یہ ہونا چاہیئے کہ پہلے کالج کے نقصان کو پورا کریں پھر بات سو بات - لیکن شاہ جہاں پور کے اِس کانفرنس نے یہ ثابت کر دیا کہ گو مسلمانوں سے سلطنت گئی حکومت گئی دولت گئی عزّت گئی خوش حالی گئی لیکن ان کی راکھ میں ابھی کچھ چنگاریاں ہیں ؎

| | | | |
|---|---|---|---|
| سب گئے ہوش و صبر و تاب و تواں | | لیکن اے درد دل سے تو نہ گیا | |

اگر شاہ جہاں پور کے لوگ ہماری یعنی قوم کی یعنی قومی کالج کی امداد پر دل سے آمادہ ہوں اور اِس کانفرنس کے جمع ہونے سے معلوم ہوتا ہی کہ آمادہ ہیں - تو ہم کالج کے نقصان کی اِتنی بھی تو پروانہ کریں جتنی مسجد میں ایک مٹّی کے بدھنے کے ٹوٹ جانے کی - بے شک کالج کو بڑا اور بہت بڑا نقصان پُہنچا ہی - لوگ کالج کی نسبت جو کچھ خیال کرتے ہوں وہ قومی ضرورتوں کے لحاظ سے بالکل ابتدائی اور ناتمامی کی حالت میں ہی اور سالہا سال کی محنت اور مشقّت سے اب اُس نے کچھ صورت پکڑی تھی کہ سر مُنڈاتے ہی اولے پڑے - اِس نقصان سے کالج کی وہ مثل ہوئی ہی کہ رحمان جوڑے پلی پلی اور

شیطان لڑھائے گیا۔ اِس نقصان کو سُن کر میرا تو دل بیٹھ گیا تھا۔ مگر جب شاہ جہاں پور میں کانفرنس کا ہونا سُنا تو میرے دم میں دم آیا اور میں نے اپنے دل میں کہا کہ الحمد للہ

| | | | |
|---|---|---|---|
| خدا گر بہ حکمت بہ بندد درے | | کشاید بہ فضل و کرم دیگرے | |

میں شاہ جہاں پور کے لوگوں کے حالات سے بہت کم واقف ہوں۔ لیکن جب سے مجھے خان بہادر محمد برکت علی خاں صاحب کی خدمت میں نیاز حاصل ہوا مجھ کو اہلِ شاہ جہاں پور کے ساتھ ایک طرح کی ارادت ہو گئی ہی ؎

| | | | |
|---|---|---|---|
| نہ تنہا عشق از دیدار خیزد | | بسا کیں دولت از گفتار خیزد | |

وَلِلنَّاسِ فِیْ مَا یَعْشِقُوْنَ مَذَاهِبُ بلکہ مجھ کو تعجب ہوا کرتا تھا کہ جس با برکت مٹی سے برکت علی خاں کا وجود با جود پیدا ہو قومی کام وہاں کے صاحبوں کی شرکت اور ہمدردی اور سرپرستی سے کیوں محروم ہیں۔ اب معلوم ہوا کہ یہ برکت اِس دن کے لیٔے مرہون تھی کہ کالج کو ایک نقصان پہنچنے والا تھا وہ پہنچ لے اور شاہ جہاں پور کے بزرگوں کو اِس کی تلافی کا موقع دیا جاے۔ میں شاہ جہاں پور کے لوگوں کے حالات نہیں بھی جانتا تاہم اتنا مجھ کو پہلے سے تحقیق معلوم ہی کہ یہاں کے لوگ سپاہی منش ہیں اور سپاہی منش ہیں تو جرائت اور حمیت اور سیر چشمی اِن کے خمیر میں ہی۔ عرب کے حالات دیوانِ حماسہ وغیرہ علم ادب کی کتابوں میں پڑھتا ہوں اور پاتا ہوں کہ وہ لوگ ان تمام صفتوں سے متصف تھے۔ اِس لیٔے کہ سپاہی تھے۔ نوکری کے زمانے میں مجھ کو ایسے شہروں میں بھی رہنے کا اتفاق ہوا ہی جہاں انگریزی فوج کی چھاؤنی تھی اور میں چاہتا تو فوجی افسروں سے بھی معرفت پیدا کر لیتا مگر ہمیشہ طبیعت ایسے لوگوں سے گریز ہی کرتی رہی اِس خیال سے کہ یہ لوگ سپاہی ہیں تو ضرور اکھڑ اور درشت خو اور بد خُلق ہوں گے۔ لیکن بعد کو مجھے اُن لوگوں سے جن کو ہر طرح کے انگریزوں سے واسطہ پڑا ہی تحقیق ہوا کہ فوجی افسر اکثر شریف اور ملنسار اور بے تکلف اور نفع رساں ہوتے ہیں کہ سولین

لوگوں پر اُن کی چھینٹ بھی نہیں پڑی۔ علمِ اخلاق کی کتابوں میں لکھا ہے کہ شجاعت اور سخاوت لازم و ملزوم ہیں اور واقع میں جو شخص جان جیسی عزیز چیز کے خرچ کر دینے میں مضائقہ نہ کرے کہ اسی کا نام شجاعت ہے وہ مال کی جو ہاتھ کا میل ہے کیوں پروا کرنے لگا پٹھانوں نے بہادری میں اپنا ایسا سکّہ بٹھایا ہے کہ پٹھان کا لفظ التزاماً سپہ گری پر دلالت کرتا ہے اور سپہ گری ایسا شریف پیشہ ہے جو دنیا میں ہمیشہ معزز رہا ہے اور ہمیشہ معزز رہے گا۔ اس واسطے کہ دنیا ہمیشہ سلطنت کی محکوم رہی ہے اور سلطنت سپاہیوں کی لونڈی اَلْمُلْكُ لِلسَّيْفِ ۱۸۵۷ء کے غدر میں یہ باغی پوربیے کسی کی سنتے سناتے تو تھے نہیں دلّی شہر میں ایک اُدھم مچا رکھی تھی۔ اہلِ شہر نے بادشاہ سے جا فریاد کی۔ بادشاہ نے بلوایا تو چوب داران شاہی سے کہتے کیا ہیں "کَون بادسا جاپے مور پنھئی دھر دیب تو نے بادسا ہوئیے"[۵] بات تو گستاخی کی تھی مگر جیسے سپاہیوں کی وردی پہنے تھے ویسے ہی سپاہیوں کے سے کام بھی کرتے تو تھی سچّی۔ بہرکیف پیشہ سپہ گری دنیا میں ہمیشہ معزز رہا ہے اور ہمیشہ معزز رہے گا۔ شاعری اور سپہ گری سے کیا مناسبت دونوں میں بزم و رزم کا تقابل اور شاعر جیسے خود پسند ہوتے ہیں معلوم۔ مگر سپہ گری کو وہ بھی تو ذریعۂ عزت مانتے آئے ہیں۔ اسد اللہ خاں غالب اور شیخ ابراہیم ذوق دونوں ہم عصر تھے۔ اور ہم پیشگی کی وجہ سے دونوں میں ایک طرح کی چشمک بھی رہا کرتی تھی۔ غالب کے مقابلے میں ذوق کو یہ بھی مزیت تھی کہ بادشاہ کے اُستاد تھے اور غالب اپنے زورِ طبیعت کے آگے بادشاہ اور اُستادِ بادشاہ کسی کی بھی کچھ حقیقت نہیں سمجھتے تھے۔ مرزا جواں بخت کی شادی میں بادشاہ نے شاعروں سے سہروں کی فرمائش کی۔ اسد اللہ خان غالب نے جو سہرا کہا تو اُس کا مقطع یہ تھا[۵]

جس کو دعویٰ ہو سخن کا یہ سُنا دے اُس کو
دیکھ اِس طرح سے کہتے ہیں سخن ور سہرا

بادشاہ نے اِس کو سمجھا کہ اُستاد ذوق پر چوٹ کی۔ ناراض ہو گئے۔ غالب کا دربار بند

۵ کون بادشاہ جس پر میں اپنی جوتی دھر دوں گا وہی بادشاہ ہو جائے گا۔ ۱۲

کردیا اور دربار کے ساتھ تنخواہ بھی - غالب کے گھر میں تو چوہے کلابازیاں کھانے لگے - مجبور ہو کر نظم میں معذرت نامہ لکھا جس کے چند اشعار یہ ہیں ؎

منظور ہی گزارشِ احوالِ واقعی
اپنا بیانِ حُسنِ طبیعت نہیں مجھے

سَو پشت سے ہی پیشۂ آبا سپہ گری
کچھ شاعری ذریعۂ عزت نہیں مجھے

سہرا لکھا گیا زرہِ امتثالِ امر
جانا کہ چارہ غیر اطاعت نہیں مجھے

مقطع میں آپڑی ہی سخن گسترانہ بات
منظور اس سے قطعِ محبت نہیں مجھے

روئے سخن کسی کی طرف ہو تو روسیاہ
کہتا ہوں سچ کہ جھوٹ کی عادت نہیں مجھے

جامِ جہاں نما ہی شہنشاہ کا ضمیر
سوگند اور گواہ کی حاجت نہیں مجھے

اُستادِ شہ سے ہو مجھے پرخاش کا خیال
سودا نہیں جنوں نہیں وحشت نہیں مجھے

قسمت بُری سہی پہ طبیعت بُری نہیں
ہی شکر کی جگہ کہ شکایت نہیں مجھے

مجھ کو اس قطعے کے دوسرے شعر سے استشہاد کرنا تھا کہ غالب شاعرِ یکتا سے روزگار ہو کر اپنے پیشۂ آبائی سپہ گری پر فخر کرتا ہی - انگریزی عملداری امن کی عملداری ہی - یعنی اس میں شاذونادر لڑائی کی ضرورت واقع ہوتی ہی اس پر بھی میں نے درباروں میں یہی دیکھا ہی کہ سویلینز کے مقابلے میں ملٹری آفیسرز کی بہت زیادہ عزت کی جاتی ہی اس واسطے کہ ان کا پیشہ سپہ گری معزز ہی - اے اہلِ شاہ جہاں پور ساری دنیا اس بات کو تسلیم کرتی ہی کہ تم ذات کے پٹھان اور موروثی اور پیدائشی سپاہی ہو - اور یہ تمہارا ہی طفیل ہی کہ عموماً تمام مسلمانوں کو گو وہ پتلی دال کے کھانے والے شیخ ہی کیوں نہ ہوں - بنیوں اور بنگالیوں کی طرح گیگلا اور پھسپھسا اور بودا نہیں سمجھا جاتا - تم کو ایک مدت دراز سے اپنی ذاتی بہادری کے جوہر دکھانے کا موقع نہیں ملتا - لیکن گاؤزوری ہی تو بہادری کے ظاہر کرنے کا ایک متعین ذریعہ نہیں ہی - کچھ تم کو خبر بھی ہی کہ تمہاری قوم پر یعنی سب مسلمانوں پر اور خاص کر تم پر ایک غنیم چڑھ آیا ہی اور وہ مال اور آبرو اور عزت کا خواہاں ہی تمہاری حمیت کہاں

سوئی پڑی ہی کہ اِس دشمن کو دفع نہیں کرتے۔ غضب تو یہ ہی کہ تم کو ابھی تک دشمن کے چڑھ آنے کی خبر بھی نہیں۔ یوں تو دشمن کے ساتھ بڑا لاؤ لشکر ہی مگر اس کی فوج کا سپہ سالار ہی جہالت۔ خاص خاص لوگوں کی شخصی حالت شاید بوجہِ مِنَ الوُجُوہ پہلے سے بہتر بھی ہو مگر برادری اور قوم پر نظر ڈالوگے تو پاؤگے کہ روز بروز مسلمانوں کے ہاتھ سے دولت نکلتی چلی جاتی ہی اور بے دولتی کا ضروری نتیجہ ہی بے عزّتی اور ذلت اور خواری۔ زمینداری اور تجارت نوکری وغیرہ جتنے ذریعے معاش پیدا کرنے کے ہیں کہیں بھی تو مسلمان خوش حال نہیں دکھائی دیتے۔ کبھی تو سوچا کرو کہ آخر اِس کا سبب کیا ہی۔ اس کا سبب ہی وہی جہالت۔ جس کو میں نے غنیم اور دشمن سے تعبیر کیا تھا۔ اور جہالت سے میری مُراد ہی روٹی کما کھانے کے ہنر کو نہ جاننا۔ تو اِتنی بات میں آپ صاحبوں کو سمجھا دوں گا کہ آج پڑھ تو اَن پڑھ ہم میں جو لوگ فارسی عربی منقول معقول سب کچھ گھول کر پیے بیٹھے ہیں ان کو بھی روٹی کما کھانے کا ہنر نہیں آتا۔ نظر کو وسیع کرو تو معلوم ہو کہ مسلمانوں کو فَمَنِ اضْطُرَّ فِیْ مَخْمَصَۃٍ کی نوبت آگئی ہی اور جن کو نہیں آئی تو وہ فارغ نہ بیٹھیں اِن کو نہیں آئی تو ان کی اولاد کو آئے گی یا اولاد کی اولاد کو آئے گی مگر یہی لچھن ہیں تو آئے گی ضرور۔ مخمصے سے یہ تو غرض ہی نہیں کہ مسلمان حقیقت میں فاقے کرتے ہیں یا آگے چل کر فاقے کرنے لگیں گے بلکہ غرض ہے معاش کی تنگی۔ عزت و آبرو اور فارغ البالی کے ساتھ معاش کا پیدا کرنا اس زمانے میں کچھ آسان کام نہیں ہی اور یہ معاش کا پیچ ایسا ہی کہ روز بروز کستا چلا جاتا ہی۔ وہ بادشاہی وقتوں کی بات تو رہی الگ کہ اپنی سلطنت تھی۔ انگریزی عمل داری میں جب یہ پولیس کا انتظام ہوا تو مجھ سے یہ معاملہ پیش آیا کہ صاحب مجسٹریٹ نے فرمائش کی کہ ہم کو انسپکٹر دو۔ بھلا اب کوئی ڈپٹی کلکٹر کسی کو ایک دم سے ہیڈ کانسٹبل تو کرا دے۔ فکرِ معاش ایسی چیز نہیں کہ لوگوں کو اُس کی ترغیب دینے کی ضرورت ہو۔ اِس میں کمی نہیں اور کمی ہو بھی نہیں سکتی۔ کمی اِس میں ہی کہ لوگ ذریعۂ معاش کے بہم پہنچانے میں غلطی کرتے ہیں

کوئی سی بھی معاش ہو سب کا مدار تو اس زمانے میں آکر ٹھیرا انگریزی تعلیم پر اور یہی جگہ ہی جہاں مسلمانوں ہیں پانی مرتا ہی۔ انگریزوں کی ولایت کا تو یہ حال ہو گیا ہی کہ کسی مبتذل سے مبتذل پیشے میں آدمی روٹی کمانے کے قابل نہیں ہوتا تا وقتے کہ اُس نے سینہ بہ سینہ نہیں اُس پیشے کی سبقاً سبقاً کتابی تعلیم نہ پائی ہو۔ اور کوئی دن کو ہندوستان کا بھی یہی حال ہوتا ہی۔ اہلِ یورپ نے ایک ایک چیز اور ایک ایک کام کو ایک علم بنا دیا ہی۔ اور یہ تعلیم جو تم دیکھتے ہو اور وہ بھی تم سے نہیں بن پڑتی یہ تو صرف ایک نوکری کے کام کی ہی اور بس۔ اور یہی بڑا سبب ہی کہ تعلیم کی طرف سے ابھی سے لوگ بے دل ہو چلے ہیں کیوں کہ لوگ ضرورت سے زیادہ بہت زیادہ نوکری کے لیئے طیار ہوتے ہیں اور بہ قاعدہ تجارت جب ضرورت سے زیادہ کسی قسم کا مال جمع ہو جاتا ہی تو ضرور ہی کہ اُس کی قیمت گھٹے اور پھر بھی ایک جزو کثیر کی نکاسی نہ ہو۔ قوم کی حالت سخت نا اُمیدی کی حالت ہی۔ وہ ایک مرضِ مُہلک میں مبتلا ہی اور زیادہ رنج کا مقام یہ ہی کہ ان میں کے بعض لوگ ان کے مرض کا حکمی علاج بھی کر جانتے ہیں اور وہ علاج کے بتانے اور کرنے میں دریغ بھی نہیں کرتے بلکہ خدا نے ان کے دل میں ایسا رحم دیا ہی کہ وہ ایک ایک کے سر ہوتے ہیں۔ دوا کچھ ایسی گراں بھی نہیں مگر گراں ہوتی جاتی ہی اور مزے کی بھی ہی اور قوم کا حال یہ ہی کہ وہ کہتے ہیں ہم ہرگز بیمار نہیں اور ہم کو کوئی علاج درکار نہیں اور جو کہے سُنے سے اپنے تئیں بیمار سمجھتے اور علاج کرانے آتے ہیں وہ علاج میں بے تدبیریاں کرتے ہیں طبیب کی رائے پر کاربند نہیں ہوتے۔ پھر ایسے بیماروں کا تو خدا ہی حافظ ہی۔ نوکری کے لیئے طیاری کرنا اور کثرتِ اُمیدواروں کی وجہ سے ناکام رہنا اور تعلیم کو بے سود سمجھنا اسی کو تو مَیں نے علاج کی بے تدبیری کہا۔ اچھا اب تم پوچھ سکتے ہو کہ پڑھ لکھ کر آدمی نوکری نہ کرے تو کیا کرے۔ ہل جوتے۔ بنئیے کی دکان لے کر بیٹھے۔ پڑھیں فارسی بیچیں تیل۔ یہ دیکھو قدرت کے کھیل۔ تو سب صاحب اچھی طرح کان کھول کر سُن رکھیں کہ جو شخص صرف نوکری کی توقع سے انگریزی پڑھتا ہی۔ اُس کی کامیابی

کے احتمالات اب بھی ضعیف ہیں اور آیندہ اَور بھی ضعیف ہوتے ہوتے آخر کار شاید نل[1] ہو جائیں۔ اُمیدواروں کی کثرت دیکھ کر نوکری کو یک انار و صد بیمار کہنا ذرا بھی مبالغہ نہیں اور یک انار و صد بیمار بھی اب ہی آگے آگے یک انار و ہزار بیمار کہنا ہوگا۔ تم اکیلے تو نوکریوں کے حق دار نہیں ہو۔ تمہاری ہی طرح کی رعایا ہندو بھی ہیں۔ تم ایک ہو تو وہ چھ ہیں ؂

| | | | |
|---|---|---|---|
| | ای آہ شعلہ زا یہ خس و خار بھی نہیں | | نو آسماں ہیں دو بھی نہیں چار بھی نہیں |

اور نوکری کا سلیقہ جیسا اُن کو ہی تم کو چھو بھی نہیں گیا۔ نہ اُن کی سی تم سے اطاعت کرتے بن پڑتی ہی نہ اُن جیسی تم میں لیاقت ہی۔ سائیسی علم دریاؤ۔ تو انصافاً تم ایک بھی ہو تو منفی ایک ہو اور وہ چھ ہیں تو مثبت چھ ہیں۔ تمہارا اُن کا مقابلہ کیا۔ اگر نوکری ہی مدار تمول ہوتی تو بھی ہندوؤں کو ہم سے زیادہ متموّل ہونا چاہیئے تھا۔ کیوں کہ اس لین[2] میں بھی وہ لائینز شیئر رکھتے ہیں مگر ان کے تمول میں نوکری کو دخل ہی بھی تو اِتنا ہی جتنا اَٹے میں رتی۔ اچھا پھر ان کے تموّل کا بڑا سبب کیا ہی؟ بڑا[3] سبب یہ ہی کہ طاق اور جُفت دونوں داؤ ان ہی کے ہیں۔ یعنی نوکری کے حاصل کرنے میں سعی کا کوئی دقیقہ اُٹھا نہیں رکھتے اور پھر نوکری پر بند بھی نہیں۔ ہم مسلمانوں پر تو یہ شامت سوار ہی کہ لے دے کر ایک نوکری کا ذریعہ اور اُس میں بھی طرح طرح کے مضایقے۔ سب سے بڑی بات تو یہ ہی کہ مسلمانوں کو ایک لکیر کا فقیر نہیں ہونا چاہیئے۔ ہرچہ آید در پیش نگزارد درویش۔ دنیا میں جتنی وجوہ معاش ہیں یا ہو سکتی ہیں اُن میں سے کوئی وجہ معاش عرف تو مارو گردن۔ عقلاً شرعاً بے عزت نہیں اور جو پیشے بے عزت خیال کیے جاتے ہیں وہ اصل میں اِس سے بے عزت ہوے کہ بے عزتوں نے اِن کو اختیار کیا ؂

| | | | |
|---|---|---|---|
| | ہرچہ گیرد علتے علت شود | | کفر گیرد کاملے ملت شود |

[1] صفر۔ ندارد۔ ۱۲ [2] سلسلے۔ [3] بڑا حصہ۔ ۱۲

ابھی چند روز ہوئے میں نے علی گڈھ کالج میگزین میں سید احمد خاں کا ایک مضمون پڑھا۔ جس میں اُنھوں نے بزرگانِ دین یعنی اصحاب کے پیشے گنوائے ہیں۔ اِن میں کوئی بزّاز تھا کوئی قسائی کوئی درزی کوئی لوہار کوئی بڑھئی کوئی بھٹیارہ۔ اگر ان پیشوں میں کوئی ان کی توہین سمجھے تو وہ خود قابلِ توہین ہی۔ زمرۂ مشائخ میں شیخ فریدالدین عطّار منصور حلّاج کیسے مشہور ہیں۔ حدیث میں آیا ہی کہ کوئی پیغمبر ایسا نہیں گزرا جس نے بکریاں نہ چرائی ہوں۔ غرض جب تک ہندوستان میں کوئی سا پیشہ بھی اپنی ذات سے ذلیل سمجھا جاتا ہی ایک تعلیم نہیں ہزار تعلیم کیوں نہ ہو ہندوستانیوں کو تو فلاح ہوتی نہیں۔ یورپ اور امریکہ کی سند تو تم مانوگے نہیں اچھا تو تم مسلمانوں ہی میں میمنوں اور بوروں اور پنجابیوں کو دیکھو کہ یہ لوگ کسی قسم کی تجارت کو عار نہیں سمجھتے۔ پھیری یہ پھریں۔ ٹاٹ یہ سیئیں بساط خانہ اور پیتل بانا اور پرچون اور لوہا اور نواڑ اور گوٹا پٹھا اور کپڑا اور ہر قسم کا مال ولایت کوئی چیز بھی تو ان لوگوں سے نہیں بچی تو جیسے ذوفنون اور ہرہاجی ہیں ویسے ہی ماشاءاللہ چشم بد دور خوش حال بھی ہیں۔ ابھی حال کا مذکور ہی کہ بمبی کے حاجی زکریا سیٹھ نے یتیم خانے کے لئے ایک دم سے دو لاکھ روپیہ دے دیا۔ یہاں دو لاکھ آدمیوں سے بھی دو لاکھ نہیں نکل سکتا۔ ننگی نہائے گی کیا اور نچوڑے گی کیا۔ اور ہم لوگ جو تعلیم تعلیم پکارتے پڑے پھرتے ہیں ہمارا اصلی مطلب بھی یہی ہی کہ سب مسلمان میمنوں اور بوروں اور پنجابیوں کی طرح مال دار ہو جائیں اور وہ بے تعلیم کے ہونا نہیں تعلیم پاکر کچھ لوگ نوکری میں گھسیں گے۔ اور جن کو نوکری نہیں ملے گی وہ کچھ نہ کچھ کرکے کھائیں گے۔ اوّل تو تعلیم ہی اُن کو کچھ نہ کچھ کرنے پر مجبور کرے گی۔ تعلیم نے اُن کے حوصلوں کو فراخ اُن کی ہمتوں کو بلند اُن کی غیرتوں کو مشتعل کر دیا ہوگا وہ احدی اپاہج دوسروں کے دست نگر بن کر بیٹھ ہی نہیں سکیں گے گو وہ دوسرے اُن کے باپ یا چچا تائے یا نانا ماموں ہی کیوں نہ ہوں۔ اور پھر جو کچھ بھی کریں گے ناتعلیم یافتہ سے بہ مدارج

| | |
|---|---|
| بہتر کریں گے۔ خدا نے چاہا تو مٹی ہاتھ میں لیں گے اور سونا کر دکھائیں گے ؎ | |
| آناں کہ خاک را بہ نظر کیمیا کنند | آیا بود کہ گوشۂ چشمے بہ ما کنند |
| اور یہ جو ہمارے ملک میں خاک پڑی اُڑ رہی ہی واللہ ہمارے ناتعلیم یافتہ ہونے کی بے برکتی ہی۔ ورنہ ہندوستان کی سرزمین اور ہم ٹکڑوں کو محتاج ؎ | |
| تہی دستانِ قسمت را چہ سود از رہبرِ کامل | کہ خضر از آبِ حیواں تشنہ می آرد سکندر را |

اے اہلِ شاہ جہاں پور مسلمانوں کی جو حالت ہی تمھارے پیشِ نظر ہی۔ اب فرماؤ کہ کچھ کرنا یا نہیں کرنا؟ ہم کو تو اس سے کہ تم پٹھان اور سپاہی زادے ہو تم سے بڑی بڑی اُمیدیں ہیں ہمت اور جرائت اور غیرت جو تمھاری خلقی اور جبلی صفتیں ہیں جب تک تم نے تعلیم کے بارے میں ان سے کام نہیں لیا نہیں لیا اور جب لینے پر آؤ گے تو تم مجلّی ہو گے اور باقی سب مُصلّی۔ گھڑ دوڑ ہوتی ہی تو جو گھوڑا سب سے آگے اور میہری ہو اُس کو مجلّی کہتے ہیں اور دوسرے نمبر کے گھوڑے کو مصلّی۔ خدا کرے مجلّی اور مصلّی دونوں تم ہی ہو۔ مگر وہ گھڑ دوڑ کے مصلّی نہ وہ مصلّی جیسے سنا کرتے ہو کہ فلاں شخص نے باوا کی فاتحہ کی تو اتنے مُلّا نے یا مصلّی کھلائے۔

# پچیسواں لکچر

یہ لکچر انجمن حمایت اسلام لاہور کے گیارھویں سالانہ جلسے میں ۱۸۹۶ء میں دیا گیا

—۔✻✻✻۔—

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جب سے میں نے اس انجمن میں آنا شروع کیا ہی کہ اس کو بھی اب چھ سات برس ہوئے ہوں گے اس اثنا میں صرف ایک برس ناغہ ہوا ہی کہ کسی ایسی ہی ضرورت سے میرا آنا نہیں ہوا۔ ورنہ بالالتزام مَیں ہر برس آتا ہوں۔ نہ اس لیے کہ میرا کوئی ذاتی مفاد ہی۔ اور میرا ذاتی مفاد اس کے سوا اور

ہو بھی کیا سکتا ہو کہ مجھ کو اپنی شہرت مقصود ہو۔ لیکن اگر مجھ کو اپنی شہرت ہی مقصود ہو وَمَآ اُبَرِّیءُ نَفْسِیْ اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَۃٌ بِالسُّوْءِ اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّیْ اِنَّ رَبِّیْ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ تو وہ مجھ کو یہاں آنے کے بدون بھی حاصل ہو اور اِس کے اَور بھی مواقع ہیں۔

مَیں اِس سے بہتر بہت بہتر مجمع کا لکچرار ہوں یعنی "محمدن ایجوکیشنل کانفرنس" کا۔ بے شک محمدن ایجوکیشنل کانفرنس میں لوگوں کا اتنا ہجوم نہیں ہوتا۔ لیکن کانفرنس کے ممبر اور وزیٹر متعارف لیاقت اور دنیاوی وجاہت کے اعتبار سے چیدہ اور برگزیدہ لوگ ہوتے ہیں اور تعلیمی کانفرنس میں شریک ہونا ہی ان کی چیدگی اور برگزیدگی کی دلیل ہو۔ کیوں کہ اس زمانے میں وہی چیدہ اور وہی برگزیدہ ہو جو تعلیم میں اور خاص کر مسلمانوں کی تعلیم میں کسی طرح کا انٹرسٹ لے۔ یعنی اُس سے دل چسپی رکھتا ہو۔ کانفرنس کا لکچرار ہونے کے علاوہ شہرت کا ایک ذریعہ تصنیف و تالیف ہو۔ اور آپ صاحبوں کو معلوم ہو کہ مَیں اِس شہرت سے بھی بے نصیب نہیں رہا اگرچہ ایسی تصنیفات موجب فخر نہیں ہونی چاہئیں اور مَیں ان کو موجب فخر سمجھتا بھی نہیں۔ بلکہ سچ پوچھو تو جب کوئی میرے مُنہ پر میری کتابوں کی تعریف کرتا ہو تو مَیں اُلٹا جھینپتا ہوں۔ میں نے عربی کی صرف اور نحو اور منطق سے تصنیف کا سلسلہ شروع کیا تھا اور شروع بھی کیا تھا تو خاص اپنے لڑکے کے پڑھانے کے لیے۔ آپ سمجھ سکتے ہیں کہ کوئی باپ اپنی اولاد کی خیر خواہی میں کمی نہیں کیا کرتا۔ مَیں نے بھی اِن کتابوں کے عمدہ بنانے میں کوتاہی نہیں کی۔ دل تو یہ چاہتا تھا کہ جو کچھ بھی مجھ کو آتا ہی بیٹے کو گھول کر پلا دوں حُبُّكَ الشَّیْءَ یُعْمِیْ وَیُصِمُّ مگر وہ تو ایک اَن ہونی بات تھی۔ تاہم مَیں نے برسوں کے سوچ بچار سے ایسے رسالے بنائے کہ مبتدی زیادہ سے زیادہ برس سوا برس میں عربی عبارت کے پڑھنے پر قادر ہو جائے۔ منطق کے ابتدائی رسالے پر جس کا نام "مبادی الحکمۃ" ہی مجھ کو گورمنٹ سے پانسو روپیہ کا انعام بھی ملا۔ وہ کتاب گورمنٹ کی فرمائش سے لکھی گئی تھی اور اُس کے ساتھ دوسرے دوسرے مصنفوں کے گیارہ رسالے اور بھی پیش ہوئے تھے مگر مَیں اِس کا میں[1] ٹیشن میں بازی لے گیا۔ اور "مبادی الحکمۃ" کلکتہ یونی ورسٹی

[1] مقابلے ۱۲

کے کورس میں داخل ہو گئی - معلوم نہیں کہ اب بھی ہی یا نہیں - کچھ تو انعام کے لالچ اور زیادہ تر اس خیال سے کہ لوگوں میں خود تو قوتِ ممیّزہ ہی نہیں - مَیں نے صرف عربی کا رسالہ "مَا یُغْنِیْکَ فِی الصَّرْفِ" بھی گورمنٹ میں پیش کیا - بدقسمتی سے وہ رسالہ کسی مولوی صاحب کے پنجۂ غضب میں جا پڑا - یعنی گورمنٹ نے اُس رسالہ کی نسبت اُن سے رائے طلب کی - مولوی صاحب نے جیسی کچھ اُس رسالہ کی روئی دُھنکی ہو - مجھ کو معلوم نہیں - مگر گورمنٹ نے وہ رسالہ مجھ کو یہ کہہ کر واپس دیا کہ عربی خواں طلبہ اپنا پُرانا کورس بدلنا پسند نہیں کرتے - ہرچند میں نے وہ کتاب اصل میں اپنے لڑکے کے لیے لکھی تھی اور مَیں اس کتاب کو اُس پر آزما بھی چکا تھا اور کتاب امتحان میں پوری بھی اُتری تھی - مگر کم بخت دل نے تنہا خوری کو جائز نہ رکھا - اور باوجودے کہ گورمنٹ نے کتاب کو بیرنگ واپس کر دیا تھا - مَیں نے اپنے خرچ سے اُس کو لوگوں کے فائدے کے لیے چھپوایا - مَیں نے لوگوں کو دینا چاہا تمک اور اُنھوں نے کہا ہماری آنکھیں پھوٹیں - اشتہار دیئے - اخباروں میں چھپوایا - صدائے برنہ خاست - آخرِ کار میں نے کتاب کے آخر میں ایک اعلان زیادہ کیا - اور اُس میں لکھا کہ کیا کوئی علمی کتاب کے لکھنے کا حوصلہ کرے جب کہ اُس کو اتنی مصیبتیں جھیلنی پڑیں کہ آپ ہی مسودہ لکھے آپ ہی کاپی اور آپ ہی تصحیح کا ذمہ دار ہو اور آخرِ کار آپ ہی بیٹھا پڑھا بھی کرے - وہ دن اور آج کا دن مَیں نے تو علمی کتاب کے لکھنے سے اپنا کان امیٹھا

| | | | |
|---|---|---|---|
| دل میں کتنے مسوّدے تھے و لے | | ایک پیش اُس کے روبرو نہ گیا | |

تعلیم کا اتنا تو غل غپاڑا ہو رہا ہی - اور علم کی یہ قدر ہی - اِس سے کہ نئے نئے سکول جاری ہوتے چلے جا رہے ہیں اور اس سے کہ سکولوں میں طلبا کا شمار بڑھ رہا ہی بلکہ اِس سے بھی کہ طلبا امتحانوں میں پاس ہو رہے ہیں - ہرگز نہ سمجھنا کہ مسلمان بلکہ نیٹوز[له] علم کا شوق رکھتے ہیں - ان کے شوق کی اور مَیں تو اس کو سرے سے شوق ہی نہیں سمجھتا - بس اِتنی حقیقت ہی کہ

[له] باشندگانِ ملکِ ہند - ۱۲

سرکار نے معدودے چند نوکریوں کو جن کی اُس کو ضرورت ہی۔ ایک خاص طرح کی تعلیم کے ساتھ جو نوکری کے لیئے درکار ہی۔ مشروط کردیا ہی اور لوگ پیٹ کی مار کے ڈر سے بھیڑیا دھسان بادلِ ناخواستہ تعلیم کے رستے پر پڑلیئے ہیں۔ ورنہ فی الواقع نہ تو یہ تعلیم ہی اور نہ لوگوں کو علم کا شوقین کہا جاسکتا ہی۔ آج نوکری پر سے تعلیم کی شرط اُٹھادی جاے۔ اور پھر ہم میں سے کوئی بھول کر بھی پڑھنے لکھنے کا نام لے تو مَیں اُس کو سو سلام کروں۔ اور پھر اِس کی شناخت کیا مشکل ہی۔ جو لوگ فارغ التحصیل ہوکر یا کسی اَور وجہ سے مدرسہ چھوڑ دیتے ہیں یا جو نوکری کا جوا اپنے کندھے پر نہیں رکھنا چاہتے کسی نے اُن کو کسی وقت بھی کتاب پڑھتے دیکھا ہی۔ بس اِسی سے لوگوں کے شوق کا اندازہ کرلو۔ اگر ہم لوگوں نے اِس وقت گرم کپڑے پہن رکھے ہیں تو کیا کوئی کہہ سکتا ہی کہ ہم کو گرم کپڑوں کے پہننے کا شوق ہی۔ شوق نہیں بلکہ ضرورت ہی۔ گرمی پڑنی شروع ہوئی اور ہم نے اِن کو اُتار پھینکا۔ بعینہٖ یہی حال تعلیم کا ہی۔ نوکری کی اُمید میں پڑھتے ہیں۔ ملی تو اور نہ ملی تو۔ اور ملی تو ایک پائی اور وہ بھی شاید۔ اور نہ ملی تو سولہ آنے۔ اور وہ تیقّن۔ بہرکیف نوکری کی اُمید میں پڑھتے ہیں ملے تو اور نہ ملے تو دونوں صورتوں میں مدرسہ چھوڑا۔ اور پڑھنا لکھنا بالاے طاق۔ ہم تو شوق جب سمجھیں کہ علمی مذاق نشے کے عمل کی طرح چمٹ جائے۔

کچھ خبر بھی ہی کہ علم نے اِس زمانے میں دوسری شان اختیار کی ہی۔ ہم جو اپنے علوم پر نظر کرتے ہیں۔ تو اُن کے دو ہی نتیجے پاتے ہیں۔ یا تو زبان کی تکمیل۔ یا ذہن کی تشحیذ۔ سو زمانے نے ایسا پلٹا کھایا کہ دونوں نتیجے بے کار ہوگئے۔ جن زبانوں کی تکمیل کے پیچھے ہم عمر کا بڑا حصّہ صرف کیا کرتے تھے۔ اَب اُن زبانوں کو کوئی نہیں پوچھتا۔ رہی ذہن کی تشحیذ یعنی حکمتِ نظری۔ اس کا بھرم حکمتِ عملی نے اُٹھادیا۔ اور ہم علم کے اعتبار سے بالکل کورے کے کورے رہ گئے۔ زبان کی تکمیل سے جو اغراض دنیوی متعلق ہوسکتی ہیں۔ وہ اب انگریزی کی طرف منتقل ہوگئی ہیں۔ لیکن ہم میں سے اکثر اِن اغراض کے سمجھنے میں غلطی کرتے ہیں۔ لوگوں نے

اسی کو انگریزی کی غرض وغایت سمجھ رکھا ہی اور اسی لیئے اس کو سکھتے ہیں کہ حکامِ وقت کی زبان ہی اور اس کے ذریعے سے اور اسی کے ذریعے سے ہم حکام کے ساتھ بہ آسانی خیالات کا مبادلہ یعنی عرضِ مطلب اور فہم مافی الضمیر کر سکتے ہیں۔ اور مَیں سمجھتا ہوں کہ نہ صرف لوگ انگریزی کی یہ غرض غایت سمجھتے ہیں۔ بلکہ شاید خود سرکار نے بھی اسی کو غرض وغایت قرار دے کر انگریزی زبان کا سٹینڈرڈ[1] ٹھیرایا ہی۔ بلاشبہ حاکم ومحکوم میں بہ آسانی خیالات کا مبادلہ بڑی ضروری اور بہ کار آمد چیز ہی۔ لیکن میں انگریزی کی ٹون[2] کو ذرا اونچا لے جانا چاہتا ہوں حکام کے ساتھ خیالات کا مبادلہ تو انگریزی کے ادنیٰ ترین اور خسیس ترین فائدوں میں سے ہی۔ انگریزی کا اصلی اور عمدہ فائدہ جو مدِّنظر ہونا چاہیئے یہ ہی کہ زبانِ انگریزی علوم مفیدہ کی کلید ہی۔ یہ علوم یا تو سرے سے ایشیائی زبانوں میں ہیں ہی نہیں۔ یا ہیں بھی تو زمانۂ حال کی تحقیقات کے مقابلے میں تقویمِ پارینہ کا حکم رکھتے ہیں۔ انگریزی قوم اور ملک کو اُس وقت اور اُسی وقت مفید ہوگی۔ جب یہ مقصود پیشِ نظر رکھ کر اُس کو حاصل کروگے غرض یہ ہی کہ علم مقصود بالذات ہو اور زبانِ انگریزی کو اُس کا آلہ سمجھا جائے۔ افسوس ہی کہ اِس گرُ کو ابھی تک لوگوں نے سمجھا ہی نہیں یا سمجھا ہی تو اُس پر عمل نہیں کیا۔ اور سمجھا اور اُس پر عمل کیا ہوتا تو اتنے ہی دنوں میں ہندوستان کی کایا پلٹ گئی ہوتی۔ تحقیقاتِ مزید اور ترقی اور ایجاد کا تو کیا مذکور ہی۔ جو علوم زبانِ انگریزی میں مدوّن ہیں اور جس درجہ تک وہ پہنچ چکے ہیں۔ اُتنے ہی پر کسی نے کچھ عمل کرکے دکھایا ہوتا۔ ہمارے بدنصیب ہندوستان میں میٹریل[3] کی تو کمی نہیں۔ کمی تو اس کی ہی کہ کوئی میٹریل کا ہینڈل[4] کرنے والا نہیں۔ ایک نوکری کی لکیر کے فقیر بنے بیٹھے ہیں۔ اور نوکری کیمیا اور کبریتِ احمر ہوتی جاتی ہی۔ نتیجہ یہ ہی کہ مثلاً سو بی۔ اے پاس ہوتے ہیں (اے خدا! کبھی وہ دن بھی آئے گا کہ کسی برس ہول برٹش انڈیا میں سو مسلمان بی۔ اے پاس کریں گے) خیر تو نتیجہ یہ ہی کہ مثلاً سو بی۔ اے پاس

[1] معیار۔ ۱۲ [2] مرتبہ۔ ۱۲ [3] مواد۔ ۱۲ [4] برتنے والا۔ ۱۲

ہوتے ہیں تو نوّے روٹیوں کے لیئے سرگردان پڑے پھرتے ہیں- اور نوّے بھی اب ہیں- کوئی دن جاتا ہی کہ سَو پاس اور سَو کے سَو پاس حرمان و یاس- انگریزی پڑھ کر کچھ فائدہ اُٹھانا چاہتے ہو تو پہلے نوکری کے خبط کو سر سے نکالو- یہ جنون تمھیں نہیں پنپنے دے گا- کبھی ان باتوں پر بھی غور کیا کرو کہ مثلاً تمھارے اِسی لاہور میں کتنے آدمی ہیں اور اُن میں کتنے ہیں جو نوکری سے معاش پیدا کرتے ہیں- حساب لگاؤگے تو فی صد کوئی چوتھے پانچویں درجے کا ڈیسیمل[1] نکلے گا- پھر مردم آزاری کے مواقع پا کر شیخی بگھارنے کی تو بات اَور ہی- خوش حالی کا ایک سٹینڈرڈ قرار دے لو- مثلاً میں سمجھتا ہوں کہ جس کی سو روپیہ ماہوار کی آمدنی ہو- اُس کو اِس زمانے میں خوش حال سمجھنا چاہیئے- اب دیکھو کہ خوش حالی کے اس سٹینڈرڈ کے لحاظ سے نوکری پیشوں میں فی صد کتنے ہیں اور دوسرے پیشوں میں کتنے- تو پاؤگے کہ اس نسبت میں نوکری پیشہ چوتھے پانچویں درجے کے ڈیسیمل سے بھی دور ہٹے ہوئے ہیں- پس تم انگریزی پڑھ لکھ کر جو ایک نوکری پر دھرنا دو تو اس کے یہ معنی ہوں گے کہ اُس عمارت کو جو برسوں کی محنت سے بنائی ہی- اپنے ہاتھوں ڈھاتے ہو-

عقلاً شرعاً کوئی سا پیشہ بھی مبتذل نہیں- مبتذل اگر ہی تو وہ آدمی ہی جو دغا بازی بے ایمانی سے پیشے کو بدنام کرتا ہی- کسی ایک ذلیل سے پیشے کا نام لو- میں دعوی سے کہتا ہوں کہ ایک دو نہیں کوڑیوں بزرگانِ دین کو اور بزرگانِ دین میں بھی صحابہ اور علما اور مشائخ کو اُس پیشے کا پاؤگے- دل پر دین داری اور نیکی کا پرتو پڑا ہو تو جانو کہ اصلی عزت کیا ہی اِنَّ اَکرَمَکُم عِندَ اللّٰہِ اَتقٰکُم[2] لوگ نہ اِس لیئے نوکری کے گرویدہ ہو رہے ہیں- کہ اِس پیشے میں تموّل و خوش حالی زیادہ ہی- نہیں- بلکہ اِس لیئے کہ اُن کو اپنے ابنا و جنس پر حکم چلانے اور اُن کو ستانے اور ایذا دینے کا موقع ملتا ہی- لوگوں نے اسی کو عزت سمجھ رکھا ہی- حالاں کہ نیک دل اور دین دار آدمی کی نظر میں اِس سے بڑھ کر کوئی بے عزتی کی بات

[1] اعشاریہ- ۱۲ [2] تم میں سب سے بڑا وہی ہی جو سب سے زیادہ بزرگ ہی- ۱۲

نہیں۔ تم تو نصیحت کی بات کو اِس کان سُنتے اور اُس کان نکال دیتے ہو۔ کیا میں نے تم سے امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا حال کبھی بیان نہ کیا ہو گا کہ اُن کو وقت کا خلیفہ خدمتِ قضا دیتا رہا جو حقیقت میں ایک طرح کی ویسرائلٹی[1] تھی اور اُنہوں نے حقوق العباد کے ڈر سے اُس خدمت کے قبول کرنے سے انکار کیا۔ اور انکار بھی کیا تو ایسے اصرار کے ساتھ کہ خلیفہ نے اِس کو عدولِ حکم اور گستاخی سمجھا اور امام کو قید کیا اور تازیانے مارے۔ امام نے یہ بے عزتی گوارا کی اور خدمتِ قضا کو جو رسوائی آخرت کی مستلزم تھی۔ گوارا نہ کیا۔ تحکّم اور مردم آزاری کو عزّت سمجھو۔ تو نوکری ذریعۂ عزّت ہے۔ اور پرائی تابع داری کے اعتبار سے دیکھو۔ تو وہ ایک طرح کی غلامی ہے۔ کتنی ہی بڑی نوکری کیوں نہ ہو آخر کسی نہ کسی کی محکومی تو اُس میں ہو ہی گی ویسرائے جو ہیڈ[2] آف گورمنٹ آف انڈیا ہے۔ وہ بھی تو سکرٹری[3] آف سٹیٹ کا ماتحت ہے۔ جو لندن میں بیٹھا بیٹھا ویسرائے کو لتاڑا کرتا ہے۔ اور اکثر ہوتا رہتا ہے کہ ویسرائے کو قبل از وقت واپس بُلا لیا جاتا ہے۔ جو مرادفِ عزل ہے۔ یا قبل از وقت استعفا دینے پر مجبور کیا جاتا ہے۔ اور پھر سکرٹری آف اسٹیٹ کیا ہے۔ وہ بھی پارلیمنٹ[4] اور ملکہ کا محکوم ہے۔ اور ویسرائے اور سکرٹری آف سٹیٹ کیا چیز ہیں۔ اب تو وہ زمانہ آیا ہے کہ خود ملکہ کو پبلک اوپنین[5] کا ادب کرنا پڑتا ہے۔ جن لوگوں نے ایسے خیالات پر زور نہیں دیا۔ اُنہیں کا مقولہ ہے ؎

بہ دست آہک تفتہ کردن خمیر
بہ از دست بر سینہ پیشِ امیر

میں نے بھی مدرسی اور ڈپٹی انسپکٹری اور تحصیل داری اور ڈپٹی کلکٹری اور بالآخر سرکار نظام میں صدر تعلقہ داری یعنی ایک ڈویژن کی کمشنری نہیں بلکہ گورنری کی ہے۔ اور ان سب خدمتوں میں تھوڑی بہت اضافی حکومت تو تھی ہی۔ شاید تم لوگ اعتراض کرو کہ مدرسی کو حکومت سے کیا مناسبت۔ تو حضرات اوّل تو سالے پروفیسر اور طلبا اس کی تصدیق کریں گے۔ دوسرے اِس کی تصدیق اچھی طرح اِس حکایت سے ہو گی کہ عالمگیر نے جب اپنے

[1] نیابت سلطنت۔ ۱۲ [2] حکومتِ ہند کا سب سے بڑا سردار۔ ۱۲ [3] وزیر ہند۔ ۱۲ [4] مجلس وزرا۔ ۱۲ [5] عام رائے۔ ۱۲

باپ شاہ جہاں کو قید کیا۔ تو شاہ جہاں بے شغلی کی شکایت بیٹے کو کہلا کہلا بھیجتے تھے۔ عالم گیر جو مناسب سمجھتا تھا مشغلے مہیا کرتا تھا۔ مگر شاہ جہاں اِن سے خوش نہیں ہوتے تھے۔ آخرِ کار عالم گیر نے شاہ جہاں کی خدمت میں عرض کرا بھیجا کہ پھر حضرت ہی کوئی مشغلہ تجویز کریں۔ شاہ جہاں نے سوچ کر کہا اچھّا تو شہزادوں کو میرے سپرد کرو کہ مَیں اُن کو تعلیم دیا کروں گا۔ یہ سُن کر عالم گیر نے کہا کہ درس و تدریس کا حیلہ بنانا کیا ضرور ہی۔ سیدھی طرح یہی ارشاد کیوں نہیں ہوتا کہ مَیں سلطنت حضرت کے حوالے کروں۔ تو حضرات مدرسی بھی سلطنت کا ایک شعبہ ہی۔ تو باوجودے کہ مَیں نے ساری عمر حکومت ہی کی نوکریاں کیں۔ مگر اب جو پچھلی زندگی کا کبھی خیال کرتا ہوں تو کسی شان میں محکومی کی ایذاؤں سے محفوظ نہیں رہا۔ ہاں ایک وقت تھا کہ تنزّل اور جرمانے سے ڈرتا تھا۔ پھر ایک وقت وہ ہوا کہ کمشنر اور بورڈ کے مُنہ سے تم کی سہار نہیں ہوتی تھی۔ غرض نوکری کو عموماً پیشہ معزز سمجھنا محض خیالی بات ہی۔ عزت اور ذلت کسی پیشہ پر موقوف نہیں۔ بلکہ عزت اور ذلت کا مدار انسان کا اپنا کردار ہی۔ اگر کوئی شخص کسی بڑی خدمت پر مامور ہی اور وہ آمدنی بھی معقول رکھتا ہی اور بڑی شان سے زندگی بسر کرتا ہی۔ حکومت بھی ہی۔ اختیارات بھی ہیں اور سرکار میں بھی رشد و رسائی ہی اور وہ ناحق بندگانِ خدا کو ایذا دیتا اور اُن کے حقوق تلف کرتا اور رشوت لیتا۔ حقیقت میں وہ سب سے زیادہ ذلیل ہی۔ نہ صرف پبلک کی نظر میں بلکہ خود اپنی نظر میں اور خدا کے نزدیک۔ لیکن ایک غریب آدمی جو محنت۔ مزدوری سے جائز طور پر معاش پیدا کرتا کسی سے لڑتا۔ جھگڑتا نہیں۔ کوئی اِس کا شاکی نہیں ؎

| | | | |
|---|---|---|---|
| چگونہ شکر ایں نعمت گزارم | | کہ زورِ مردم آزاری نہ دارم | |

ایسا شخص اصلی عزت رکھتا اور اُس کا مستحق ہی۔

اِس وقت جو اِس تعمیم کے ساتھ تعلیم ہو رہی ہی۔ اور تعلیم کو اِس سے بھی زیادہ عام کرنے کی کوشش کی جا رہی ہی۔ اچھی طرح طالب علموں کے ذہن نشین کر دینا چاہیے کہ نوکری کے خبط کو سر میں نہ آنے دیں ورنہ تعلیم سے فائدہ کی جگہ اُلٹا نقصان اُٹھائیں گے۔ اور ہمیشہ

کے لیئے اپنی زندگی اور نہ صرف اپنی زندگی بلکہ اور بہت سی زندگیاں جو اُن کے ساتھ وابستہ ہیں سب کو تلخ کردیں گے۔ میرے اِس بیان سے کوئی صاحب ایسا نہ سمجھیں کہ مَیں تعلیم کی طرف سے لوگوں کے دلوں کو اُچاٹ کرتا ہوں میرا مقصود ہرگز یہ نہیں۔ میں تو تعلیم کو اور اسی تعلیم کو جو اِن دنوں ہو رہی ہی۔ ہر فرد بشر کے لیئے نہایت ضروری خیال کرتا ہوں۔ کیوں کہ مجھ کو وہ دن آتا ہوا دکھائی دے رہا ہی اگرچہ جب تک وہ آئے آئے مَیں دنیا سے رخصت ہو جاؤں گا۔ مگر مجھ کو وہ دن آتا ہوا دکھائی دے رہا ہی۔ جب کہ یہی تعلیم شرطِ زندگی ہونے والی ہی۔ اور زندگی سے میری مُراد ہی معزّز اور مطمئن زندگی ۹

| | | | |
|---|---|---|---|
| | زندگی زندہ دلی کا ہی نام | | مُردہ دل خاک جیا کرتے ہیں |

میرا مطلب صرف اس قدر ہی کہ جو لوگ تعلیم پا رہے ہیں اور تعلیم تو سبھی کو پانی چاہیئے غرض سارے تعلیم یافتہ اگر ایک ہی پیشہ پر جُھک پڑیں گے۔ گو وہ پیشہ فی حدذاتہ کیسا ہی وسیع کیوں نہ ہو۔ یہ اُس کا ضروری اور بدیہی نتیجہ ہی کہ سب بھوکوں مریں۔ لوگوں کی ضرورتیں متنوّع ہیں اور اسی لیئے دنیا میں متنوّع پیشے چل پڑے ہیں انسانی ضرورتوں اور پیشوں کے تنوّع سے ثابت ہوتا ہی کہ دنیا میں روزی کی کمی نہیں مگر ہم ایک پیشۂ خاص کے مقید ہو کر روزی کو تنگ کر لیتے ہیں۔ اب یہ ایک سوال پیدا ہوتا ہی کہ نوکری کے علاوہ دوسرے پیشوں کے لیئے تعلیم ہی کی کیا ضرورت ہی۔ جواب یہ ہی کہ تعلیم سے تو کبھی کوئی ادنیٰ سے ادنیٰ پیشہ بھی بے نیاز نہیں ہوا۔ ہاں تعلیم سینہ بہ سینہ ہوتی رہی ہی یا نقل و تقلید سے۔ اِس زمانے میں یہ نئی بات پیدا ہوئی ہی کہ ایک ایک چیز اور ایک ایک کام علمِ مستقل قرار پایا ہی۔ مثلاً موسیقی کہ ہمارے ہاں سینہ بہ سینہ اُس کی تعلیم ہوتی ہی یا نقل و تقلید سے لوگ اِس کو حاصل کرتے ہیں۔ مگر تم نے انگریزی بینڈ بجتے دیکھے ہوں گے کہ اونچی اونچی میزوں کا ایک حلقہ ہی لوگ مزامیر لیئے اُس کے گرد کھڑے ہیں۔ ہر ایک کے آگے ایک کتاب دھری ہی۔ صدر مقام پر بینڈ ماسٹر کھڑا ہوا باجے بجوا رہا ہی۔ انگریزوں کی ولایت میں تو یہ حال ہو گیا ہی کہ درزی اور حجام اور موچی اور لوہار تک اپنا پیشہ نہیں چلا سکتا تاوقتیکہ اُس نے سبقاً سبقاً اپنے پیشے کی کتابی تعلیم نہ پائی ہو۔ اور یہ بات سب پر

روشن ہی کہ ہندوستان کل باتوں میں یورپ کی تقلید کرتا چلا جاتا رہا ہی اور تقلید کے بدون اس کو چارہ نہیں۔ یہ تعلیم گو کسی خاص پیشے کی نہ بھی ہو۔ تاہم اِس سے اِتنی آگہی تو انسان کو ضرور ہو جاتی ہی کہ وہ جس کام کو اختیار کرے گا اُس کو کر دکھائے گا اور سلیقہ کے ساتھ کر دکھائے گا

میری طالب علمی کے زمانے میں جو لوگ دہلی کالج میں پڑھتے تھے اگرچہ اُن دنوں کی پڑھائی سے اِن دنوں کی پڑھائی میں عمدگی بہت زیادہ ہی مگر اُس پُرانی پڑھائی میں یہ برکت تھی کہ کالج کے طالب علموں نے مختلف کام اختیار کیئے اکثر تو نوکری کی لین[1] میں گئے۔ بعض زمینداری لے کر بیٹھے۔ بعض نے تجارت کی۔ لیکن جو جس حال اور شان میں تھا مشارٌ الیہ بالبنان[2] تھا۔ اگرچہ مروّجہ تعلیم قومی اور ملکی ضرورتوں کے لیئے کافی نہیں مگر یہ اُس کی تمہید ہی یعنی اُس رنگ میں رنگنے کے لیئے اِس کو پہلا ڈوب سمجھنا چاہیئے۔ لیکن وہ آخری رنگ تو تب ہی اچھا چڑھے گا کہ نوکری کی تخصیص اُٹھا دو اور کسی کام کے پیشے کو عار نہ سمجھو۔ آج کل کے تعلیم یافتہ لوگوں کا ماٹو ہونا چاہیئے۔ ”ہرچہ آید در پیش نہ گزارد درویش“

مسلمانوں میں جہاں کہیں بھی میں سنتا ہوں کہ اِس تعلیم اور ایسی تعلیم کے لیئے کوشش کی جارہی ہی۔ واقعی بات یہ ہی کہ مَیں اُس کو دل سے پسند کرتا ہوں چاہے مَیں اُس کوشش میں شریک ہوسکوں یا نہ ہوسکوں۔ میری شرکت یہی زبانی جمع خرچ ہی۔ سو اس کو بھی میں نے نہ تو اپنے اوپر لازم کیا اور نہ لکچر کو اپنا پیشہ بنایا۔ اور اگر ایسا کروں تو لوگ مجھ کو گھر پر بیٹھنے بھی نہ دیں۔ ملک میں تو انجمنوں کی رسم چل پڑی ہی۔ شاید ہی کوئی مہینہ خالی جاتا ہو۔ کہ کہیں نہ کہیں سے بلاوا نہ آتا ہو۔ اِتنے بڑے ہندوستان میں صرف تین جگہ ہیں جہاں مَیں لکچر دیتا ہوں سب سے اوّل سر سید احمد خاں کا کانفرنس یا کوئی سی بھی مجلس جس میں وہ مجھے لکچر دینے کی تکلیف دیں۔ مَیں نے آج تک اُن کی کسی دعوت کو رد نہیں کیا۔ اور ان شاء اللہ کروں گا بھی نہیں۔ اور باوجودے کہ مَیں اُن سے بعض باتوں میں اختلاف بھی کرتا ہوں۔ تاہم میرے

[1] سلسلہ۔ ۱۲ [2] لوگ اُنگلیوں کے اشارے بتلاتے ہیں۔ ۱۲

دل میں اُن کی ایسی عظمت ہی کہ اگر میں اُن کے تمام عقائد سے اتفاق رکھتا ہوتا۔ اور مجھ کو پیر کی تلاش بھی ہوتی۔ تو میں ضرور اُن کے ہاتھ پر بیعت کر لیتا۔ اور میرے اِس انجمن میں آنے کی ابتدا بھی اُنھیں سے ہوئی ہی کہ وہ اپنے کانفرنس میں مجھ کو ساتھ لائے۔ میں نے لکچر دیا اور ممبرانِ انجمن اُس وقت سے میرے گرد ہوئے۔ سب سے زیادہ مجھ کو اِسس کا افسوس تھا کہ بعض لوگوں نے غلط فہمی سے اور نہ صرف غلط فہمی سے بلکہ بدگمانی اور بدگمانی بھی ممنوع بدگمانی سے جس کی نسبت فرمایا ہی یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا کَثِیْراً مِنَ الظَّنِّ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ سر سید کو اِس انجمن کا سخت مخالف قرار دے رکھا تھا۔ سر سید کو کسی طرح پر اس کا علم ہوا۔ اُنھوں نے اس بدگمانی کے رفع کرنے کو لاہور کا سفرِ دور و دراز اختیار کیا اور انجمن کے جلسۂ سالانہ کی شرکت کی غرض سے آموجود ہوئے۔ افسوس ہی کہ سر سید بوجہ ضعف و پیری زحمتِ سفر کے متحمل نہ ہو سکے اور بیمار پڑ گئے۔ ورنہ اس انجمن کی نسبت اپنے خیالات اپنی زبانِ مبارک سے ضرور ظاہر فرماتے۔ لیکن اگر سر سید شریک جلسہ نہ ہو سکے۔ تو اُن کے حواری یا خلیفہ جو کچھ سمجھو نواب محسن الملک مولوی سید مہدی علی خاں بہادر نہایت خوش دلی اور شوق سے اُن کے بدلے رونق افروز جلسہ ہوئے۔ اور جیسی کچھ اُنھوں نے اِس انجمن کی ستایش کی۔ وہ سال گزشتہ کے جلسہ کی روداد میں آپ صاحبوں نے ملاحظہ فرمائی ہوگی۔ سر سید اور مولوی مہدی علی واقع میں ایک جان دو قالب ہیں۔ تو جو کچھ مولوی مہدی علی نے اِس انجمن کے بارے میں فرمایا۔ اگر سر سید سے پوچھا جائے تو وہی لفظ اور وتنے ہی لفظ وہ بھی فرمائیں گے۔

انجمن کے بارے میں سر سید پر لوگوں کو بدگمانی کرنے کی وجہ یہ ہوئی کہ سر سید کے خیالات تعلیم کی نسبت بڑے عالی خیالات ہیں۔ وہ ولایت جا کر اور رہ کر آپنی آنکھوں سے وہاں کے حالات دیکھ آئے ہیں۔ یوں سننے کو تو ولایت کے حالات ہم بھی سُنتے اور کتابوں اور اخباروں میں پڑھتے رہتے ہیں۔ لیکن "شنیدہ کی بود مانند دیدہ" اُنھوں نے چشم دید

وہاں کے حالات دیکھ کر اپنی قطعی رائے قائم کر لی ہی کہ اعلیٰ درجہ کی تعلیم کے بدون کوئی معتدبہ فائدہ قوم اور ملک کو نہ پہنچا ہی اور نہ پہنچ سکتا ہی۔ یہ تعلیم جو اب ہو رہی ہی اور جس میں بی۔ اے اور ایم۔ اے کی ڈگری کو تعلیم کی معراج الکمال قرار دے رکھا ہی۔ سر سید تو اِس تعلیم کے مقابلے میں جو اُن کو مدِ نظر ہی اور جس کی قوم اور ملک کو سخت حاجت ہی۔ اس کی ابجد سے زیادہ قدر نہیں کرتے۔ سر سید نے اپنی ساری عمر اور ساری قوت اِسی ایک مسئلۂ تعلیم کے پیچھے صرف کر دی ہی۔ وہ دیکھ رہے ہیں۔ کہ اگر تعلیم کو ایک مسافت فرض کرو اور دنیا کے تمام آدمیوں کو راہ گیر۔ تو اہلِ یورپ ہم سے ہزاروں کوس آگے ہیں اور ترقی کی اِکسپریس ٹرین میں دوڑے چلے جا رہے ہیں اور ہم نے ابھی تک اتنا ہی کیا ہی۔ کہ کچھ لوگوں نے جگہ سے رینگنا شروع کیا ہی۔ اب سر سید ہیں کہ تلملا رہے ہیں اور بے قرار ہیں کہ ہم مسلمان اہل یورپ کو نہ پکڑ پائیں۔ تاہم کم از کم اُن کی گرد تک تو جا پہنچیں۔ سر سید کے اختیار میں ہو تو اہلِ یورپ تو ترقی کی اکسپریس ٹرین میں دوڑے چلے جا رہے ہیں۔ وہ ہم مسلمانوں کو گولوں کی جگہ توپوں میں بھر بھر کر چھوڑنا شروع کریں یا تار برقی میں دوڑائیں۔ سر سید سے بڑھ کر کون اِس کا خواہاں ہوگا کہ گاؤں گاؤں سکول اور شہر شہر کالج اور ضلع ضلع یونیورسٹیاں ہوں۔ مگر ہوں تو کہاں سے ہوں۔ سرکار جتنا کچھ تعلیم پر خرچ کرتی ہی۔ یہ بھی اُسی کا حوصلہ ہی۔ اِس سے زیادہ کی گنجایش نہیں۔ ایک تعلیم ہی تو نہیں ہی کہ ملک کی ساری آمدنی اِس میں لگا دی جائے۔ سڑکیں ہیں۔ پُل ہیں۔ شفا خانے ہیں۔ تار برقی اور ڈاک خانے ہیں۔ کچہریاں ہیں۔ عدالتیں ہیں۔ ملکی اور فوجی ملازم ہیں۔ غرض یک سر و ہزار سودا ہی۔ سرکار کو تو زیادہ کی گنجایش نہیں اور قوم غریب ہی۔ محتاج ہی۔ مفلس ہی۔ بے مقدور ہی۔ مگر تعلیم کے لئے۔ نہ میلوں ٹھیلوں اور تیر تیوہاروں اور شادی بیاہ وغیرہ کی تقریبوں اور ناچ تماشے کے لئے۔ بہر کیف نتیجہ یہ ہی کہ گاؤں گاؤں سکول اور شہر شہر کالج اور ضلع ضلع یونیورسٹیاں کیسی۔ سارے ہندوستان میں ایک بھی ایسا سلیقے کا کالج نہیں۔ جیسا سر سید **احمد خاں** چاہتے ہیں اور جیسے کی

ملک اور قوم کو ضرورت ہی۔ لیکن جیسے گھٹیا کالج ہیں۔ ان میں پھر بھی کچھ ہی۔ تو علی گڈھ محمدن کالج ہی کہ گو وہ مکمّل نہیں مگر سرسید نے یہی سمجھ کر اور اسی توقّع سے اِس کی بنیاد ڈالی ہی کہ وہ ایک دن تکمیل ہوگا اور قوم اور ملک کی ضرورتوں کو پورا کرے گا۔ بس اَب یہیں سے اختلاف شروع ہوتا ہی کہ سرسید ایک طرف ہیں اور نہ صرف یہ انجمن بلکہ ہندوستان کی ساری تعلیمی انسٹی ٹیوشنز ایک طرف۔ سید احمد خاں نیک نیتی سے اور سچّے دل سے علی گڈھ محمدن کالج کی نسبت خیال کرتے ہیں کہ اُس کا انتظام بہت کچھ روبراہ ہی اور اس میں تکمیل کی صلاحیت ہی۔ اور جتنا اور جیسا کالج کو ہونا چاہیئے اُس کا بڑا حصّہ وقوع میں آچکا ہی اور ایک تکمیل کالج کا ہونا قوم اور ملک کے لیئے زیادہ سودمند ہی بہ نسبت بیس۔ پچاس۔ سَو ناقص اور ناتمام کالجوں کے۔ فلہٰذا علی گڈھ محمدن کالج قومی اور ملکی امداد و اعانت کا حق فایق رکھتا ہی۔ بہ ظاہر سرسید کی اِس دلیل کا کوئی جواب نہیں۔

اب دوسرا سوال یہ پیش آتا ہی کہ علی گڈھ محمدن کالج کے علاوہ جیسے کچھ دوسرے ناقص و ناتمام کالج ہیں اُن کو بند کیا جائے یا اُن کو جاری رکھ کر اُن کی تکمیل کی تدبیر کی جائے۔ مَیں اِس کا جواب سرسید سے نہیں چاہتا۔ کیوں کہ وہ علی گڈھ محمدن کالج کے تعلق کی وجہ سے پریجوڈِسڈ ہیں۔ حُبُّکَ الشَّیٔ یُعمِی وَ یُصِمّ [1]

| | |
|---|---|
| چوں غرض آمد ہنر پوشیدہ شد | صد ہزاراں پردہ سوئے دیدہ شد |

بلکہ مَیں اِس کا جواب چاہتا ہوں۔ ممبرانِ انجمن حمایت اسلام سے۔ انجمن کے حامیوں اور مددگاروں سے۔ حاضرانِ مجلس سے اور تمام پنجاب کے مسلمانوں سے۔ میں انجمن حمایتِ اسلام کو تعلیم کے اعتبار سے مسلمانانِ پنجاب کا رِپرِیزِنٹیٹِو [2] سمجھتا ہوں۔ اگر پنجاب کے مسلمان اسلامیہ کالج کے کرِڈِٹ [3] کے دعوی دار ہیں اور میں سمجھتا ہوں کہ ضرور دعوی دار ہیں تو اُن کو کالج کی ذمہ داری اور جواب دہی بھی ضرور اپنے سر لینی ہوگی۔ استحقاق اور ذمہ داری

[1] کسی چیز کی محبت اندھا بہرہ کر دیتی ہی یعنی محبت میں کچھ سوجھتا نہیں۔۱۲ [2] قایم مقام۔۱۲ [3] تحسین۔۱۲

دو چیزیں ساتھ ساتھ چلتی ہیں۔ جیسے گاڑی کے دو پہیئے۔ ایک طرف کرِ ڈِٹ یعنی تحسین و آفرین وشاباش کا استحقاق ہے تو دوسری طرف کالج کی ناتمامی اور بدانتظامی اور اُس کے نقصانات کی جواب دہی ہے۔ فرض کرو کہ ممبران انجمن نے کالج کے کھول دینے میں جلدی یا ناعاقبت اندیشی یا توقع بے جا کی۔ تو اس کا الزام نہ صرف ممبرانِ انجمن پر ہے۔ بلکہ پنجاب کے تمام مسلمانوں پر جنھوں نے ممبرانِ انجمن کو کالج کھولنے دیا۔ یا کالج کے کھولنے کا موقع دیا اور اگر اب کالج اسی بے اطمینانی اور ناتمامی کی حالت میں رہے۔ یا خدانہ خواستہ آیندہ کو بند ہو۔ یا اُس کو بند کرنا پڑے تو بدنامی۔ اور ملامت اور شماتت جو کچھ بھی ہو وہ بھی مسلمانانِ پنجاب کو انگیز کرنی ہو گی۔ یہ بات زیادہ غور کی محتاج نہیں ہے کہ اگر کالج کا قائم کرنا غلطی تھی تو کالج کا بند کرنا دوسری غلطی ہو گی۔ پہلی سے مکروہ تر۔ پہلی سے مذموم تر۔ اب اُس غلطی کی صرف یہی ایک اصلاح ہو سکتی ہے کہ کالج کی بنیاد مستحکم کی جاے۔ اور کالج میں جو کچھ ناتمامی ہے اُس کو رفع کیا جاے۔ اور اِس کے لیئے دو باتوں کی ضرورت ہے۔ اول رقم معتدبہ کا فراہم کیا جانا۔ یعنی اتنی آمدنی کا متیقن ہونا جس سے اعلیٰ درجے کی لیاقت کے پروفیسر۔ معقول تنخواہ پا سکیں اور اُن کو اُن کی خدمات کا کافی معاوضہ ملے کہ وہ دل نہاد ہو کر کام کریں اور اِس کے علاوہ دوسرے مصارف مستلزمہ بھی وقت پر چلتے رہیں۔ سو یہ اِس روز کی گداگری اور سالانہ جلسوں کے چندوں سے تو کچھ ہوتا ہواتا نہیں یہ اتفاقی اور بے سہارے سیری فاقہ کا حکم رکھتی ہے۔

| | | |
|---|---|---|
| زیادہ ہو گا توکّل سے بھی کہیں روزہ | کہ اس میں آئی تو روزی ہے اور نہیں روزہ | |

اور اگر کسی کو اسی طور سے کالج کے عمدگی کے ساتھ جاری رہنے کی توقع ہے تو یہ وہی بے ٹھور بے ٹھکانے توکل ہے۔ جس نے مسلمانوں کو تباہ کیا ہے۔ کوئی تو کھڑا ہو کر مجھ کو بتائے کہ اُس نے کبھی اپنے کسی ذاتی کام میں اِس طرح کا توکل کیا ہے۔ جاڑا آنے کو ہوا ہے اور اُس نے لحاف توشک نہیں بنایا یا سفر کو نکلا ہے اور زادراہ ساتھ نہیں لیا۔ کاشتکار ہے

اور کھیت کو وقت پر نہیں جوتا- ہوش سنبھالتے ہی کسبِ معاش کی فکر میں نہیں پڑا- تو جب ہم میں سے کبھی کسی نے اپنے کسی کام میں ایسا توکّل نہیں کیا- تو کیا قومی کام یعنی اسلامیہ کالج ہی اِس توکّل کے لیئے رہ گیا ہی- کہ اب تک بُرا یا بھلا توکّل پر چلا ہی- تو آگے کو بھی توکّل ہی پر چلا جائے گا- تھوڑے اور نا مطمئن فنڈز کے ہوتے بنا یا ہوا اسلامیہ کالج کالج نہیں ہے بلکہ ماکرِی آف اے کالج ہی- یعنی کالج کی نقل اور نقل بھی نہیں بلکہ سوانگ ہے

| | |
|---|---|
| یہ تو کہیئے میر جی صاحب کیا ہی اگر یہ سوانگ نہیں | گرمی سبزہ رنگوں سے اور گھر میں بھونی بھانگ نہیں |

خیر تو سب سے پہلا اور سب پر مقدم کام تو کافی فنڈز کا بہم پہنچانا ہی- اور وہ موقوف ہی لوگوں کی توفیق پر-

بعض صاحب ایسے بھی ہیں جو کالج کے کھول دینے کو ممبرانِ انجمن کی مکروہ اور خطرناک غلطی سمجھ کر چاہتے ہیں کہ کالج بند ہو جائے اور ممبرانِ انجمن فضیحت اور رسوا ہوں- لیکن اُن کا طیش اُن کو نہیں سمجھنے دیتا- کہ لوگ اُن کے اِس خیال کو ذاتیات پر محمول کرتے ہیں- علاوہ بریں بے شک کالج کے بند ہونے سے ممبرانِ انجمن کی بڑی رُسوائی ہوگی- لیکن پنجاب کے باہر کی دنیا اسلامی کالج کی نسبت کیا خیال کرتی ہی- علی گڈھ محمڈن کالج کو تو کبھی کوئی سید احمد خاں کا کالج بھی کہہ دیتا ہی اور یہ ایک حد تک صحیح بھی ہی- کہ کالج کے قائم کرنے کا خیال سب سے پہلے سید احمد خاں کو ہوا- اُنھوں نے اپنی وجاہت سے چندہ جمع کیا کالج کے منصوبے کو عمل میں لا کر دکھایا اور وہ دن اور آج کا دن اُسی کالج کے پیچھے تکیہ داروں کی طرح علی گڈھ میں دھونی رمائے بیٹھے ہیں- اور پہلے تو اپنی ذات سے اکیلے تھے- اب جب سے سید محمود نے ہائی کورٹ کی ججی سے سبک دوش ہو کر علی گڈھ میں ڈیرے ڈالے اِس سے معلوم ہوا کہ سید احمد خاں اور اُن کی نسل علی گڈھ محمڈن کالج ہی کے ہو رہے- تو ان خصوصیتوں کی وجہ سے کبھی کوئی علی گڈھ محمڈن کالج کو سید احمد خاں کا کالج کہہ دیتا ہی اور سید احمد خاں کو

کالج کا فوَنڈر (بانی) مگر یہ تو فرمائیے ممبرانِ انجمنِ حمایتِ اسلام میں سے فونڈر آف اسلامیہ کالج کس کو کہا یا سمجھا جائے پس چاروناچار ”ورنہ ستائی بہ ستم می رسد“ اسلامیہ کالج تو مسلمانانِ پنجاب ہی کا کالج ہی۔ وہی اس کے فونڈر ہیں۔ وہی اس کو چلا رہے ہیں۔ وہی اس کو چلائیں گے۔ اور اگر خدانہ خواستہ یہ کالج بند ہو جائے گا۔ تو وہی وِدّاوٹ اینی اکسیپشن (بلا استثنائے احدے) دنیا جہان میں فضیحت بھی ہوں گے۔ رسوا بھی ہوں گے۔ بدنام بھی ہوں گے۔ اور آنے والی نسلیں اُن کو کوسیں گی بھی۔ پس جو لوگ اسلامیہ کالج کا بند ہونا سنا رہے ہیں۔ وہ اِس بات کو خیال نہیں کرتے کہ اسلامیہ کالج کا کریڈٹ لینا چاہیں یا نہ لینا چاہیں۔ اُن کو مِل رہا ہی اور ملے گا۔ اسی طرح کالج کے بند ہونے کی صورت میں بھی وہ الزام کی لپیٹ میں آئیں گے پر آئیں گے۔ تو بھائیو! کالج کے بند ہونے یا اِسی بے اطمینانی اور محتاجی کی حالت میں رہنے کا تو نام ہی نہ لو۔ یہ کالج تو تمھارے سر پڑا۔ اور اب تمھاری آنرؔ[۱] اس کے ساتھ وابستہ ہو چکی۔ کالج کی مدد نہ بھی کرو۔ تو اپنی آنر کو وِنڈیکیٹؔ[۲] کرو۔

پھر فنڈز کے جمع ہوئے پیچھے اُن کا ہینڈلؔ[۳] کرنا جمع کرنے سے بھی زیادہ مشکل ہی۔ انجمن کے مالہٗ اور ما علیہ پر نظر کرنے سے میری قطعی یہ رائے ہی کہ جنرل سکرٹری تنخواہ دار سکرٹری ہو جو اپنا سارا وقت اور اپنی تمام ہمّت انجمن کے کارخانوں کے انتظام اور اُن کی نگرانی میں صرف کرے اور اس کو انجمن کے فنڈز سے معقول معاوضہ دیا جائے۔ لوگ اپنے ابنائے جنس کی ویلیو (قیمت) کے اندازہ کرنے میں اکثر غلطی کرتے ہیں۔ اور اِس کی ایک مثال ہم کو خود جناب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات میں ملتی ہی کہ معترض کہتے تھے لَوْلَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ عَلٰى رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيْمٍ یعنی جزیرۂ عرب میں مکّہ مدینہ دو بڑے شہر ہیں اور ان میں ایک سے ایک لایق فایق لوگ موجود ہیں۔ اِن میں سے کسی پر قرآن نازل ہونا تھا۔ خدا اِس کا جواب دیتا ہی اَهُمْ يَقْسِمُوْنَ رَحْمَتَ رَبِّكَ کیا یہ لوگ خدا کی

[۱] عزت۔ آبرو۔ ۱۲ [۲] حفاظت۔ بچاؤ۔ ۱۲ [۳] سنبھال۔ ۱۲

رحمت کے تقسیم کرنے والے بنتے ہیں۔ نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُمْ مَعِيشَتَهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَرَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجَاتٍ لِيَتَّخِذَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا سُخْرِيًّا وَرَحْمَةُ رَبِّكَ خَيْرٌ مِمَّا يَجْمَعُونَ نبوت تو بڑی چیز ہی۔ یہ روزمرہ کی معاش جس میں بہ ظاہر ان کی اپنی تدبیر کو بھی دخل ہی۔ یہ تک تو ان میں ہم تقسیم فرماتے ہیں يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَشَاءُ وَيَقْدِرُ جس کو چاہتے ہیں بافراغت روزی دیتے ہیں۔ اور جس کو چاہتے ہیں نپی تُلی روزی دیتے ہیں اور جس طرح رزق کے اعتبار سے لوگوں کی حالتیں مختلف ہیں۔ اِسی طرح دوسرے اعتبارات سے بھی ہم نے ان میں فرقِ مراتب رکھا ہی کہ کوئی باپ ہی اور کوئی بیٹا۔ کوئی اُستاذ ہی۔ کوئی شاگرد۔ کوئی آمر ہی۔ کوئی مامور۔ کوئی حاکم ہی۔ کوئی محکوم۔ کوئی بادشاہ ہی۔ کوئی رعیت۔ کوئی آقا ہی۔ کوئی نوکر۔ اور انھیں حالات اور مدارج کے اختلاف و تفاوت پر انتظامِ دنیا کا مدار ہی کہ ایک سے ایک کار و خدمت لے۔ اور جب معاش و مراتب دنیوی کی تقسیم تمھارے اختیار میں نہیں تو نبوت جو فضلِ کردگار ہی وہ تو مال و متاعِ دنیا سے کہیں زیادہ قدر کی چیز ہی۔ وہ تمھاری راے سے کیوں دی جانے لگی ہ

| | |
|---|---|
| خدا نے رسولِ عرب کو جو بھیجا | لگا پکنے کفّار کے سر میں بھیجا |
| کہ ہم میں بہت سے بڑے آدمی ہیں | مگر وہ رسالت کے شایاں نہیں ہیں |
| خدا اگر کسی کو ہمیں سے بناتا | تو جبریل ہم میں کسی پاس آتا |
| خدا نے کہا تم ہو شدّت سے احمق | نہیں تم کو فہمید سے بہرہ مطلق |
| رسالت نہیں ہی مگر فضلِ باری | یہ انعام ہی محض رحمت ہماری |
| اُسے دیتے ہیں اہل پاتے ہیں جس کو | ذرا تم تو درمیاں سے دور کھسکو |

پھر پیغمبری کے بعد خلافت کے بارے میں ہمیشہ اسی طرح کے جھگڑے رگڑے ہوا کیے کچھ ہم لوگوں کا دستور ہو گیا ہی کہ ہم کام کو نہیں دیکھتے بلکہ ذاتیات میں بحث کرنے لگتے ہیں

ضرور نہیں کہ اچھا عالم فاضل عمدہ ٹیچر[۱] بھی ہو۔ اسی طرح ضرور نہیں کہ اچھا ٹیچر عمدہ مصنف بھی ہو۔ مختلف طرح کی لیاقتیں ہیں اور مختلف طرح کی طبیعتیں۔ ہر ایک طرح کی لیاقت کے واسطے طبیعت کی مناسبت شرط ہے۔ تمھارے ہی پڑوس میں ایک واقعہ ہو گزرا ہے کہ مولانا شاہ اسمٰعیل صاحب شہید دہلی سے مجاہدین کو لے کر افغانستان کو پہنچے اور اُلٹ کر سکھوں سے لڑے۔ مولٰنا نے کچھ علاقہ فتح بھی کر لیا تھا۔ مگر وہ اُن سے سنبھل نہ سکا۔ وہ بڑے بہت بڑے عالم۔ بڑے بہت بڑے خطیب تھے۔ مگر کیا ضرور ہے کہ جو بڑا عالم اور بڑا خطیب ہو۔ وہ بڑا کمانڈر[۲] اور بڑا اسٹیٹسمین[۳] بھی ہو۔ غرض بھائی شمس الدین کو ترکِ چاکری پر مجبور کیا جائے اور اُن کو انجمن کے فنڈز سے کافی معاوضہ دیا جائے۔ پھر انجمن میں بڑی ضرورت فنڈز کے جمع کرنے کی ہے اور جو تدبیریں اس کے لیے عمل میں لائی جا رہی ہیں۔ کافی نہیں۔ ہرگز کافی نہیں۔ مَیں ممبرانِ انجمن کو شاید ایک سال ایسے ہی مجمع میں سمجھا گیا تھا کہ ہز ہائینز نظام حیدر آباد۔ مہاراجہ پٹیالہ۔ مہاراجہ بنارس۔ مہاراجہ وزیانگرم۔ نواب صاحب رام پور۔ جیسی موٹی چڑیوں کے پھنسانے کا تم میں بوتا نہیں تو ضعفاء الطیور[۴] کو دام میں لاؤ۔

اے ممبرانِ انجمن تم ہر سال مجھ کو یہاں لکچر دینے کے لیے کھینچ لاتے ہو۔ اِس توقع پر کہ مَیں لوگوں کو کچھ دینے کی ترغیب دوں۔ لیکن لوگ میرا کہنا کیا مانیں گے جب کہ تم خود میری نصیحت پر عمل نہیں کرتے۔ مجھ کو آنے اور جانے کی تکلیف جو ہوتی ہے۔ سو ہوتی ہے۔ سب سے بڑی تکلیف یہ ہے کہ کہوں اور اثر نہ ہو۔ بات یہ ہے کہ جس کام کا تم نے بیڑا اُٹھایا ہے۔ تم میں سے کسی نے اُس کی عظمت اور وقعت ہی کو نہیں سمجھا۔ یہ بھی کوئی کالج کے چلانے کی صورتیں ہیں۔ کہ مجھ جیسے تماشائی فنڈز کے جمع کرنے کی تجویزیں بتائیں اور اُن پر بھی عمل نہ ہو۔ تم کو خود ایسی تجویزیں سوچنی چاہئیں۔ جن کی طرف کسی کا بھی ذہن منتقل نہ ہو۔ اور یوں بے وضو

[۱] معلم۔ ۱۲ [۲] حاکم۔ ۱۲ [۳] مدبّر ملک۔ ۱۲ [۴] کم زور پرندے۔ ۱۲

نماز ٹرخاؤ اور وہ قبول ہو جائے۔ ایسے سرسری طور پر کالج کو چلاؤ اور وہ چل جائے۔ تو تمھاری
کرامت اور خرقِ عادت پر پہلا ایمان لانے والا مَیں ہوں ۵

کام چور اس کام پر کس مُنہ سے اُجرت کی طلب
جی عبادت سے چُرانا اور جنّت کی طلب

باوجودے کہ جب سے علی گڈھ محمدن کالج میں ٹرسٹیوں کا قانون بنا۔ تبھی سے ع "بدنام کنندہ نکونامے چند" میں بھی کالج کا ایک ٹرسٹی ہوں۔ لیکن اُس کے سالانہ اجلاس میں اب کے پہلی بار مجھ کو شریک ہونے کا اتفاق ہوا۔ تو مَیں نے چھوٹتے ہی اُس رقمِ خطیر ایک لاکھ کئی ہزار کے غبن کے حالات دریافت کیے اور چند باتیں تمھاری نصیحت کے لیے وہاں سے اخذ کر کے لایا۔ ایک تو یہ کہ کسی ایک متنفس پر گو وہ کیسا ہی جفاکش اور بیدار مغز کیوں نہ ہو۔ فوقِ طاقت کام کا بوجھ ڈالنا ٹھیک نہیں۔ آپ اس بات کو تعجب سے سنیں گے کہ سیّد احمد خاں سکرٹری کے دفتر میں لاکھوں روپے کا آنا جانا لگا رہتا ہے۔ تھوڑی یا بہت جس مد کی جو رقم آتی ہے۔ اُسی دن بنک میں بھیج دی جاتی ہے اس میں ایک خرمہرہ کا غبن نہیں۔ سکرٹری تو ذمہ داری رقوم سے بری ہو چُکا۔ غبن ہوا جعلی چکوں کے ذریعہ سے۔ مارے کفایت کے ایک انگریزی کلرک رکھا اور وہ چکوں پر سید احمد خاں کے انگریزی دستخط بنا بنا کر وقتاً فوقتاً روپیہ نکلواتا رہا۔ اُردو کے روزنامچے سے مقابلہ ہوتا۔ تو انگریزی کا حساب اسی کلرک کے ہاتھ میں رہتا اور یہ جعلی چکوں کو چھوڑتا چلا جاتا۔ سید احمد خاں کو فرصت نہیں۔ کوئی اُن کا اتنا بھی ہاتھ بٹانے والا نہیں۔ اور دوسری مصیبت یہ کہ انگریزی نہیں جانتے۔ اور انگریزی میں کارسپانڈنس[۱] کرنا اور حساب لکھنا پڑتا اور خیر سے آپ انگریزی دستخط بھی اُڑائے جاتے ہیں۔ جانتے ہو کہ بڑے میاں پر اس غبن کا کیا اثر ہوا۔ اُنھوں نے مجھ سے واقع میں رو کر کہا کہ ساری عمر میں مجھ کو دو صدمے ہوئے ہیں۔ ایک تو سید حامد کا جواں مرگ مرنا۔ دوسرے یہ غبن۔ اگرچہ سید احمد خاں بدستور

[۱] مراسلت۔ خط و کتابت۔ ۱۲

کام میں لگے ہیں۔ مگر اُٹھتے بیٹھتے سوتے جاگتے کسی وقت اُن کو یہ رنج نہیں بھولتا۔

اے ممبرانِ انجمن! تم کو اِس حادثے سے کہ یہ ایک قومی حادثہ ہے۔ یہ نصیحتیں پکڑنی چاہئیں۔ حساب کی پوری پوری نگرانی۔ بے جا کفایت شعاری سے کہ مَیں تم کو بے طرح اِس میں مبتلا پاتا ہوں۔ احتراز۔ ایک متنفّس پر فوقِ طاقت کام کا بوجھ نہ ڈالنا۔ کوّے ہو کر ہنس کی چال نہ چلنا یعنی نیٹو ہو کر انگریز بننے کا حوصلہ نہ کرنا ؎

| | | | |
|---|---|---|---|
| جس کا کام اُسے کو ساجے | | اَور کرے تو مونگرا باجے | |

دوسری بات جو مَیں تمھاری نصیحت کے لئے لے کر آیا ہوں ہمّت اور استقلال ہے۔ اتنی بڑی رقم کثیر تو ضائع ہو چکی ہے۔ مگر **سید احمد خاں** نے اعلان کر دیا ہے کہ کالج جس شان سے چل رہا ہے اُسی شان سے چلا جائے گا۔ اور سوائے عمارت کے کوئی کام اٹکا نہیں رہے گا یہ اُنھوں نے کیوں اعلان کر دیا ہے۔ اِس لئے کہ اُن کو اعتماد ہے کہ وہ کہیں نہ کہیں سے اور کسی نہ کسی طرح اِس نقصان کی تلافی کر لیں گے۔ **سید احمد خاں** تو بڑے اولوالعزم ہیں۔ مَیں تو اِس بات کو دیکھ کر حیران رہ گیا کہ طالب العلموں نے اِس غبن کی تلافی پر کمرِ ہمّت چُست باندھ لی ہے۔ ان لوگوں کو جب جب موقع ملتا۔ چندے جمع کرتے پھرتے اور اُس سے غریب طلبا کو وظیفے دیئے جاتے اور ان لوگوں نے اِسی طرح بھیک مانگ مانگ کر بورڈنگ ہوس بھی بنوائے ہیں۔ اِسلامیہ کالج کے طالب علم خوب غور سے اِس کو سُنیں وَفِیْ ذٰلِكَ[۱] فَلْيَتَنَافَسِ الْمُتَنَافِسُوْنَ مَیں انجمن کے رسالوں میں اِس بات کو پڑھ کر بہت ہی خوش ہوا تھا کہ لاہور مڈیکل کالج کے طلبا، انجمن کے لئے گداگری کرتے ہیں۔ لیکن مسلمانوں کے سب کام باسی کڑھی کا اُبال ہوتے ہیں ع "اے طبلِ بلند بانگ در آخر ہیچ" پھر مدّتوں سے کچھ سننے میں نہیں آیا۔ نہیں معلوم لوگوں نے دینا بند کر دیا یا اُنھوں نے مانگنا۔ لیکن لوگوں نے دینا تو کیا بند کیا ہوگا۔ مانگنے والوں ہی نے ہمّت ہار دی ہوگی۔

[۱] اور ریس کرنے والے اِس بات کی ریس کریں۔ ۱۲

والبستگانِ دامانِ دولتِ انجمن یعنی پروفیسر اور مدرس اور طلبا اور حضرات واعظین ماشاء اللہ اتنے کثیر التعداد ہیں کہ اِن کا مجموعہ بجائے خود ایک لشکر ہی۔ میں انجمن کو معدہ فرض کرتا ہوں اور ان کو اعضا و جوارح۔ جس طرح اعضا و جوارح معدے سے غذا پاتے ہیں۔ اسی طرح معدے کے لئے غذا بہم پہنچاتے بھی ہیں۔ برخلاف انجمن کے اعضا و جوارح کے کہ یہ پاتے ہیں اور بہم نہیں پہنچاتے۔ مَیں ایک حکایت بیان کروں تو اس سے آپ میرے مدعا کو خوب سمجھیں گے۔ ایک دفعہ اعضا و جوارح کا سارا لشکر پیٹ سے پھر بیٹھا۔ اِس لشکر کے ہر ایک سپاہی یعنی ہر عضو اور ہر جارحے نے کہا کہ پیٹ نے ناحق ہم کو اپنا غلام بنا رکھا ہی اور بلا استحقاق ہم سے مفت خدمت لیتا ہی۔ پاؤں نے کہا مَیں پیٹ کے لئے دوڑتے دوڑتے تھک گیا۔ ہاتھ نے کہا کہ مَیں پیٹ کے لئے کام کرتے کرتے عاجز آگیا۔ آنکھ نے کہا پیٹ کھائے اور مَیں اُس کے لئے مکھی بال بیٹھی دیکھا کروں۔ ناک نے کہا مَیں سڑا بُسا کیوں سونگھوں۔ زبان بولی مَیں کس کے لئے چکھوں۔ دانتوں نے کہا ہم کاہے کو پیسیں۔ غرض تمام اعضا و جوارح اپنا اپنا کام چھوڑ بیٹھے۔ پیٹ کو لگی بھوک تو ہاتھ ٹکڑا نہیں توڑتا۔ مُنہ لقمہ نہیں لیتا۔ مجبور پیٹ انتڑیاں مسوس کر رہ گیا۔ مگر اس نے بھی بدل مایتحلّل کی رسد بند کی۔ تو لگی ٹانگیں لڑکھڑانے۔ ہاتھ کانپنے۔ زبان بھکنے اور آنکھوں کے آگے ترمرے پھرنے۔ بارے کمانڈنگ افسر اور لشکریوں میں میل ملاپ ہو گیا۔ ورنہ چھاؤنی ہی ٹوٹ گئی ہوتی۔ اے وہ لوگو جو وابستۂ دامانِ دولتِ انجمن ہو۔ انجمن کے اعضا و جوارح بنو یعنی انجمن سے لیتے ہو تو انجمن کو علیٰ قدر حیثیت کچھ دو بھی۔ پروفیسر اور مدرس سمجھتے ہوں گے کہ ہمارا دینا یہی ہی کہ ہم طالب العلموں کو پڑھاتے ہیں۔ لیکن پڑھاتے ہیں تو اُس کا معاوضہ بھی پاتے ہیں ؎

| | | | |
|---|---|---|---|
| منت منہ کہ خدمتِ سلطاں ہمی کنم | | منت شناس ازو کہ بخدمت بداشتت | |

رہے طالب العلم وہ کچھ تو یتیم ہو کر چھوٹ گئے اور کچھ بچے بن کر۔ لیکن اِس طرح کے بچے دنیا میں بڑوں کے کان کترتے ہیں۔

سکول یا کالج کے لڑکے نمایش کے لیئے کچھ پڑھ کر سنا دیتے ہیں تو یہ کسی حساب میں نہیں بلکہ یہ بھی ایک طرح کا امتحان ہی۔ ہاں بعض کچھ اپنی موزونی طبع دکھانے کو نظمیں بھی کہہ کر لاتے اور واعظ یا لکچرار کا کام دیتے ہیں۔ تو یہ البتہ ایک طرح کی خدمت ہی۔ میں نے دیکھا ہی کہ کوئی لڑکا اپنی کہی ہوئی نظم سناتا ہوتا ہی تو ممبرانِ انجمن کی باچھیں کھِلی جاتی ہیں اور آڈینس[1] سے بھی شاباش و تحسین کا آوازہ بلند ہوتا ہی مگر میں لڑکوں کی اِس ادا کو ہرگز پسند نہیں کرتا۔ اگرچہ مولوی **حالی** نے نظم کا رنگ بدل دیا ہی اور شاعری اگلی گندگی اور بیہودگی سے بہت کچھ پاک ہو گئی ہی۔ لیکن اُٹھتی جوانی اور شاعری کا مذاق۔ کیوں کر اطمینان ہو سکتا ہی کہ اِس عمر میں اِس مذاق کا آدمی ایشیائی شاعری کے زہر آلود اثر سے محفوظ رہ سکے گا۔ اُس کو شاعری کی مشق کے لیئے وہی لٹریچر پیشِ نظر رکھنا پڑے گا جو دین کا عدو اور اخلاق کا دشمن ہی۔

مَیں سمجھتا ہوں کہ انجمن کے پروفیسر اور طالب العلم فنڈز جمع کرنے میں بہت نہیں تو کچھ مدد ضرور دے سکتے ہیں۔ لیکن شاید ان میں سے کسی نے اِس کا خیال بھی نہیں کیا اور نہ کسی نے اُن کو اس کا خیال دلایا۔ فنڈز کے علاوہ ایک اَور طرح کی مدد ہے جو اُن کو کرنی چاہیئے نہ احسان و تبرّع کے طور پر۔ بلکہ ایزائے ڈیوٹی[2]۔ اور وہ اِن کے اور انجمن کے حق میں زیادہ مفید اور بہ کار آمد بھی ثابت ہو گی۔ وہ یہ کہ فنڈز کی کوتاہی کی وجہ سے انجمن بڑی بڑی تنخواہ کے یورپین پروفیسر انگیج[3] نہیں کر سکتی اور اِسی وجہ سے یہاں کی تعلیم کو بعض اصحاب حقارت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ بلکہ میں نے تو کسی اخبار میں پڑھا ہی یا کسی سے مُنہ زبانی سُنا ہی کہ اسلامیہ کالج کے توڑ دینے یا بند کر دینے کی جہاں اَور وجوہ بیان کی جاتی ہیں اُن میں اِسی وجہ پر بڑا زور دیا جاتا ہی کہ کم تنخواہ کے پروفیسر اگر واقع میں لائق ہیں تو کم تنخواہ پر قانع نہیں ہو سکتے اور اُن کو قانع ہونا چاہیئے بھی نہیں اور اگر جیسی ان کی تنخواہ کم ہی

[1] حضارِ مجلس - ۱۲ [2] بطور فریضہ - ۱۲ [3] ملازم - ۱۲

ویسی ہی ان کی لیاقت بھی کم ہی - تو ان کی تعلیم کچھ مفید نہیں ہوسکتی - اس میں شک نہیں کہ جو علوم پڑھائے جاتے ہیں انگریزی ہیں اور انگریزی ہی زبان میں پڑھائے جاتے ہیں - اور خود زبانِ انگریزی بھی بجائے خود ایک علم ہی - بلکہ علوم سے زیادہ مشکل ہی - یہ اس بحث کا محل نہیں ہی کہ یہ علوم وہ ہیں جن میں سے اکثر یونان میں ایجاد ہوئے اور اُن سے مسلمانوں نے اخذ کئے اور بعض خود مسلمانوں کی ایجاد ہیں اور مسلمانوں سے اہلِ یورپ نے سیکھے - یہ منصب ایک محقق مورخ کا ہی - جیسے ہمارے شمس العلما مولٰنا شبلی کہ وہ جس بات کو لیتے ہیں اُس کو اصل تک پہنچا کر چھوڑتے ہیں - ہم کو تو اتنا بس کرتا ہی کہ یہ علوم چاہے کسی نے ایجاد کئے ہوں اور اہلِ یورپ سیکھ کر نہیں بلکہ چورا کر لائے ہوں اب ان علوم پر انھیں کا قبضہ ہی - وہی ان کو بہت عزیز رکھتے اور اُن کی بڑی قدر کرتے ہیں اور اُنھوں ہی نے ہندوستان میں انھیں رواج بھی دیا ہی - تو جیسی زبان انگریزی ہی ویسے ہی یہ علوم بھی انگریزی ہیں اور قاعدہ ہے کہ تصنیف را مصنّف نیکو کند بیاں - ایک موجد جیسی اپنی ایجاد کی ہوئی چیز کی حقیقت سے واقف ہی - دوسرا ہو نہیں سکتا - پس ٹیچر یا پروفیسر جیسا یورپین ہوسکتا ہی نیٹو گو کیسا ہی باکمال کیوں نہ ہو - ہو نہیں سکتا - لیکن یورپین ٹیچر یا پروفیسر ہم کو کہاں نصیب ؎

| | | | | |
|---|---|---|---|---|
| | یا مکن با فیل بانان دوستی | | یا درے افراز بر بالائے پیل | |

ہماری بیچاری تھوڑی پونجی کی انجمن کو ان ہاتھیوں کے پالنے کا مقدور ہی نہیں - اور اگر بلّی کے بھاگوں چھینکا ٹوٹ پڑے اور خدا ہُن برسا دے - اس صورت میں بھی میری تو رائے نہیں ہی کہ انجمن یورپین پروفیسروں اور پروفیسروں کیسے کسی ایک یورپین پروفیسر کو بھی نوکر رکھے - یورپین پروفیسر کے رکھنے کا ضروری نتیجہ یہ ہی کہ انجمن کا کلاوہ اور شجرہ سب کچھ پروفیسر صاحب کے حوالے کر کے ممبرانِ انجمن دور کھڑے ہوئے اُس کا مُنہ تکا کریں - تو پھر انجمن - انجمنِ حمایتِ اسلام ہی کیوں ہو اور کالج اسلامیہ کالج ہی

کیوں کہلائے۔ بات یہ ہی کہ ہم میں اور اہلِ یورپ میں اس وقت وہ نسبت ہی اور میں تو سمجھتا ہوں کہ یہ نسبت لازمی سی ہی۔ جیسے تیل اور پانی۔ یعنی ہم پانی ہیں اور اہلِ یورپ تیل اگر ایک برتن میں پہلے تیل ڈال کر اوپر سے پانی ڈالو یا پہلے پانی ڈال کر اوپر سے تیل ڈالو ازبسکہ تیل کا وزنِ مخصوص زیادہ ہی تیل اوپر ہی رہے گا۔ مجھ کو خود ایسے مواقع ملے ہیں اور میں نے دوسرے نیٹوز کو بھی انگریزوں پر افسری اور حکم رانی کرتے دیکھا ہی۔ انگریز تو انگریز یوریشین بھی نیٹوز سے رُخ دے کر بات نہیں کرتا۔ اچھا تو پھر یورپین پروفیسروں کے رکھنے کا مقدور نہیں اور اُن کا رکھنا مناسب بھی نہیں تو کام بنے تو کیسے بنے۔ اور نالیاقتی کا دھبہّ دُھلے تو کیوں کر دُھلے۔ کام بنے اور دھبہّ دُھلے طالب العلموں اور پروفیسروں کی غیر معمولی محنت اور جاں فشانی سے کہ امتحان کے نتیجے ہمیشہ بہتر سے بہتر ہوں زبان انگریزی کی تو میں کہتا نہیں کہ وہ تو جیسی یورپین پروفیسر جانے گا کوئی دوسرا کیا جان سکتا ہی لیکن اس میں بھی اتنی بچریں لگی ہیں کہ گو انگریزی یورپین پروفیسر کی مادری زبان ہی مگر خود جاننا اور دوسرے کو سکھانا دونوں میں بڑا فرق ہی ممکن ہی کہ یورپین پروفیسر ہو اور نیٹوز کو انگریزی سکھانے کا سلیقہ نہ رکھتا ہو یا وہ سرے سے جی ہی نہ لگائے۔ اور متوجہّ ہی نہ ہو۔ اور یوں نیٹوز بھی ایسے انگریزی داں ہوئے ہیں اور اب موجود ہیں کہ انگریز بھی اُن کا لوہا مانتے ہیں۔ تو ایسے ہی نیٹوز ہمارے اسلامیہ کالج کے پروفیسر بھی کیوں نہ ہوں۔ نَحْنُ رِجَالٌ وَ ھُمْ رِجَالٌ[۵۱]۔ وہاٹ مین ہیز ڈن مین کین ڈو[۵۲] لیکن ہوں تو کیوں کر ہوں۔ بہت پڑھنے سے کثرتِ مطالعہ سے وسعتِ معلومات سے اور استحضار سے کہ جو کچھ نظر سے گزرا مستحفظ رہی۔ علوم اگرچہ شاید اسی پنجاب کے کسی ڈائرکٹر آف پبلک انسٹرکشن[۵۳] نے کسی رپورٹ میں لکھ مارا تھا کہ مسلمانوں کے سر ہی خدا نے ریاضی کے قابل ہی نہیں بنائے۔ لیکن اُن کا یہ کلیہ فرضیا گنمی

[۵۱] جیسے ہم آدمی ویسے ہی وہ۔ انسان انسان سب برابر۔ ۱۲ [۵۲] جو ایک انسان کرسکتا ہی وہ دوسرا بھی کرسکتا ہی

[۵۳] ناظمِ تعلیماتِ عامّہ۔ ۱۲

یعنی علمِ قیافہ کے کسی اُصول پر مبنی نہ تھا۔ مسلمانوں کو حساب اور ریاضی میں اکثر فیل
ہوتے دیکھ کر اُنھوں نے ایسا لکھ دیا ہوگا۔ ورنہ یہ اُنھیں مسلمانوں کی نسلیں ہیں نہ
جو جبر و مقابلہ اور علمِ ہیئت کے موجد ہو گزرے ہیں۔ بہرکیف علومِ انگریزی کی تو مَیں اہلِ یورپ
کے ساتھ زبانِ انگریزی کی سی خصوصیت سمجھتا نہیں۔ ہمارے ہی دہلی کالج میں جناب ماسٹر
رام چندر صاحب مرحوم دہلی ہی کے رہنے والے کالیستھ ریاضی کے پروفیسر تھے جنھوں نے
ریاضی کے شعبہ ڈِفرنشَل اَینڈ اِنٹگرَل کیلکیولس یعنی علمِ کُلیات و جزئیات میں کتاب
مَیکسِما اَینڈ مِنیما لکھ کر تمام یورپ میں ایک شور برپا کر دیا تھا۔ سَر آیزک نیوٹن کی مشہور
وصایا میں ایک مسئلہ یہ بھی تھا جو نیوٹن کو زندگی میں حل نہیں ہوا تھا۔ مگر وہ عالی دماغ
میتھامیٹیشن[۵۱] لکھ مرا تھا کہ مجھ کو تو موت نے مہلت نہیں دی تاہم یہ مسئلہ کبھی نہ کبھی حل
ہو گا۔ یہ فخر ہمارے ماسٹر صاحب کے حصّے کا تھا کہ اُنھوں نے اِس کو حل کیا اور تمام
اہلِ یورپ پر سبقت لے گئے۔ بڑے بڑے جھگڑے ہوے آخرکار یورپ کو تسلیم کرنا پڑا کہ
اِس کے موجد ماسٹر رام چندر ہیں۔ اِس کے بعد سے جو کتابیں یورپ میں تصنیف ہوئیں اُن میں
رام چندرز پرابلمز[۵۲] کا ایک نیا چَیپٹر[۵۳] قایم ہو گیا۔ وَکفیٰ بِہٖ فخراً۔ میں نے ماسٹر رام چندر
صاحب کو مرحوم اِس لیئے کہا کہ وہ میرے اُستاد اور اپنے فن میں فخرِ ہندوستان تھے اور
اگرچہ وہ عیسائی ہو گئے تھے اور اِس اعتبار سے وہ اہلِ کتاب تھے۔ لیکن اگر وہ ہندو
بھی مرے ہوتے تو بھی مَیں اُن کو مرحوم کہتا اور اُن کی مغفرت کی دعا مانگتا۔ کیوں کہ بہ تعیین
شخص کسی پر کفر کا اطلاق منع ہے اور بالفرض وہ کافر ہی مرے سہی تو اُن کے لیئے دعاے
مغفرت کرنے میں میرا ہی کون سا ہرج ہے۔ مَیں کوئی مستجاب الدعوات پیغمبر تو ہوں نہیں
کہ میری دعا قبول نہ ہوگی تو اُمت بدعقیدہ ہو جاے گی۔ سب چیزوں سے قطع نظر کر کے
میں تو مختصر سی ایک بات یہ کہتا ہوں کہ ہم کو تعلیم کے رستے میں ابھی بہت دوڑ کر چلنا بھی

[۵۱] ریاضی داں۔ ۱۲ [۵۲] رام چندر کے اصول۔ ۱۲ [۵۳] باب۔ ۱۲

مناسب نہیں۔ہمارا منتہائے نظری بالفعل وہی سٹینڈرڈ[۱] ہونا چاہیئے جو گورمنٹ نے قرار دے رکھا ہے۔اِس سے زیادہ حوصلہ کرنے کو مَیں قبل الوقت سمجھتا ہوں۔اور گو اسلامیہ کالج کا سٹاف[۲] بینٹوز ہوں اور گو اُنڈرپیڈ[۳] بھی ہوں لیکن چوں کہ گریجوئٹ[۴] ہیں دوسروں کو گریجوئٹ بنا دینا کیا دشوار ہے اگر محنت کی جائے اور محنت لی جائے۔اے پروفیسر صاحبو!اور اے طالب العلمو اپنے ذاتی مفاد کی نیت سے محنت نہ بھی کرو تو اپنے کالج کی آبرو[۵] سنبھالنے کے لیئے محنت پر جُھک پڑو۔

| | | | | |
|---|---|---|---|---|
| | بہر کارے کہ ہمت بستہ گردد | | اگر خارے بود گلدستہ گردد | |

اگر تمھارے امتحانوں کے نتیجے اچھے نکلیں گے اور محنت کروگے تو ضرور اچھے نکلیں گے۔ تو جو لوگ جلی کٹی کہتے پھرتے ہیں خود بخود اُن کی زبانیں بند ہو جائیں گی اور تمھارا کالج پبلک کی نظر میں وہ اعتماد پیدا کرے گا کہ تمام راٹول انسٹی ٹیوشینز پر اُوس پڑ جائے گی اور پبلک کی نظر میں ایسے اعتماد کا پیدا ہونا فنڈز کے جمع ہونے اور کالج کے استحکام کی کافی ضمانت ہے۔جو لوگ کسی اَور کالج کی سند پکڑ کر تم کو چھیڑیں بہتر ہے کہ نتائج امتحان سے اُن کو جواب دو اور یوں مطلق جواب دینے کو تو تم یہ بھی کہہ دے سکتے ہو کَذٰلِکَ کُنْتُمْ مِّنْ قَبْلُ فَمَنَّ اللّٰہُ عَلَیْکُمْ رُوم وازناٹ بلٹ اِن اے ڈے۔ اور مَیں تو کہتا ہوں کہ علی گڈھ محمدن کالج اب بھی محمدن کالج نہیں ہے۔اور کالج کا نام کر دیا تو کون کسی کی زبان پکڑے لیتا ہے۔اب یہ نیشنل کانگرس ہی ہے کہ ہندوستان میں نہ کوئی ایک نیشن ہے اور نہ یہاں کا کوئی کام نیشنل ہو سکتا ہے۔شروع شروع میں لوگوں نے بڑا غل مچایا مگر ہونا کیا تھا وہی نیشنل کانگرس نام پڑ گیا۔میں دلّی میں بہت دیکھتا ہوں کہ عورتیں ماما گری کرتی یا کوڑی دکان مانگتی پڑی پھرتی ہیں اور نام پوچھو تو امیر زمانی بیگم۔کَذٰلِکَ کُنْتُمْ مِّنْ قَبْلُ فَمَنَّ اللّٰہُ عَلَیْکُمْ قرآن مجید کی ایک آیت کا ٹکڑا ہے اب مَیں تم کو ساری آیت

[۱] معیار-۱۲ [۲] کارپرداز-۱۲ [۳] کم تنخواہ-۱۲ [۴] یونیورسٹی کا ڈگری یافتہ-۱۲ [۵] عزت-۱۲

اور اُس کا شانِ نزول بتاؤں تو سمجھو کہ جو لوگ علی گڈھ محمدن کالج کی سند پکڑ کر تم کو چھیڑیں
كَذٰلِكَ كُنْتُمْ مِّنْ قَبْلُ کیوں کر اُن کا جواب ہوا۔ پوری آیت تو یوں ہی يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ
اٰمَنُوْٓا اِذَا ضَرَبْتُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَتَبَيَّنُوْا وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ اَلْقٰىٓ اِلَيْكُمُ السَّلٰمَ
لَسْتَ مُؤْمِنًا تَبْتَغُوْنَ عَرَضَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا فَعِنْدَ اللّٰهِ مَغَانِمُ كَثِيْرَةٌ كَذٰلِكَ
كُنْتُمْ مِّنْ قَبْلُ فَمَنَّ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ فَتَبَيَّنُوْا اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا اور
شانِ نزول یہ ہی کہ جناب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے چند مسلمانوں کو ایک گانوں کی طرف بھیجا۔ یہ وہ زمانہ ہی کہ مسلمانوں کے ساتھ لڑائی کی ابتدا ہو چکی تھی۔ غالباً پیغمبر صاحب نے ان مسلمانوں کو اطراف و جوانب کی خبر لانے کے لئے بھیجا ہو گا۔ یہ لوگ گانوں کے پاس پہنچے تو چند لوگ سوادِ دہ میں کھڑے بکریاں چرا رہے تھے اِن کو آتا ہوا دیکھ کر اُنھوں نے ان سے صاحب سلامت کی اور ان کی طرف کو لپکے۔ وہ لپکے تھے اظہارِ بشاشت کے لئے۔ اور مسلمانوں نے سمجھا کچھ اور۔ دونوں فریق آپس میں گتھ گئے اور جو لڑائی میں ہوا کرتا ہی وہ ہوا جناب پیغمبر صاحب کو معلوم ہوا تو آپ بہت ہی ناخوش ہوئے اور اسی پر یہ آیت اُتری۔ جس کا مطلب یہ ہی کہ مسلمانو! خدا کے کام میں کسی طرف کو نکل جانے کا اتفاق ہوا کرے تو وہاں کے لوگوں کے حال کو اچھی طرح تحقیق کر لیا کرو اور کوئی تم سے ابتدا بہ سلام کرے تو اُن سے یوں نہ کہو کہ تو مسلمان نہیں کہ اِس کہنے سے تمھاری یہی غرض ہو گی کہ لڑائی ہو اور کچھ مال و متاع اپنے ہاتھ آئے۔ گھبراتے کیوں ہو کھلے ہوئے دشمنوں سے لڑائیاں ہوں گی اور تم کو بہتیری لوٹ ملے گی۔ ابتدا میں تمھارا اپنا بھی تو یہی حال تھا۔ پھر خدا نے تم پر اپنا فضل کیا۔ تو تم اچھی طرح تحقیق کر لیا کرو اور جو کچھ بھی کرتے ہو خدا اُس سے باخبر ہی۔ اب سمجھے كَذٰلِكَ كُنْتُمْ مِّنْ قَبْلُ فَمَنَّ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ کو انجمن حمایت اسلام سے کیا مناسبت ہی۔ علی گڈھ محمدن کالج کی ہسٹری پڑھو تو معلوم ہو کہ اُس کی بھی ابتدا کیا تھی مجھے یاد پڑتا ہی کہ کالج کا سب سے پہلا چندہ شاید ایک پیسہ صرف ایک پیسہ تھا۔ لیکن وہ ایسی برکت کا پیسہ تھا

کہ لاکھوں روپیہ گھسیٹ لایا اور ابھی تک ماشاء اللہ گھسیٹے ہی چلا جا رہا ہے تو بجائے اس کے کہ انجمن تھُڑدلی ہو اُس کو محمدن علی گڈھ کالج کے حال پر نظر کرکے حوصلہ بلند اور ارادہ محکم رکھنا چاہیئے ؏

| | |
|---|---|
| مرد باید کہ ہراساں نہ شود | مشکلے نیست کہ آساں نہ شود |

# چھبیسواں لکچر

یہ نظم مدرسہ طبیہ دہلی کے سالانہ جلسہ میں ۲- اپریل ۱۸۹۶ء کو بمقام دہلی پڑھی گئی تھی

| | |
|---|---|
| کس قدر جلدی گزرتے ہیں جہاں ہیں ماہ و سال | کاش ہم کو بھول کر آئے کبھی اس کا خیال |
| حال جتنے ہیں وہ ہو جائیں گے ماضی ایک دن | جتنے مستقبل ہیں ہو جائیں گے وہ ایک دن حال |
| ہر منٹ اور ہر سکنڈ ایک آدمی ہے فی المثل | اس کا ہو چکنا گزر جانا ہے اُس کا انتقال |
| جلسۂ سالِ گزشتہ گویا کل کی بات ہے | جمع تھے جس میں تمامی شہر کے اہلِ کمال |
| صدر میں صاحب کمشنر جلوہ گر جوں ماہتاب | دوسرے حکّام گرداگرد تاروں کی مثال |
| وہ نہ تھا جلسہ مگر ایک کورٹ تھا بے اشتباہ | وہ نہ تھا جلسہ مگر دربار تھا بے قیل و قال |
| سکرٹیری پڑھ رہے تھے کس فصاحت سے رپوٹ | باغ میں جس طرح چہکے طوطیِ شیریں مقال |
| ہر طرف سے مرحبا و آفریں کا شور تھا | ہو رہے تھے حاضرانِ جلسہ سُن سُن کر نہال |
| اور صفِ پائیں میں یہ عاجز کھڑا تھا سرنگوں | بے بضاعت بے ہنر نادم سراپا انفعال |
| یوں ہوا اتنے میں ارشادِ حکیمِ محتشم | کیا کھڑا ہے آ ادھر اور جیب سے کاغذ نکال |
| ایسا لکچر دے کہ پا جائے ہمیشہ کے لئے | طبِ یونانی و انگریزی کا جھگڑا انفصال |
| اُن کی اِس درخواست پر میں نے بھی وہ تقریر کی | جس کو سُن کر لوگ کہتے تھے کہ ہے سحرِ حلال |
| ایسی بے باکی سے بولے کس کا اتنا حوصلہ | اِس صفائی سے کہے کوئی کسی کی کیا مجال |
| کوئی کوئی معترض بھی تھے کہ یہ سب لغو ہے | بے دلیل و بے سند اثباتِ دعوائے محال |

گُل ہوا ہی چاہتا ہی طبِ یوناں کا چراغ
یہ عمارت کہنگی سے گَل دَ کے آٹا ہو گئی
طبِ یونانی و انگریزی کہ دو بہنیں ہیں یہ
گرچہ یونانی بڑی تھی پر نہ تھا اس کے تئیں
کوستی تھی اور کہتی تھی کہ تو ہو جائے رانڈ
چھوٹی کھوٹی تڑ سے بول اُٹھی کہ بس بک بک نہ کر
جب کہ دونوں میں ہوئی تُھکّا فضیحت اس قدر
بارے دونوں کو کسی ڈھب سے گلے ملوا دیا
دور ہو کر رنجشیں پھر ہو گیا گہرا ملاپ
امن سے ایک ہی جگہ میں دونوں گھر آباد ہیں
کوئی کرتا ہی سدیدی اور نفیسی کی چیتھاڑ
مدرسۂ طبیّہ اپنی شان میں ہی منفرد
درسِ طب اور درس طب کے ساتھ حسنِ انتظام
حیف ہی صد حیف گر اس کی نہ کی جائے مدد
یہ ابھی تک صرف منصوبے ہیں دور از واقعات
ڈالنے کو گُڑ نہیں پیدا تو پھر کیسی سٹھاس
وقتِ تفریحات لا یعنی ہی جو ہی جس کے پاس
قوم کے سر میں مگر احساسِ حالت ہی نہیں
اِک سرے سے آگیا ہی سب کی عقلوں میں فتور
انقلابِ دہر کو لوگوں نے سمجھا ہی نہیں
حاکمانِ وقت کی ہر چیز سے کُلّی گریز

اور یہ جو کچھ دیکھتے ہو آخری ہی اشتعال
اب نہ جالینوس کے باوا سے ہو اس کی سنبھال
بے محابا مدتوں سے لڑ رہی تھیں بد خصال
اپنی چھوٹی بہن کی پرداخت کا مطلق خیال
ٹکڑے روٹی کے لیے کرتی پھرے گھر گھر سوال
تیرے مٹ جائیں جیتے اور تیرے مر جائیں لال
اُٹھ گیا دونوں طرف سے پاسِ حدِّ اعتدال
ورنہ ہوتی خاندانِ طب کی رسوائی کمال
اب تو سننے میں نہیں آتی کبھی جنگ و جدال
نَے حسد ہی نَے گِلہ نَے شکوہ نَے رنج و ملال
کھینچتا ہی چیرہ دستی سے کوئی مُردے کی کھال
کیجیے تسلیم یا دکھلائیے ایسی مثال
تجربہ اور تجربہ کے ساتھ اس کی دیکھ بھال
ظلم ہی گر دستگیر اس کا نہ ہو دستِ نوال
جیسے کوئی خواب دیکھے یا کرے دل میں خیال
یا سُنے ہیں آپ نے بے دودھ بنتے شیر مال
پر نہیں ہی قوم کے کارن کوئی کوڑی دوال
پڑ رہا ہی مدتوں سے ملک میں قحط الرجال
یا دماغوں کی بناوٹ میں ہی داخل اختلال
کیا نتیجہ ہوگا کیا انجام ہوگا کیا مآل
وضع ہو یا طرز ہو یا علم ہو یا بول چال

ہو چکا سیراب ساری عمر ایسا تشنہ کام
جو پھرے سرگشتہ دور از چشمۂ آبِ زلال

بود و باشِ بحر اور اُس پر مگر سے دشمنی
بدنصیبی اِس کو سمجھو یا حماقت یا ضلال

جیسے ایک تنکا مقابل ہو کسی سیلاب کے
جیسے کوئی توپ سے لڑنے کو جائے لے کے ڈھال

بُرد کیسی آپڑا ہی صاف نقشہ مات کا
ابتدا ہی سے غلط ہو گئی بازی میں چال

عزت و دولت حکومت سلطنت سب کھو چکے
اب نرا افسانہ ہی اسلام کا جاہ و جلال

گر کسی کو شاذ و نادر ہی بھی انگریزی کا شوق
فرسٹ ریڈر پڑھ کے بننا چاہتا ہی کو توال

یا بنا کر اوپری باتوں میں انگریزوں کی نقل
وہ مثل ہی ہو کے "کوا ہنس کی سیکھا ہی چال"

یہ نکھٹو" لا نہیں سکتا کما کر ایک درم
ہاں اِسے دیدو اُٹھانے کو دنانیر و ریال

روم و ایراں ہند و مصر افریقیہ اور ایشیا
جس طرف جاؤ تنزّل اور جدھر دیکھو زوال

ہو چکے دورے وہ عبداللہ احمد بخش کے
اب ہیں ماتا دین تلسی داس بابو شام لال

ہو گئی ہیں رسّیاں جل جل کے سب خاکِ سیاہ
لیک نکلے ہوں کسی کے بَل جلے پر کیا مجال

نازشِ بیجا بڑوں پر اور خود نا اہل ہیں
راگنی بے وقت کی بے تکی اُس میں سُر نہ تال

اینٹھنے لگتے ہیں احمق ماش کے آٹے کی طرح
گر کہیں سے اتفاقاً مل گئی کھانے کو دال

اُٹھ گئی دنیا سے رسم و اتحاد و یک دلی
اور اسی نا اتفاقی کے ہیں یہ سارے وبال

اب یہ حالت ہی کہ گویا ایک کا دشمن ہی ایک
بس چلے اور دست رس پائے تو کر ڈالے حلال

ایسے سفاکوں سے کس کی آبرو محفوظ ہی
شیرِ مادر ہی جو پا جائیں کسی کا مفت مال

جنگ ہوتی دیکھ مذہب آن کو دا بیچ میں
تا نہ رہنے پائے کوئی آشتی کا احتمال

یہ وہ حضرت ہیں لگے رہتے ہیں ہر دم تاک میں
مکر و تلبیس و فریب و زور کا پھیلائے جال

یہ اُبھرنے ہی نہیں دیتا ہی ہم کو ایک انچہ
اور ہمیں چارہ نہیں چڑھنے سے تا اعلی الجبال

گر یہی اسلام ہی کر دور سے اِس کو سلام
گر یہی جنت ہی اس جنت کو لے دوزخ میں ڈال

طیّباتُ العیش سارے لے گئے اگلے بزرگ
جھیلنے کو رہ گئے ہم نا خلف رنج و ملال

ایسی کثرت کی خوشی کیا ہو کہ ہم ہیں چھ کروڑ
جن میں اکثر بلکہ اکثر سے بھی اکثر خستہ حال

کیا ہوا ہم میں اگر آسودہ ہوں بھی بعض بعض
کیا ہوا ہم میں اگر خوش حال ہوں بھی خال خال

بالیقیں آدھے سے زائد مبتلائے مخمصہ
جن کو جو کچھ وقت پر مل جائے کھا لینا حلال

دن کو کھا لیتے ہیں موٹا جھوٹا آدھے پاؤ پیٹ
رات کو فاقے سے سو رہتے ہیں سب اہل و عیال

یا گھروں سے ہو کے مضطر عورتیں پردہ نشیں
بھیک کی خاطر نکل پڑتی ہیں بُرقع سر پہ ڈال

اِس قدر دُبلی کہ تن پر نام کو بوٹی نہیں
حلقے آنکھوں میں پڑے پچکے ہوئے اندر کو گال

ہڈیوں کے ڈھانچ باقی رہ گئے ہیں سوکھ کر
پیٹ دیکھو کھول کر جیسے کوئی خالی کھال

وقت تھوڑا طبع نازک داستانِ غم دراز
اب دعا کے ساتھ ہونا چاہیئے ختم المقال

ای خدا سارے جہاں کا خالق و رازق ہی تو
ای خدا ہی ذات تیری لم یزل اور لایزال

مشکلوں نے ہم کو آگھیرا ہی چاروں سمت سے
ہم کو گردش نے فلک کی کر دیا ہی پائے مال

مدرسہ طبّیہ جس میں آج ہم سب جمع ہیں
یہ بھی ہی حق میں ہمارے ایک طرح کی نیک فال

یعنی کچھ دن پھر چلے ہیں طالعِ ناساز کے
کیا عجب شاید ہمیں بیضہ بر آرد پر و بال

یہ اور اُس کے ساتھ وابستہ ہیں جتنے کاروبار
سب کو استحکام دے پروردگارِ ذوالجلال

آپ ملکی لارڈ ہو کر ہوں ہمارے سرپرست
جل مریں پھر مدرسہ کے حاسدانِ بدسگال

آپ دیں طلّاب کو انعام ہم دیں آپ کو
ہر برس صدہا دُعائیں یاں بُلا کر خیرِ نال

# ستائیسواں لکچر

جو محمدن اینگلو اورنٹیل ایجوکیشنل کانفرنس کے گیارھویں جلسے میں بمقام میرٹھ ۱۸۹۶ء میں دیا گیا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

شیخ ابراہیم ذوق کی ایک مشہور غزل کا مطلع ہی ؎

| | | |
|---|---|---|
| ہیں دہن غنچوں کے وا کیا جانے کیا کہنے کو ہیں | | شاید اُس کو دیکھ کر صلِّ علیٰ کہنے کو ہیں |

پارسال جو شاہ جہاں پور میں کانفرنس ہوا تو ایک صاحب نے جن کا نام اور تخلص دونوں مجھ کو بھول گئے ہیں **سید احمد خاں** کے خیر مقدم کے طور پر اسی وزن میں ایک نظم پڑھی تھی اور نواب **محسن الملک** بہادر نے جو اُس کانفرنس کے پریزیڈنٹ تھے اُس نظم کی بڑی مدح کی تھی- اور وہ مدح کی مستحق تھی بھی- امسال مجھ کو خیال آیا کہ مَیں بھی اُن کی طرح طبع آزمائی کروں- بے شک مَیں اُن جیسے شعر نہیں کہہ سکتا اور میں نے ساری عمر شعر گوئی کو اپنا مشغلہ بھی نہیں بنایا- یہاں تک کہ ہنوز مَیں نے اپنا کوئی تخلص بھی نہیں رکھا- اور یوں طبیعت کے موزوں ہونے کی وجہ سے کبھی کوئی شعر موزوں کر لیا ہو تو اس کی قسم بھی نہیں کھاتا- مگر اتنا کرنے سے میں شاعر نہیں ہو گیا اور نہ مَیں شاعر ہونے کا دعویٰ کرتا ہوں اور شاعر نہیں اور شاعری کا دعویٰ نہیں تو مدح کی توقع کیوں ہو ؎

| | | |
|---|---|---|
| نہ ستایش کی تمنّا نہ صلہ کی پروا | | گر نہیں ہیں میرے اشعار میں معنی نہ سہی |

مدح و ستایش نہ بھی ہوتا ہم یہ فائدہ کیا کم ہی کہ مجھ جیسے اناڑی عطائی کی وجہ سے خواجہ **الطاف حسین حالی** جیسے کلانوت کی حق قدرہٗ قدر کی جاوے گی وَبِضِدِّھَا تُتَبَیَّنُ الْاَشْیَاءُ[۱]

## نظم

| | | |
|---|---|---|
| کچھ نہ پوچھو آج ہم لکچر میں کیا کہنے کو ہیں | | قوم کو خود قوم کے مُنہ پر بُرا کہنے کو ہیں |
| ان کو ان کے عیب ان کے سُقم دکھلانے کو ہیں | | ان سے ان کی داستانِ ماضی کہنے کو ہیں |

[۱] مقابلے ہی کے وقت ہر شی کی اصلی حقیقت ظاہر ہوتی ہی-۱۲

| | |
|---|---|
| الغرض اسلام پر جو کچھ کہ گزرا نیک و بد<br>مدتوں ہم ان کو چپکے چپکے سمجھایا کیئے | اس کو ہم از ابتدا تا انتہا کہنے کو ہیں<br>اب جو کچھ کہنے کو ہیں سو برملا کہنے کو ہیں |

صدق اللہ[1] شاعروں کی نسبت فرمایا ہی وَالشُّعَرَآءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوُنَ[2] اَلَمْ تَرَ اَنَّهُمْ فِيْ كُلِّ وَادٍ يَّهِيْمُوْنَ وَاِنَّهُمْ يَقُوْلُوْنَ مَا لَا يَفْعَلُوْنَ مجھ کو شاعروں کی ذرا سی بھاپ لگ گئی تھی تاہم يَقُوْلُوْنَ مَا لَا يَفْعَلُوْنَ سے نہ بچ سکا- میں نے اگر قوم کو سمجھایا ہی تو اسی قدر کہ کبھی لکچر میں کوئی بات نصیحت کی کہہ دی- یا اپنی کتابوں میں جن کو کتاب کہتے ہوے بھی مجھ کو شرم آتی ہی کوئی بہتری کی بات سمجھا دی سنا دی تو اتنے سے مجھ کو یہ حق حاصل نہیں ہوا کہ (مدتوں ہم ان کو چپکے چپکے سمجھایا کیئے) اپنی نسبت کہہ سکوں- ہاں یہ سید احمد خاں کا حق ہی جنھوں نے ساری عمر قوم کے سمجھانے میں صرف کردی ہی- مجھ کو اس شعر پر نوح علیہ السلام کا قصہ بھی یاد آیا- وہ جناب باری سے عرض کرتے تھے رَبِّ[3] اِنِّيْ دَعَوْتُ قَوْمِيْ لَيْلًا وَّنَهَارًا فَلَمْ يَزِدْهُمْ دُعَآءِيْٓ

[1] اللہ تعالیٰ سچ فرماتا ہی- ۱۲ [2] اور (جیسا کہ کافر خیال کرتے ہیں پیغمبر شاعر بھی نہیں کیوں کہ) شاعر (خود گمراہ ہوتے ہیں اور گمراہی کی تعلیم کرتے ہیں اور) اور اُن کی پیروی (بھی) گمراہ (ہی) کرتے ہیں (ای مخاطب) کیا تو نے اِس بات پر نظر نہیں کی کہ یہ (شاعر لوگ خیالی باتوں کے) ہر ایک میدان میں سرگردان پڑے پھرا کرتے ہیں اور ایسی باتیں کہا کرتے ہیں جو خود نہیں کرتے- ۱۲ [3] ای پروردگار میں نے اپنی قوم (کے لوگوں) کو رات کے وقت بھی بلایا اور دن کے وقت بھی (بلایا) تو میرے بُلانے کا اُن پر یہی اثر ہوا کہ (جتنا زیادہ بُلایا اُتنا ہی) زیادہ بھاگے اور جب جب میں نے اُن کو بُلایا کہ (یہ تیری طرف رجوع ہوں اور) تو اُن کے گناہ معاف فرمائے اُنہوں نے اپنے کانوں میں اُنگلیاں ٹھونس ٹھونس لیں (کہ ان کے کانوں میں کہیں میرے بُلانے کی بھنک نہ پڑے) اور (اوپر سے) اپنے کپڑے اوڑھ اوڑھ لیئے (کہ کہیں میری صورت اُن کو نہ دکھائی دے) اور ضد کی اور شیخی میں آکر اکڑ بیٹھے- پھر میں نے ان کو پکار کر بلایا اور ان کو ظاہر بھی سمجھایا اور ان کو پوشیدہ بھی سمجھایا (اور بار بار ان سے) کہا کہ اپنے پروردگار سے اپنے گناہوں کی معافی مانگو کہ وہ بڑا بخشنے والا ہی (تمھارے قصور بھی معاف کر دے گا اور) تم پر (آسمان سے) موسلادھار مینہ برسائے گا اور مال اور اولاد سے تمہاری مدد کرے گا اور تمہارے لئے باغ بنائے گا اور تمہارے لئے نہریں جاری کرے گا ۱۲

اِلَّا فِرَارًا وَاِنِّیْ کُلَّمَا دَعَوْتُهُمْ لِتَغْفِرَ لَهُمْ جَعَلُوْٓا اَصَابِعَهُمْ فِیْٓ اٰذَانِهِمْ وَاسْتَغْشَوْا ثِیَابَهُمْ وَاَصَرُّوْا وَاسْتَكْبَرُوا اسْتِكْبَارًا ثُمَّ اِنِّیْ دَعَوْتُهُمْ جِهَارًا ثُمَّ اِنِّیْٓ اَعْلَنْتُ لَهُمْ وَاَسْرَرْتُ لَهُمْ اِسْرَارًا فَقُلْتُ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ اِنَّهٗ كَانَ غَفَّارًا يُّرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَيْكُمْ مِّدْرَارًا وَّيُمْدِدْكُمْ بِاَمْوَالٍ وَّبَنِيْنَ وَيَجْعَلْ لَّكُمْ جَنّٰتٍ وَّيَجْعَلْ لَّكُمْ اَنْهٰرًا قرآن کی اِس آیت میں اَعْلَنْتُ لَهُمْ وَاَسْرَرْتُ لَهُمْ اِسْرَارًا اِس شعر سے ملتا ہوا ہی ؎

مدتوں ہم ان کو چپکے چپکے سمجھایا کئے
اب جو کچھ کہنے کو ہیں سو بر ملا کہنے کو ہیں

لیکن نظم قرآن ایسا دلکش واقع ہوا ہی کہ ایک لفظ سے استشہاد کرنا ہوتا ہی تو ساری آیت بلکہ سارا رکوع پڑھے بدون صبر نہیں آتا میں تو ساری سورت پڑھنے کو تھا مگر وقت کم ہی اِس خیال سے اِتنے ہی پر بس کیا۔

شاعری کو اسلام کے ساتھ قدیمی تعلق ہی۔ مگر ویسا ہی تعلق جیسا کہ ایک شاعر کہتا ہی

گو واں نہیں پہ واں کے نکالے ہوئے تو ہیں
کعبے سے اِن بتوں کو بھی نسبت ہی دور کی

یعنی مخالفین جناب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم پر اور قرآن پر طرح طرح بے تکے بونگے اعتراضات کرتے اور ہمیشہ مُنہ کی کھاتے تھے کبھی کہتے [1] اِنَّمَا یُعَلِّمُهٗ بَشَرٌ اس کا جواب دیا جاتا تھا [2] لِسَانُ الَّذِیْ یُلْحِدُوْنَ اِلَیْهِ اَعْجَمِیٌّ وَّهٰذَا لِسَانٌ عَرَبِیٌّ مُّبِیْنٌ کبھی کہتے یہ قرآن اِس شخص نے خود بنا لیا ہی [3] اَمْ یَقُوْلُوْنَ تَقَوَّلَهٗ اِس کا جواب دندان شکن تھا [4] فَلْیَاْتُوْا بِحَدِیْثٍ مِّثْلِهٖٓ اِنْ كَانُوْا صٰدِقِیْنَ کبھی اِس اعتراض کو دوسرے پیرائے میں

[1] کافر (قرآن کی نسبت) یہ اشتباہ کرتے ہیں کہ ہو نہ ہو اِس شخص کو فلاں آدمی سکھایا کرتا ہی۔ ۱۲
[2] سو جس شخص کی طرف (سکھانے کی) نسبت کرتے ہیں اُس کی بولی تو عجمی ہی اور یہ (قرآن) صاف عربی زبان (میں) ہی۔ ۱۲ [3] یا کہتے ہیں کہ یہ قرآن اِس (شخص) نے خود بنا لیا۔ ۱۲ [4] سو اگر (اپنے دعوی میں) سچے ہیں تو اِسی طرح کا کلام (یہ بھی بنا کر) لے آئیں۔ ۱۲

پیش کرتے قَالَ[۱] الَّذِينَ لَا يَرْجُونَ لِقَاءَنَا ائْتِ بِقُرْآنٍ غَيْرِ هَٰذَا أَوْ بَدِّلْهُ اِس کا
جواب تھا قُلْ[۲] مَا يَكُونُ لِي أَنْ أُبَدِّلَهُ مِنْ تِلْقَاءِ نَفْسِي إِنْ أَتَّبِعُ إِلَّا مَا يُوحَىٰ
إِلَيَّ إِنِّي أَخَافُ إِنْ عَصَيْتُ رَبِّي عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيمٍ قُلْ لَوْ شَاءَ اللَّهُ مَا تَلَوْتُهُ
عَلَيْكُمْ وَلَا أَدْرَاكُمْ بِهِ فَقَدْ لَبِثْتُ فِيكُمْ عُمُرًا مِنْ قَبْلِهِ أَفَلَا تَعْقِلُونَ فَمَنْ
أَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرَىٰ عَلَى اللَّهِ كَذِبًا أَوْ كَذَّبَ بِآيَاتِهِ إِنَّهُ لَا يُفْلِحُ الْمُجْرِمُونَ اور اسی
قبیل کا جواب وہ بھی تھا وَمَا[۳] كُنْتَ تَتْلُو مِنْ قَبْلِهِ مِنْ كِتَابٍ وَلَا تَخُطُّهُ بِيَمِينِكَ
إِذًا لَارْتَابَ الْمُبْطِلُونَ من جملہ اور اعتراضات کے ایک اعتراض شاعری کا بھی تھا
بَلْ[۴] قَالُوا أَضْغَاثُ أَحْلَامٍ بَلِ افْتَرَاهُ بَلْ هُوَ شَاعِرٌ أَئِنَّا لَتَارِكُو آلِهَتِنَا لِشَاعِرٍ
مَجْنُونٍ اور مجھ کو اس مقام پر اعتراض کا ظاہر کرنا منظور تھا۔ اِس کا جواب تھا وَمَا[۵] عَلَّمْنَاهُ
الشِّعْرَ وَمَا يَنْبَغِي لَهُ کہ شاعری جس کو تم لوگ بڑا کمال سمجھتے ہو تمھارے لیے سرمایۂ فخر
ہوگا۔ مگر پیغمبر کے لیے موجب کسرِ شان ہی اس لیے کہ وَالشُّعَرَاءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوُونَ
أَلَمْ تَرَ أَنَّهُمْ فِي كُلِّ وَادٍ يَهِيمُونَ وَأَنَّهُمْ يَقُولُونَ مَا لَا يَفْعَلُونَ سو پیغمبر صاحب

---

[۱] تو جن لوگوں کو (مرے پیچھے) ہمارے پاس آنے کا (ذرا سا بھی) کھٹکا نہیں وہ (تم سے) فرمائش کرتے ہیں کہ اِس کے سوا کوئی (اَور) قرآن لاؤ یا اِسی میں ردّ و بدل کر دو۔ ۱۲ [۲] (تو تم ان سے) کہو کہ میرا تو ایسا مقدور نہیں کہ اپنی طرف سے اس میں (کسی قسم کا بھی) ردّ و بدل کروں۔ میری طرف جو وحی آتی ہی میں تو اُسی پر چلتا ہوں۔ اگر میں اپنے پروردگار کی نافرمانی کروں تو مجھے (قیامت کے) بڑے (مشکل) دن کے عذاب سے (بہت ہی) ڈر لگتا ہی (ای پیغمبر اِن لوگوں سے) کہو اگر خدا چاہتا تو میں یہ (قرآن) تم کو پڑھ کر سناتا ہی نہیں اور نہ خدا تم کو اُس سے آگاہ کرتا۔ اس سے پہلے میں مدتوں تم میں رہ چکا ہوں (اور میں نے کبھی وحی کا نام بھی نہیں لیا) کیا تم (اتنی بات بھی) نہیں سمجھتے تو اُس سے بڑھ کر ظالم کون جو خدا پر جھوٹ (جھوٹ) بہتان باندھے یا اُس کی آیتوں کو جھٹلائے اِس میں ذرا شک نہیں کہ (ایسے) گنہگار فلاح نہیں پاتے۔ ۱۲ [۳] اور (ای پیغمبر) قرآن سے پہلے نہ تو تم کوئی کتاب ہی پڑھتے (پڑھاتے) تھے اور نہ تم کو اپنے ہاتھ سے لکھنا ہی آتا تھا کہ ایسا ہوتا تو یہ بے دین خواہی نخواہی شبہ کرتے۔ ۱۲ [۴] بلکہ لگے کہنے کہ یہ تو پریشان خیالات کا مجموعہ ہی بلکہ اُس نے یہ جھوٹی جھوٹی باتیں اپنے دل سے بنالی ہیں بلکہ یہ (شخص) شاعر ہی بھلا (کہیں) ہم اپنے معبودوں کو ایک باؤلے شاعر کی خاطر چھوڑے دیتے ہیں۔ ۱۲ [۵] اور ہم نے ان (پیغمبر صلعم) کو شعر (کہنا) بھی سکھایا ہی نہیں اور شاعری ان کی (شان) کے لائق بھی نہیں ۱۲-

جیسے اُمّی یعنی پڑھے لکھے نہ تھے ویسے ہی شاعری تو بجائے خود آپ کی طبیعت تک بھی موزوں نہ تھی۔ اِس پر بھی گو آپ نے ساری عمر کبھی شعر نہیں کہا۔ اور شعر کہنا جانتے ہی نہ تھے۔ مگر آپ حقّانی اشعار سنتے بلکہ فرمائش کرکے پڑھواتے اور کبھی ایسے اشعار سے تمثّل بھی فرماتے۔ یعنی برمحل خود بھی اُن کو دوہراتے مگر وہی ناموزوں۔ مثلاً

| | | | |
|---|---|---|---|
| | ف۱ اَلَا کُلُّ شَیئٍ مَاخَلَا اللہِ بَاطِلٌ | | وَکُلُّ نَعِیْمٍ لَا مُحَالَۃَ زَائِلٌ |

کو آپ ناموزونی طبیعت کی وجہ سے اَلَا کُلُّ شَیئٍ سِوَی اللہِ بَاطِلٌ پڑھ دیتے حضرت ابوبکرؓ کی نسبت لکھا ہی کہ پیغمبرؐ صاحب کو اشعارِ ناموزوں پڑھتے سُن کر روتے اِس خیال سے کہ جس شخص کو موزوں شعر نہ پڑھنا آتا ہو اُس پر شاعری کی تہمت ظلمِ صریح ہی۔ شعر تو نہیں مگر ہاں پیغمبرؐ صاحب نے اپنے کہے ہوئے رجز پڑھے ہیں کہ اِن میں وزن کی رعایت نہیں ہوتی۔ مثلاً

| | | |
|---|---|---|
| ف۲ هَلْ اَنْتِ اِلَّا اِصْبَعٌ دُمِیْتِ | | وَفِیْ سَبِیْلِ اللہِ مَا لَقِیْتِ |
| ف۳ اَنَا النَّبِیُّ لَا کَذِبْ | | اَنَا بْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبْ |
| ف۴ فَاَکْرِمِ الْاَنْصَارَ وَالْمُهَاجِرَہْ | | اَللّٰهُمَّ لَا عَیْشَ اِلَّا عَیْشُ الْاٰخِرَہْ |

ف۵ فَاغْفِرْ لِلْمُهَاجِرِیْنَ وَالْاَنْصَارِ

کہ اِس میں سجع بھی ندارد ہی۔

| | | | |
|---|---|---|---|
| | ف۶ اَللّٰهُمَّ لَوْلَا اَنْتَ مَا اهْتَدَیْنَا | | وَلَا تَصَدَّقْنَا وَلَا صَلَّیْنَا |
| | فَاَنْزِلَنْ سَکِیْنَۃً عَلَیْنَا | | وَثَبِّتِ الْاَقْدَامَ اِنْ لَاقَیْنَا |

ف۱ سوائے اللہ کے ہر چیز جھوٹی ہی (اللہ کا نام سچا ہی سب جھوٹا ہی جتن) اور ہر نعمت ایک نہ ایک دن ضرور جاکر رہے گی۔ ۱۲ ف۲ تو صرف ایک اُنگلی ہی ہی جس نے تیر پھینکا اور اللہ کی راہ میں جو کچھ تجھے پیش آیا سو آیا۔ ۱۲ ف۳ مَیں نبی ہوں۔ اِس میں ذرا بھی شبہ نہیں۔ مَیں عبد المطلب کا فرزند ہوں۔ ۱۲ ف۴ انصار اور مہاجرین کا بول بالا رہے۔ عیش تو سوائے عیش آخرت کے کہیں بھی نہیں۔ ۱۲ ف۵ ای اللہ مہاجرین اور انصار کو بخش دے۔ ۱۲ ف۶ تھی ہدایت ای خدا تیرے سوا ہم کو کہاں۔ کیسے پڑھتے ہم نمازیں کیسے ہم دیتے زکوٰۃ۔ دشمن آجائے تو ہم کو کر عطا یا رب ثبات۔ بے سبب ہم پر یہ دشمن ظلم سے چڑھ آئے ہیں۔ فتنہ گر ہیں وہ نہیں بھاتی ہمیں فتنے کی بات۔ ۱۲

| | | | |
|---|---|---|---|
| اِنَّ الاَعۡدَاءَ قَدۡ بَغَوۡ عَلَینَا | | اِذَا اَرَادُوۡا فِتۡنَۃً اَبَینَا | |

رہے اصحاب اُن میں تو بڑے بڑے لاجواب شاعر ہو گزرے ہیں۔حضرت علیؓ کا دیوان ہی موجود ہی۔حسّان بن ثابت کا کام ہی یہی تھا کہ مشرکین قریش جو پیغمبرؐ صاحب کی ہجو کیا کرتے تھے اُس کا جواب دیا کرتے تھے مگر یہ لوگ شعر بھی کہتے تھے تو اِلَّا الَّذِیۡنَ[۱] اٰمَنُوۡا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَ ذَکَرُوا اللّٰہَ کَثِیۡرًا وَّ انۡتَصَرُوۡا مِنۡۢ بَعۡدِ مَا ظُلِمُوۡا کی حد کے اندر ہی اندر رہتے تھے ورنہ متعارف شاعری کو تو علما نے بھی دوں مرتبہ سمجھا ہی۔امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں ؎

| | | | |
|---|---|---|---|
| وَلَوۡلَا الشِّعۡرُ بِالۡعُلَمَاءِ یُزۡرِیۡ[۲] | | لَکُنۡتُ الۡیَوۡمَ اَشۡعَرَ مِنۡ لَبِیۡدٖ | |

اِس پر بھی امام شافعیؒ شعر کہتے تھے یہ اُن ہی کا شعر تو ہی ؎

| | | | |
|---|---|---|---|
| تَمَنّٰی رِجَالٌ اَنۡ اَمُوۡتَ وَاِنۡ اَمُتۡ[۳] | | فَهٰذَا سَبِیۡلٌ لَسۡتُ فِیۡهَا بِاَوۡحَدٖ | |

اور اِن کا یہ شعر بھی مشہور ہی ؎

| | | | |
|---|---|---|---|
| اِنۡ کَانَ رِفۡضًا حُبُّ اٰلِ مُحَمَّدٍ[۴] | | فَلۡیَشۡهَدِ الثَّقَلَانِ اِنِّیۡ رَافِضٌ | |

غرض شاعری ہمیشہ اسلام کی نظر میں مبغوض رہی ہی اور وہ ہی بھی اسی قابل۔میں بھی اِس کو سخت ناپسند کرتا ہوں نہ اِس لئے کہ اِس کو اپنے لئے دوں مرتبت سمجھتا ہوں۔بلکہ اِس لئے اور صرف اِس لئے کہ اس کی چاٹ سریش کی طرح چمٹ جاتی ہی۔

[۱] مگر (ہاں) جو لوگ ایمان لائے اور اُنھوں نے نیک عمل (بھی) کئے اور (اپنے اشعار میں کثرت سے خدا کا ذکر کیا اور (کسی کی ہجو بھی کی تو پہلے خود) اُن پر ظلم ہو لیا ہی۔۱۲

[۲] اگر شعر گوئی سے علماء کی شان میں بٹّہ نہ لگتا تو آج کو تو میں لبید سے بھی بڑا شاعر ہوتا۔۱۲

[۳] لوگ میرے مرنے کی دعا کرتے ہیں تو اگر میں مر بھی جاؤں تو یہ کون سی انوکھی بات ہی اس رستے میں میں کوئی اکیلا تھوڑی ہوں یعنی سب ہی کو ایک نہ ایک دن مرنا ہی۔۱۲

[۴] اگر آلِ محمدؐ کی محبّت کا نام رفض ہی تو جن و انس (سب) گواہ رہیں کہ میں (بے شک) رافضی ہوں۔۱۲

(ع) چھٹتی نہیں ہو مُنہ سے یہ کافر لگی ہوئی - اِسی نے تو قومی مذاق کا ستیاناس کیا ہو پھر بھی جس طرح کڑوی دوا شربت اور خمیرے کے ساتھ دی جاتی ہو لوگوں کو نصیحت بھی نظم کے پیرائے میں کرنی پڑتی ہو اور نوجوان لوگوں کے حق میں تو مَیں شاعری کو سمِّ قاتل سمجھتا ہوں اِس پر بھی فرمایشوں سے مجبور رہوں ؎

ہم سے بہتر کوئی کیا جانے گا حالت قوم کی
جتنی انگریزی رعایا ہی سبھی خوش حال ہو
عزتِ دارین ہو اصلی مسلماں کی شناخت
حُسنِ صورت محض بے رونق ہی سیرت کے بدون
ناصحِ خود ہو تو اُس کے ہاتھ پر بیعت کریں
ہو مسمّیٰ ذاتِ واحد نام اُس کے مختلف
دین کے بارے میں جو کچھ مُنہ میں آیا بک دیا
اب نہیں باقی مسلمانوں میں عقلِ حق شناس
عالمانِ دیں کہ از روئے حدیثِ معتبر
نام بھی دنیا کا سُن پائیں تو بس بالاتفاق
سود بے سرمایہ ہو سرتا بسران کی معاش

جو عدو کہتے ہیں ہم اُس سے سوا کہنے کو ہیں
ہم ہی زیرِ سایۂ وکٹوریہ کہنے کو ہیں
ورنہ یوں ہم بھی بطورِ اِدّعا کہنے کو ہیں
جن گلوں میں بُو نہیں وہ خوش نما کہنے کو ہیں
ورنہ اوروں کو تو سب ما و شما کہنے کو ہیں
گاڈ یا بھگوان یا اللہ خدا کہنے کو ہیں
ہم اِس آزادی کو مالی خولیا کہنے کو ہیں
یہ تو جو کچھ مولوی کہہ دیں بجا کہنے کو ہیں
پیشوا و مقتدا و رہ نما کہنے کو ہیں
ارتداد و کفر و حرفِ ناسزا کہنے کو ہیں
دوسروں سے حَرَّمَ اللہُ الرِّبٰو کہنے کو ہیں

کسی کو یقین آئے یا نہ آئے اِس طرح پر مولویوں کا تذکرہ کرنے سے مجھ کو سخت ایذا ہوتی ہو - لیکن میں دیکھتا ہوں تو ذلت اور رسوائی اور خرابی اور تباہی اور مُفلسی اور تنزّل وغیرہ وغیرہ جو کچھ بھی مصیبت مسلمانوں پر ہو اُس کے اسباب کا سلسلہ مولویوں پر جا کر منتہی ہوتا ہو - ہم مسلمانوں کا دین اِس قسم کا دین تو ہو نہیں کہ اُس کو دنیا سے کچھ سروکار نہ ہو - دنیا کو امن و صلح کاری اور سازگاری اور جائز خوش حالی یعنی شریعت کے طریقے سے برتنے کا نام ہی دین - ہم مسلمانوں کی دنیا بگڑی یہ تو سب کی آنکھوں کے

سامنے کی بات ہی - لیکن دنیا کو بگاڑا دین نے اور دین کو بگاڑا مولویوں نے - وہی آج کل کی سی مثل ہوئی ؏

| | |
|---|---|
| چناں قحط سالی شد اندر دمشق | کہ یاراں فراموش کردند عشق |
| نہ در کوہ سبزہ نہ در باغ شخ | ملخ بوستاں خوردو مردم ملخ |

وہ مولوی ہی تو ہیں جو دنیا سے ہم کو نفرت کرنا سکھاتے ہیں وہ مولوی ہی تو ہیں جو ہم کو غیروں سے اور اپنوں سے لڑواتے ہیں - وہ مولوی ہی تو ہیں جنھوں نے دنیا اور دین کے تعلق کو سخت بے مزہ کر رکھا ہی - اب اِن کی غلطی ہو تو اور اس میں ان کی ذاتی غرض مُضمر ہو تو ہم تو دونوں صورتوں میں مرلیئے - میری سمجھ میں نہیں آتا اور نہ کوئی مجھ کو سمجھا سکتا ہی کہ دنیاوی جاہ و حشمت کے بدون مسلمان دنیا میں کیوں کر عزت پا سکتے ہیں اور نہ یہ میری سمجھ میں آتا ہی اور نہ کوئی مجھ کو سمجھا سکتا ہی کہ مسلمان تو رہیں بے عزّت اور اسلام ایک معزز مذہب سمجھا جاوے - ایک موٹی سی بات ہی کہ مثلاً دہلی کی جامع مسجد سے اسلام کی عزت ہی یا نہیں - سب کہو کہ ہی اور واقع میں ہی - اچھا تو وہ مسجد حضرت سرمد قدس اللہ سرہ العزیز کی دعا سے نہ تو زمین ہی سے بنی بنائی نکلی اور نہ آسمان سے بنی بنائی اُتری - وہ بنی روپیہ سے اور روپیہ دوسرا نام ہی دنیا کا - یا وہی مسجد جگہ جگہ سے محتاج مرمت ہو گئی تھی خدا نے والیِ رام پور کو توفیق دی اور اُنھوں نے اُسے پھر نیا کرا دیا - لیکن نیا کرا دیا روپیہ سے اور روپیہ دوسرا نام ہی دنیا کا - اب جامع مسجد سے تو کرو قطع نظر اور کیف ما اتّفق کسی اَور مسجد میں جا نکلو اور ساز و سامان کے اعتبار سے عیسائیوں کے گرجوں اور ہندوؤں کے مندروں کے ساتھ مقابلہ کرو - مَیں تو کسی گرجہ یا مندر کے اندر گیا نہیں مگر معلوم ہی کہ گرجا کے گرداگرد نہایت وسیع چمن ہوگا آراستہ جس کو دیکھ کر جی باغ باغ ہو جاوے پھر اندر جاؤ تو غالباً سنگِ مرمر کا فرش ہوگا - اور سنگِ مرمر کا فرش نہ ہوگا تو اُس سے کہیں زیادہ قیمتی اُس سے کہیں زیادہ خوش نما

کسی اَور قسم کا۔ میزیں اور بنچیں اور کرسیاں عمدہ سے عمدہ ہوں گی اور ایسی شفاف کہ آئینہ کی طرح اُن میں مُنہ دیکھ لو۔ گرمیوں میں چاروں طرف خس کی ٹٹیاں لگی ہوں گی۔ پنکھے چل رہے ہوں گے۔ جاڑوں میں آتش دان روشن ہوں گے۔ سارے فرنیچر کا مول تو ایک پیانو ہو گا جیسے کوئی رشکِ حور کونے میں بیٹھی بجا رہی ہو گی۔ رہے مندر وہاں گرجا کی سی صفائی کہاں مگر ٹھاکروں کی مورتیں ٹھوس چاندی سونے کی اور لوازمے کا تو کچھ پوچھنا ہی نہیں۔ کیا یاد نہیں کہ محمود غزنوی نے سومنات کے بُت کو توڑا تھا تو کتنے لاکھ کا اُس میں سے جواہر نکلا تھا۔ اب آؤ مسجد میں اور مَیں آباد مسجد کا ذکر کرتا ہوں ورنہ ایک دہلی میں سینکڑوں مسجدیں ویران پڑی بھائیں بھائیں کر رہی ہیں۔ اچھا تو مسجد میں کیا پاؤ گے کسی فیاض دل مسلمان نے مٹی کے چند بدھنے رکھوا دئیے تھے اُن میں سے بعض کے گلے رخصت ہو گئے ہیں بعض کی ٹونٹیاں نذارد ہیں اور جو صحیح سالم ہیں اُن سے لوگ وضو کر رہے ہیں یا تو اُن کے خالی ہونے کا انتظار کرو یا جلدی ہو تو بے گلے بے ٹونٹی کے بدھنے سے کام چلاؤ۔ خیر اور وضو تو کسی نہ کسی طرح کر ہی لو گے مگر میری طرح اُکڑوں بیٹھ کر پاؤں نہ دھو سکو تو کیا مضایقہ گھر پہنچ کے کپڑے بدل ڈالنا۔ اب فرش پر نماز پڑھنی ہی تو اندر چلو ٹوٹا ہوا بوریا یا پھٹا ہوا ٹاٹ دیکھو تو تم ثابت ٹکڑا دیکھ کر کھڑے ہو جانا بشرطے کہ کوئی طالب العلم اُس پر لیٹا نہ پڑا ہو۔ اور دیکھو ذری دیوار سے بچ کر کہ پیچھے چراغ رکھنے کا طاق ہی جس کو بارہ مہینے زکام رہتا ہی۔ جس مذہب کے ایسے معابد ہوں لوگوں کی نگاہوں میں اُس کی وقعت کیا عزت کیا حالاں کہ اِسی ظاہری وقعت اور عظمت اور عزت کی نسبت فرمایا ہی خُذُوْا زِیْنَتَکُمْ عِنْدَ کُلِّ مَسْجِدٍ[لہ] اور یہ جو نماز جمعہ و عیدین کے بارے میں تاکید ہی کہ غسل کرو۔ بہتر سے بہتر لباس پہنو خوش بو لگاؤ ایک راہ سے مصلی کو جاؤ اور دوسری راہ سے آؤ یہ سب اِسی ظاہری وقعت ظاہری عظمت ظاہری عزت کے تتمے ہیں مگر جوں کہ

[لہ] ہر ایک نماز کے وقت (لباس وغیرہ سے) اپنے تئیں آراستہ کر لیا کرو - ۱۲

ہم کو مولویوں نے زہد و ترکِ دنیا سکھا کر اور متعصب بنا کر بے مقدور کر دیا ہی ہم سے بن نہیں پڑتے۔ اسلام ہی تو مولوی بھی ہیں اور اسلام نہیں تو مولویوں کو لے کر کیا چاٹنا ہی۔ مولوی بیچارے کس گنتی میں ہیں جب کہ خود پیغمبرِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں خدا فرماتا ہی وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ اَفَاِئِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰى اَعْقَابِكُمْ وَمَنْ يَّنْقَلِبْ عَلٰى عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَّضُرَّ اللّٰهَ شَيْئًا ١ؕ

ای فلک دیکھ اب سنبھل جانا کہ آخر کار ہم
زندگی سے تنگ آکر یا خدا کہنے کو ہیں

گر مدینے جائیو تو ہم سے مل کر جائیو!
ہم بھی کچھ پیغام ای بادِ صبا کہنے کو ہیں

وہ رسولِ ہاشمی جو اُس جگہ مدفون ہیں
اُن کی روحِ پاک کو صلِّ علیٰ کہنے کو ہیں

پھر بصد عجز و ادب تیری زبانی ای صبا
اُن کی خدمت میں یہ عرض و التجا کہنے کو ہیں

اتنا کہہ دینا کہ گو ہم تیرے کہنے میں نہیں
پھر بھی ہم تیرے امامِ اتقیا کہنے کو ہیں

دولت اور عزت حکومت شان و شوکت سلطنت
کھو کے سب کچھ زندہ اب ہم بے حیا کہنے کو ہیں

یہ تو حالت ہی اور اس پر دشمن از راہِ حسد
یا بُرا کرنے کو ہیں اور یا بُرا کہنے کو ہیں

رحمۃٌ للعالمیں کیجے دعا بہرِ خدا
حاملانِ عرش آمینِ دعا کہنے کو ہیں

کتنی چیزیں ہیں کہ خارج میں نہیں اُن کا وجود
جیسے عنقا و ہما و کیمیا کہنے کو ہیں

آدمی کی عادتوں میں بھی علیٰ ہذا القیاس
اتحاد و اُلفت و مہر و وفا کہنے کو ہیں

مدعی بن کر گواہی دیں گے مُنہ پر صاف صاف
پس یہ دست و پا ہمارے دست و پا کہنے کو ہیں

نظمِ قومی کی تو کچھ ہوتی نہیں لوگوں میں قدر
ہم بھی کوئی دن کو ایک اندر سبھا کہنے کو ہیں

١ اور محمد اس سے بڑھ کر اور کیا کہ ایک رسول ہیں اور بس ان سے پہلے (اور) بھی رسول ہو گزرے ہیں پس اگر (محمد اپنی موت سے) مرجائیں یا مارے جائیں تو کیا تم اپنے اُلٹے پیروں (کفر کی طرف) پھر لوٹ جاؤ گے اور جو اپنے اُلٹے پیروں (کفر کی طرف) لوٹ جائے گا وہ خدا کا تو کچھ بھی نہیں بگاڑ سکے گا۔ ١٢

اُس میں شوقِ وصل کی بے تابیاں لکھنے کو ہیں
جب پڑھی جائے گی یاروں میں غزل تب دیکھنا
کوئی لے بھی جائے ہم سے دل کہ قصّہ پاک ہو
نظم تنگی کر چلی اشعار بن پڑتے نہیں
سیداحمد خاں کو اُن کے ضبط و استقلال پر
عقل کو اُن کی سلیم اور رائے کو اُن کی صواب
گر مسلمانوں کو کشتی فرض کر لو فی المثل
وہ جو کالج ہی علی گڈھ میں اُسے ازراہِ فخر
علم کی ٹکسال ہی یہ جس نے لی اس کی سند
کوئی حاسد ہوا گر در پردہ اُس کے برخلاف
لوگ سُنتے سُنتے عاجز آ گئے بس کہہ چُکو

اُس میں وصفِ غمزہ و ناز و ادا کہنے کو ہیں
جتنے مُنہ ہیں اُن میں کتنے واہ وا کہنے کو ہیں
یہ حسینانِ جہاں بھی دل ربا کہنے کو ہیں
اور ابھی ہم کو بہت سے مدعا کہنے کو ہیں
آفرین و حبذا و مرحبا کہنے کو ہیں
اُن کے غور و فکر کو دور از خطا کہنے کو ہیں
ان کو کشتی کا مبارک ناخدا کہنے کو ہیں
ہم مسلمانوں کا قومی مدرسہ کہنے کو ہیں
ہم اِسی کو رائج الوقت اور کھرا کہنے کو ہیں
اُس کو ہم اسلام کا دشمن کھُلا کہنے کو ہیں
کب تلک کہنے کو ہیں اور تا کجا کہنے کو ہیں

اگرچہ مَیں میرٹھ کے نزدیکانِ بے بصر میں سے ہوں یعنی دلّی رہتا ہوں اور میرٹھ گویا دلّی کا ایک محلہ ہی اور با ایں قدرت مسلمانانِ میرٹھ کے تفصیلی حالات سے قریب قریب ویسا ہی ناواقف ہوں جیسا پشاور کے جیسا بنگالہ کے جیسا بمبئی کے جیسا مدراس کے مگر مَیں نے ایک کلّیہ بنا رکھا ہی اور اُس کی رو سے مسلمانوں کی نسبت ایک رائے قائم کر لیا کرتا ہوں ہند کے ہوں یا عرب کے روم کے ہوں یا شام کے افریقہ کے ہوں یا ایشیا کے یا یورپ کے یا امریکہ کے یا چین کے یا جاپان کے یا کسی دریافت ناشدہ جزیرے کے۔ یہ محل اس بحث کا نہیں ہی کہ کتنے جزئیات پر احاطہ کرنے سے آدمی کو کلیہ بنانے کا حق حاصل ہوتا ہی اتنا تو مسلمات سے ہی کہ آدمی جس کی زندگی محدود ہی۔ اور زندگی محدود ہی تو اُس کی معلومات بھی ضرور محدود ہی بدون اِس کے کہ تمام جزئیات پر احاطہ کرے اور تمام جزئیات پر تو وہ احاطہ کر ہی نہیں سکتا کلیئے بنایا کرتا ہی۔ مزید تشریح کے لیئے مَیں اِس کی ایک مثال دیتی

چاہتا ہوں۔ کلیات کی ہزاروں مثالیں ہیں مگر ہر پھر کر وہی یاد آتی ہی جو منطق کی کتابوں میں پڑھی تھی کُلّ حیوانٍ یَتحرّکُ فَکّہُ الاسفل عِندَ المَضغِ یا اِس کو چھوڑتا ہوں تو کل ا ب و کل ب ج کی طرف ذہن منتقل ہوتا ہی مگر آڈینس کی طبیعتوں کو ٹٹولتا ہوں تو یہ ہیں جدت پسند۔ اچھا تو ایک نئی مثال سہی۔ جتنی چیزیں اُوپر سے پھینکی جائیں وہ آخر کارِ کشش ثقل کی وجہ سے زمین پر گریں گی ایک کلیہ ہی۔ جنھوں نے انگریزی تعلیم پائی ہی وہ تو کہیں گے کہ سر آیزک نیوٹن کا بنایا ہوا ہی مگر ہمارے شمس العلما مولانا شبلی کہیں نہ کہیں سے اِس کا پتہ نکالیں گے کہ اِس کو ہاروں یا ماموں یا معتصم باللہ کے درباریوں میں سے کسی نے بنایا تھا۔ بہر کیف نیوٹن کا بنایا ہوا ہو یا کسی مسلمان فلسفی کا۔ کلیہ تو ہی اور آدمی کا بنایا ہوا بھی ہی۔ اور جس نے بنایا ہی اُس نے یقیناً تمام جزئیات کو نہیں دیکھا اور نہ وہ تمام جزئیات کو دیکھ سکتا تھا اور کلیہ بھی بنایا تو ایسا عام کہ وہ نہ صرف نظامِ شمسی میں جاری ہی بلکہ نظامِ عالم میں۔ اسی طرح مَیں نے بھی مسلمانوں کی نسبت ایک کُلّیہ بنا رکھا ہی اور اسی کلیہ کی بنیاد پر مَیں اُن مسلمانوں کی نسبت ایک رائے قائم کر لیا کرتا ہوں جن کو مَیں نے نہیں دیکھا۔ مَیں بے دیکھے مسلمانوں کی نسبت بھی سمجھ لیتا ہوں کہ وہ دوسری قوموں کے مقابلے میں بے دولت ہوں گے اِلّا ماشاءَ اللہ[۱] بے ہنر ہوں گے اِلّا ماشاءَ اللہ بد لیاقت ہوں گے اِلّا ماشاءَ اللہ یعنی دوسرے دولت مند ساہوکار ہوں گے اور یہ اُن کے قرض دار اور دست نگر۔ وہ زمیندار ہوں گے یہ کاشت کار اور کاشت کار بھی غیر موروثی یا شکمی۔ وہ سوداگر ہوں گے محتاج الیہ یہ خوش باش ہوں گے محتاج۔ وہ شاید برسرِ حکومت ہوں گے یہ محکوم۔ وہ شاید بی۔ اے۔ ایم۔ اے ہوں گے۔ انھوں نے یا تو کچھ نہ پڑھا ہوگا یا پڑھا ہوگا تو وہی دیسی مکتب میں اور مقدور ہوا تو گھر پر پرانے کھوسٹ میاں جی سے محمود نامہ کریما۔ مامقیماں۔ دستور الصبیان اور وہ بھی اُس خاص لَے سے جس کی نقل تیور سے بَرس

---

[۱] ہر حیوان چباتے وقت نیچے کا جبڑا ہلاتا ہی۔ ۱۲ [۲] مگر شاذ و نادر۔ ۱۲

اسی کانفرنس کے تھیئٹر میں آنریبل سید محمود نے کی تھی۔ ابتدائی تعلیم تو میری بھی اسی طرز پر ہوئی تھی مگر تعجب ہے کہ وہ لَے سید محمود کو تو ایسی یاد رہی کہ نقل کو سُن کر اصل کا سماں آنکھوں میں پھر گیا تھا اور مجھ کو ایسی بھولی کہ نقل کا قصد کرتا ہوں تو اُن سُروں میں آواز ہی نہیں نکلتی۔ مسلمانوں کی نسبت جو میں نے کلیہ بنا رکھا ہے وہ قوم من حیثُ القوم کے اعتبار سے بنا رکھا ہے۔ کیا کریں یہی عربی زبان کی ترکیبیں زبان پر چڑھی ہوئی ہیں معلوم ہے کہ قوم مِنْ حَیثُ القوم کو بعض نے نہ سمجھا ہوگا۔ اچھا تو بھائی نیشن ایز اے نیشن سہی۔ بہرکیف مسلمانوں کی نسبت جو میں نے کلیہ بنا رکھا ہے وہ نیشن ایز اے نیشن کے اعتبار سے بنا رکھا ہے ورنہ جزئیات پر نظر کی جائے تو اس میں مستثنیات بھی ہیں اور اسی لیے میں نے کہا تھا کہ مسلمان دوسری قوموں کے مقابلے میں بے دولت ہوں گے اِلَّامَاشَاءَ اللہ بے ہنر ہوں گے اِلَّامَاشَاءَ اللہ بدلیاقت ہوں گے اِلَّامَاشَاءَ اللہ اور میں امید کرتا ہوں کہ آڈینس کے کل حضرات اِلَّامَاشَاءَ اللہ میں ہیں لیکن اِلَّامَاشَاءَ اللہ سے اُس کلیہ کے عموم میں کچھ فرق آتا نہیں۔ لِلْاَکْثَرِ حُکْمُ الْکُلِّ[1] دولت حکومت لیاقت جہاں اور ذرائع عزت کے ہیں اُن میں دی لاسٹ دو ناٹ دی لیسٹ[2] قومی تعزز بھی ہے میں نے حال میں ایک رئیس کو دیکھا ہے کہ وہ ایک اپنے ملازم انگریز کو ساتھ ساتھ لیے پھرتے تھے نہ اس لیے کہ ہمہ وقت اُن کو اُس سے مشورہ کرنے کی ضرورت ہوتی تھی بلکہ اس لیے اور صرف اسی لیے کہ اُس کے ساتھ رکھنے سے لوگ اُن کو وقعت کی نگاہ سے دیکھیں اور اُن کا یہ خیال اپنی جگہ صحیح بھی تھا۔ بلکہ ہندوستانی ریاستوں میں جو انگریز دخیل ہوگئے ہیں کہ کوئی پرائیوٹ سکرٹری ہے کوئی ڈاکٹر ہے کوئی انجینیر ہے کوئی کچھ ہے کوئی کچھ ہے اُن کی مداخلت اپنے ہنر کی وجہ سے تو ہے ہی مگر کم و بیش شائبہ اُس خیال کا بھی ضرور ہے۔ کلیہ جو میں نے مسلمانوں کی نسبت بنا رکھا ہے جب وہ مسلمانوں کا پیچھا نہیں چھوڑتا تاکہ جہاں مسلمان ہیں بے دولتی

[1] کثرت پر کُل کا اطلاق ہوتا ہے۔ ۱۲ [2] گو سب سے آخر تو ضرور ہے مگر کسی سے کم بھی نہیں۔ ۱۲

بدلیاقتی اُن کے ساتھ ہی تو مَیں بھی آج اچھی طرح اُس کی روئی دُھنکنی چاہتا ہوں۔ دیکھنا یہ ہی کہ مسلمانوں کو جو بے دولتی بے ہنری بدلیاقتی لازم ہوگئی ہی اس کی وجہ کیا ہی۔ یہ لزوم بِعَینہٖ ہی یا بِغَیرِہٖ۔ یہ ایک منطق کا مسئلہ ہی اور ایک مثال سے خوب سمجھ میں آئے گا۔ مگر منطق کا نام سُن کر گھبرانا نہیں کل اب و کل ب ج سے میری خود طبیعت اُلجھتی ہی بِعَینہٖ و بِغَیرِہٖ کی ایک بحث اُصول فقہ میں بھی آتی ہی کہ اسلامی شریعت میں شراب اور سور دونوں حرام ہیں اِس لیے کہ خبائث میں سے ہیں اور شارع علیہ السلام کی نسبت ارشاد ہوا ہی یُحِلُّ لَھُمُ الطَّیِّبٰتُ وَ یُحَرِّمُ عَلَیْھِمُ الْخَبَآئِثُ یعنی ان میں ذاتی خبث تھا۔ جو اِن کی حرمت کا باعث ہوا نہ یہ کہ حرام ہوئے پیچھے ان میں خبث پیدا ہوگیا۔ ہم لوگ تو اکثر شہر کے گنجان مواقع میں رہتے ہیں اور بات صاف یہ ہی کہ سینی ٹیشن[1] و ِنٹلیشن[2] ڈرینج[3] اِس قسم کی باتوں کا ہم لوگوں میں بچار بھی کم ہی اس پر بھی طبیعت ہی کہ شراب اور سور کے نام سے نفرت کرتی ہی نہ اِس وجہ سے کہ مذہباً حرام ہیں بلکہ ان کی فضیحت جو آنکھوں سے دیکھی ہی اور اِن کے خباثت کا خیال ذہن میں ایسا راسخ ہوگیا ہی کہ کسی طرح دور نہیں ہوسکتا۔ بہت کم لوگ ہوں گے جنہوں نے شراب اور بدجانور کی فضیحتوں کو نہ دیکھا ہو۔ سب مرزا **نوشاہ** تو نہیں ہیں آپ لوگ تعجب کریں گے کہ کون مرزا نوشاہ اور یہاں اُن کا کیا مذکور۔ مرزا نوشاہ عرفی نام ہی **اسد اللہ خان** غالب کا۔ اُنہوں نے بڑی زور کی مثنوی لکھی تھی مجھ کو اُس کا نام یاد نہیں۔ مثنوی میں ایک واہی تباہی فرضی قصہ ہی جس کا نہ کچھ حاصل نہ کچھ حصول۔ اگر غالب کا زورِ کلام نہ ہو تو کوئی اُس مثنوی کی طرف آنکھ اُٹھا کر بھی نہ دیکھے۔ کوئی عورت کسی کی بد دعا سے بدجانور بن گئی ہی۔ اُس کی حالت کو مرزا صاحب بیان فرماتے ہیں ؎

| | | | |
|---|---|---|---|
| خوک شد و پنجہ زدن ساز کرد | | باسر و روع بدہ آغاز کرد | |

[1] حفظانِ صحت۔ ۱۲ [2] ہوائی آمد و رفت۔ کشادگی۔ ۱۲ [3] نالی۔ موری۔ ۱۲

مرزا صاحب جن دنوں کلکتے گئے تھے مشاعرے کی مجالس ان کی وجہ سے خوب گرم ہو گئیں تھیں پھر خدا جانے کس بات پر کلکتے کے لوگ اُن کے مخالف ہو گئے اور مرزا نے اہلِ کلکتہ کی شان میں مثنوی بادِ مخالف لکھی اور ایک مجمع میں اُس کے چند شعر پڑھ کر سنائے اور مثنوی کا نام ظاہر کیا تو مخالفین میں سے ایک شخص بول اُٹھا "یکے را از بزرگاں بادِ مخالف در شکم پیچید" اِس پر سب لوگ ہنس پڑے اور مرزا صاحب کو بڑی خفت ہوئی۔ اسی مخالفت کی تقریب سے مرزا صاحب کا نیا پرانا کلام پھندوڑا گیا تو کسی نے "خوک شد و پنجہ زدن ساز کرد" پر بھی اعتراض جڑ دیا کہ خوک پنجہ ندارد۔ مرزا صاحب کیا چُپ ہونے والے تھے بولے کہ بھئی میری اتنی عمر ہونے آئی ایک یا دو بار میں نے اِس بدجانور کو دور سے دیکھا ہے اور میں نے یہی سمجھا ہے کہ اِس کے پنجے ہوں گے اگر تم میں سے کسی نے پالے ہوں اور اُس کو تحقیق ہو کہ پنجے نہیں ہوتے تو میری غلطی کی اصلاح کر لے مگر میں اپنے شعر میں کسی طرح کی تبدیلی نہیں کروں گا۔ مجھ کو تو اپنی بے معرفتی پر ناز ہے۔ غرض یہ ہے کہ مرزا نوشہ جو شاعری کے علاوہ مزاج کی نفاست بھی رکھتے تھے اِس گندے اور خبیث جانور سے اس قدر نفور تھے کہ اُس کے حالات کی تفتیش بھی اُن کو گوارا نہ تھی۔ سخت تعجب ہے اُن لوگوں پر جو ستھرائی اور لطافت و نفاست کا تو دعویٰ کرتے۔ یہاں تک کہ ہاتھ سے کھانے کو بھی مکروہ سمجھتے ہیں اور اُم الخبائث شراب اور اخبث الخبائث سور سے اُن کو گھن نہیں آتی حکیمانہ دلائل سے تو وہی سمجھیں جن کو خدا نے اُن کے سمجھنے کی عقل دی ہے ہم تو ایسی ہی چھوٹی چھوٹی باتوں سے اسلام کی گرویدہ ہو رہے ہیں۔ مثالوں ہی سے مطلب خوب ذہن نشین ہوتا ہے اور مثالیں بھی وہ جو اپنے اوپر گزری ہوں۔ میں گورکھپور میں ڈپٹی کلکٹر تھا اور ایک تھے مسٹر ایلیٹ نہیں معلوم اب سروس میں ہیں یا پنشن لے کر ولایت چلے گئے۔ شہر کی صفائی مسٹر ایلیٹ کے سپرد تھی وہ رخصت پر جانے لگے تو صفائی کا چارج مجھ کو دے گئے اُن کی غیبت میں گورمنٹ سے ایک انگریزی کتاب آئی وہ رپورٹ تھی ایک کمیشن کی جو اِس

بات کی تحقیق کے لئے شاید پیرس میں بیٹھا تھا کہ سلب عفونت کی سب سے بہتر کیا تدبیر ہی۔ بس اہلِ یورپ کی ترقی کا یہ اصل گرہی کہ یہ لوگ تحقیق کے بادشاہ ہیں۔ اس کمیشن کے ممبروں نے چین و جاپان اور یورپ اور ایشیا اور افریقہ اور امریکہ غرض تمام روے زمین کے شہروں کا دورہ کرکے دریافت کیا کہ کس ملک کے لوگ سلب عفونت کی کیا تدبیر عمل میں لاتے ہیں اور پھر سب ممبر پیرس میں جمع ہوئے اور شاید برسوں اُن میں مباحثے ہوتے رہے آخرِ کار یہ قرار پایا کہ سلب عفونت کے لئے مٹی سے بہتر کوئی چیز نہیں۔ یہ کتاب صاحب کلکٹر نے دیکھنے کے لئے مجھ کو دی اس لئے کہ صفائی سے متعلق تھی اور صفائی کا چارج اُن دنوں میرے ہاتھ میں تھا۔ چند روز بعد صاحب کلکٹر نے مجھ سے پوچھا کہ اُس کتاب میں کام کی کوئی نئی بات بھی تم نے پائی۔ مَیں نے کہا کہ کام کی بات پائی مگر نئی نہیں۔ صاحب کلکٹر نے میرے اِس کہنے پر تعجب کیا تو مَیں نے اُن کو سمجھا دیا کہ جو بات اِس کمیشن نے برسوں کی کاوش کے بعد دریافت کی پیغمبر اسلام تیرہ سو برس پہلے وہی بات ہم کو سکھا گئے ہیں کہ مٹی ہمارے ہاں طاہر اور طہور ہی اور عذر کی صورت میں وضو اور غسل کے قائم مقام ہوتی ہی۔ بات کہاں سے کہاں جا پڑی۔ میں شراب اور بدجانور کی حُرمت کے متعلق اُصولِ فقہ کا ایک مسئلہ بیان کرنے کو تھا۔ سو بدجانور کی حُرمت کے بارے میں تو وہی ایک آیت ہی حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِيرِ[۱] ابھی عطف چلا جاتا ہی اور اِس کے آگے اَور بھی محرمات ہیں مگر مَیں نے اُن کو قصداً چھوڑ دیا ہی کہ اُن میں منخنقہ بھی ہی ایسا نہ ہو کہ سید کا کوئی معتقد منخنقہ کا نام سُن کر کہے کہ دیکھو یہ نالایق گستاخ اشارے کنائے کیئے بدون نہیں رہتا حالاں کہ اشارے کنائے کیسے۔ مَیں تو سر سید کا بہت ہی ادب کرتا ہوں اور یہ الناہی کا ادب تو ہی کہ لوگ ناحق مجھ کو نیچریت کے ساتھ متہم بھی کرتے ہیں اور مَیں ہر سال بلا عذر حاضر ہو جاتا

[۱] مرا ہوا (جانور) لہو اور سور کا گوشت یہ سب چیزیں تم پر حرام کر دی گئیں۔ ۱۲

ہوں - ادب کے یہ معنی تو نہیں ہیں کہ دین کی کسی بات میں سر سید کو برسرِ غلط سمجھوں اور ہاں میں ہاں ملائے جاؤں اور سر سید مجھ ہی سے نہیں بلکہ کسی سے بھی ایسے ادب کے طالب نہیں - اِن کی یہی تو صفت ہی جس کے ہم گرویدہ ہو رہے ہیں - لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ ہم اِن کے چیلے یا حواری ہیں سید احمد خاں تو رہے اپنی جگہ دنیا میں سب سے بڑھ کر ادب ماں باپ کا سو اُن کی نسبت بھی خدا نے فرما دیا ہی وَاِنْ جَاهَدَاكَ عَلَىٰٓ اَنْ تُشْرِكَ بِیْ مَا لَیْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا وَصَاحِبْهُمَا فِی الدُّنْیَا مَعْرُوْفًا [۱] پس سید احمد خاں کے ساتھ ہم لوگوں کا میں جول بھی صَاحِبْهُمَا فِی الدُّنْیَا مَعْرُوْفًا کے طور کا ہی اور بس - خیر تو بد جانور کی حرمت کے بارے میں تو وہی ایک آیت ہی حُرِّمَتْ عَلَیْكُمُ الْمَیْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِیْرِ مگر شراب کی حُرمت کا اور حال ہی کہ وہ ایک دم سے حرام نہیں ہوئی - لوگ اُس کے پینے کے ایسے خوگر ہو رہے تھے کہ گویا اُن کی گھٹی میں داخل تھی اگر ایک دم سے حرام کر دی جاتی تو لوگ تعمیلِ حکم نہ کرتے اور نہ کر سکتے - سوچنے والا ہو تو قدم قدم پر اسلام کی خوبی اور صداقت کا پتہ لگتا ہی - اسلام طلبِ محال نہیں کرتا اور گورمنٹ بھی تو اُنھیں اُصول پر عمل کرتی ہی - یعنی اُس کا مقصودِ اصلی یہ ہی کہ مسکرات کا استعمال کم ہو تو اُس کے لیئے وہ پیچ کستی چلی جاتی ہی مگر یہ نہیں کرتی کہ نشہ کے استعمال کو ایک دم سے جرم ٹھیرا دے اگر ایسا کرے تو نشہ کا استعمال تو کیا رُک سکتا ہی مگر علیٰ زعمِ المطلوب چوری اور خفیہ فروشی بڑھ جائے - اِسی طرح اگر شراب ایک دم سے حرام کر دی جاتی تو لوگ ہرگز باز نہ آتے اور حُکمِ خدا کی بے حرمتی ہوتی اور ایسا نادر شاہی حکم کتاب میں لکھنے یا صرف تلاوت کے لیئے ہوتا نہ تعمیل کے لیئے - اور مذہبوں میں ہم ایسے بہت سے

[۱] اور اگر تیرے ماں باپ تجھ کو (اِس بات) پر مجبور کریں کہ تو ہمارے ساتھ (کسی کو) شریک (خدائی) بنائے جس کی تیرے پاس کوئی دلیل ہی ہی نہیں تو (اس میں) اُن کا کہنا نہ ماننا (مگر) ہاں دنیا میں سعادت مندانہ اُن کی رفاقت کر - ۱۲

نقص پاتے ہیں۔ اور اگر ان کو گنوانے پر آؤں تو کانفرنس کی مدت میں توسیع کرنی پڑے
بہر کیف خدا کو شراب کا حرام کرنا منظور ہوا تو اُس کی مذمتیں آلی شروع ہوئیں پہلے فرمایا
[۱] یَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ قُلْ فِيْهِمَا إِثْمٌ كَبِيْرٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ فِيْهِمَا إِثْمٌ
كَبِيْرٌ کھلی مذمت ہی مگر مَنَافِعُ لِلنَّاسِ من وجہ مدح بھی ہی پھر فرمایا [۲] لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَ
اَنْتُمْ سُكَارٰى حَتّٰى تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ اِس میں شراب کی مذمت ہی مذمت ہی مگر اس
طرح پر کہ نشے کی حالت میں نماز نہ پڑھو یعنی نشہ ایسی بُری چیز ہی کہ وہ بندے کو نا قابلِ
عبادت کر دیتا ہی اور وہ خدا کو مُنہ دکھانے کے لایق نہیں رہتا۔
اِن باتوں سے تاڑنے والے تو تاڑ گئے تھے کہ کوئی دن جاتا ہی کہ شراب کی حُرمت نازل
ہونے والی ہی چنانچہ حضرت عمرؓ کی نسبت لکھا ہی کہ اُنھوں نے اُکتا کر دعا کی تھی [۳] اَللّٰهُمَّ
بَيِّنْ لَنَا فِي الْخَمْرِ بَيَانًا شَافِيًا یہاں تک کہ سورۂ مائدہ کی وہ آیت نازل ہوئی [۴] يٰۤاَيُّهَا
الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ
فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ اِنَّمَا يُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّوْقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَ
الْبَغْضَآءَ فِي الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ وَيَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَعَنِ الصَّلٰوةِ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ

---

[۱] (اے پیغمبر۔ لوگ) تم سے شراب اور جوے کے بارے میں دریافت کرتے ہیں (ان لوگوں سے) کہہ دو کہ ان دونوں (چیزوں) میں بڑا گناہ ہی اور لوگوں کے (کچھ) فائدے بھی ہیں۔ ۱۲

[۲] جب تم نشے کی حالت میں ہو تو نماز کے پاس بھی نہ جانا۔ ۱۲

[۳] اے اللہ تعالیٰ شراب کی بابت تو ہم سے صاف صاف (احکام) بیان کر دے۔ ۱۲

[۴] مسلمانو! شراب اور جوا اور بُت اور پانسے (ان میں کا ہر ایک کام) تو بس ناپاک شیطانی کام ہی تو اس سے بچتے رہو تاکہ تم فلاح پاؤ۔ شیطان تو بس یہی چاہتا ہی کہ شراب اور جوے کی وجہ سے تمھارے آپس میں دشمنی اور بغض ڈلوا دے اور تم کو یادِ الٰہی سے اور نماز سے باز رکھے تو کیا (شیطان کے مکر پر اطلاع پائے پیچھے) اب بھی تم باز آؤ گے (یا نہیں)۔ ۱۲

جب لوگوں کو شراب کی برائیاں سُنا سُنا کر نفور کرلیا تب فرمایا فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ اور لوگ بول اُٹھے[1] اِنْتَهَيْنَا اِنْتَهَيْنَا اور اِنْتَهَيْنَا اِنْتَهَيْنَا صرف مُنہ سے نہیں کہا کہ مُنہ سے کہنا اور تلاوت کرنا برابر بلکہ جس دن یہ آیت نازل ہوئی برسوں کی ذخیرہ کی ہوئی پُرانی پُرانی شرابیں مدینے کے گلی کوچوں میں بہی بہی پھرتی تھیں۔ شراب اور بد جانور دونوں چیزیں حرام ٹھیریں تو اب فقہا نے یہ بحث نکالی کہ یہ حرمت لِغَیْرِہٖ ہی یا لِعَیْنِہٖ اور یہ فیصلہ کیا کہ بد جانور کی حرمت تو لِعَیْنِہٖ ہی کہ کچھ بھی کرو وہ نجس العین ہی حرام ہی رہتا ہی اور شراب کو کہا کہ اس کی حُرمت نشہ کی وجہ سے ہی اور لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوۃَ وَاَنْتُمْ سُکَارٰی سے اس کا پتہ بھی چلتا ہی تو اگر کسی تدبیر سے شراب کا نشہ سلب کرلیا جاے تو اس کا پینا روا ہی کیوں کہ نشہ سلب ہوئے پیچھے شراب کا سرکہ بن جاتا ہی۔ شراب کا سرکہ بنا لینے کے کئی نسخے ہیں مگر مَیں اُن کو بیان نہیں کروں گا ورنہ لوگوں کو حیلۂ شرعی ہاتھ آجائے کہ مسلمان ہوکر تمھاری الماری میں شراب کی بوتل کیسی اور تم ٹکا سا جواب دو کہ سرکہ بنانے کے لیئے رکھی ہی مگر خیر ایک نسخہ بتاتا ہوں کہ تم کو ایسا حیلہ کرنے کا موقع ہی نہ ملے اور یہ ایجاد فقیر ہی۔ ایک شخص کے کان میں کسی طرح کا روگ تھا اور وہ اکثر تنکے وغیرہ سے کان کو کھجاتا تھا کئی دفعہ اُس نے کان کو اندر سے زخمی بھی کرلیا تھا اور طبیب کو اُس کے کان کی اصلاح میں بڑی مشکل پیش آئی تھی۔ کھجاتے کھجاتے کچھ اُس شخص کی عادت بھی پڑگئی تھی کہ بلا ضرورت بھی کان کے پیچھے پڑا رہتا۔ آخر اُس نے ایک بار طبیب سے پوچھا کہ کان کے کھجانے کا کوئی محفوظ طریقہ بتا دیجئے۔ طبیب نے کہا نہایت آسان اور بالکل محفوظ۔ جب تم کو ضرورت ہوا کرے کُہنی سے کان کھجا لیا کرو۔ قریب قریب اِسی طرح کا نسخہ شراب کے سرکہ بنانے کا مجھے معلوم ہی کہ جب تم کو سرکہ بنانا ہو تو بوتل کی ڈاٹ کھول زمین پر گرا دیا کرو بڑا عمدہ سرکہ بن جائے گا۔ مَیں مسائل شرعی بیان کرنے کو تو کھڑا ہوا نہیں۔ تھوڑی دیر بعد آپ صاحبوں کو معلوم ہو جائے گا کہ کس ضرورت سے

[1] ہم باز آئے ہم باز آئے۔ ۱۲

میں نے اتنا بھی کہا مگر کہا تو اس کے متعلق ایک بات اور ہی لاؤ اُس کو بھی کہہ گزروں۔ برسوں کیا پیڑھیوں کی عادتوں کا چھڑانا رسم و رواج کا اُٹھانا جمے ہوئے خیالات کا بدلنا آسان کام نہیں۔ جیسی جیسی دشواریاں اِس میں پیش آتی ہیں اور جیسی جیسی پیش بندیاں کرنی پڑتی ہیں اُن کو کوئی سید احمد خاں کے دل سے پوچھے کہ اِنھوں نے یہہ تلخیاں کھینچیں اور پھر انھوں نے نہ تو عرب جیسے چیونٹی بھرے کبابوں کا بیڑا اُٹھایا اور نہ اِن کو اُن جیسے اکھّڑ لوگوں سے معاملہ پڑا اگر کہیں ہندوستان کے مسلمان خدانخواستہ اُن جیسے بے باک ہوتے تو اپنے زعم میں سید احمد خاں کو کبھی کا جہنّم واصل کر چکے ہوتے تاہم اِن ہی کا جگرا ہی کہ اُن مصیبتوں کو جھیلا اور جھیل رہے ہیں۔ بھلا یہ بھی کوئی بات میں بات ہی کہ مسلمانو تمھاری دنیاوی حالت بہت خستہ اور شکستہ اور خراب ہوگئی ہی اور یوماً فیوماً ہوتی چلی جارہی ہی اور تمھاری خستگی اور شکستگی اور خرابی کی وجہ سے اسلام ضعیف ہوگیا اور ہوتا چلا جارہا ہی خدا کے لئے اپنے تئیں سنبھالو اور اسلام کے تئیں سنبھالو اور کیوں کر سنبھالو تمھارے سامنے انگریزوں کے نمونے موجود ہیں اُن کے ربط و ضبط دیکھو اُن کے انتظام دیکھو اُن کے ہنر دیکھو اُن کے سلیقے دیکھو اُن کی صنّاعی دیکھو اُن کی حکمت دیکھو اُن کی ہمت دیکھو کہ ایک چپّے بھر جزیرے کے رہنے والے اور جزیرہ بھی ایسا منحوس کہ نیچر نے موسم کے اعتبار سے آب و ہوا کے اعتبار سے پیداوار کے اعتبار سے اِن کے ساتھ بہتیرا ہی جل کیا مگر اُنھوں نے اپنی تدبیر سے نیچر کو مغلوب کر کے ہی چھوڑا۔ سمندر تو ان کے لئے شیر مادر تھا ہی۔ خشکی میں ایسے پھیلے ایسے پھیلے کہ ربع مسکوں کے اکثر حصّے پر چھا گئے ایشیا کی جان ہندوستان تو نکال ہی چکے روم پر دانت ہی چین و جاپان میں اپنی ٹانگ اڑا ہی رکھی ہی افریقہ کا تکّا بوٹی ہوا سمجھو تو پھر اب رہ ہی کیا گیا۔ صد رحمت ان کی سپوتی ماں پر کہ کیسے بیٹے جنے ہیں کہ واہ رے واہ تو بھائیو! (ابھی سید احمد خاں کا مقولہ چلا جاتا ہی) تمھارے سامنے انگریزوں کے نمونے موجود ہیں ابھی کی سو برس گزرے کہ جانوروں کی طرح زندگی بسر کرتے تھے ہم ہی سے سیکھے

اور ہم ہی کو لگے منہ چڑانے تو ان کے نمونوں کو پیش نظر رکھ کر جو انھوں نے کیا ہی وہ تم بھی کرو۔ کوئی اور سری کا ہو تو چڑائے چھپائے بتانے میں مضایقہ کرے مگر یہ بیچارے تو ایسے بھلے مانس ہیں خدا کرے جیتے رہیں اور ہمارے حاکم بھی رہیں کہ اپنی ترقی کے سارے بھید کا ڈھنڈورا پیٹ دیا وہ بھید کیا تھا تعلیم۔ بس چلو سید احمد خاں کا مشن تمام ہوا۔ یعنی یہ اتنا ہی چاہتے ہیں اور وہ بھی اپنے ذاتی فائدے کے لئے نہیں بلکہ خود مسلمانوں ہی کے فائدے کے لئے کہ مسلمان وہ علم حاصل کریں جس سے انگریز اس قدر بڑھ چڑھ گئے اور صرف زبانی جمع خرچ نہیں بلکہ سو جتن کرکے علی گڈھ محمدن کالج سے اُس تعلیم کا سامان بھی مہیا کر دیا اور ایسا مہیا کر دیا کہ جو لوگ اِس کے مبصر ہیں یعنی یہی انگریز اُس کا لوہا مان گئے۔ یہ شخص خضر ہی اور قوم سکندر۔ خضر نے سکندر کو چشمۂ آب حیات کے کنارے لا کھڑا کیا۔ اب سکندر ہی نہ پیئے تو سکندر کی قسمت۔ سکندر کی قسمت میں تو مرنا لکھا تھا وہ پیتا ہی کیوں۔ اسی طرح مسلمانوں کو تو تباہ ہونا ہی برباد ہونا ہی دوسری قوں کی غلامی کرنی ہی دوسری قوموں کی جوتیاں کھانی ہیں یہ علی گڈھ کالج کی طرف کیوں رُخ کریں۔ اوّل تو ان کا اسلام اِن کو یہ نئی پڑھائی پڑھنے نہیں دیتا اور کچھ قدرے قلیل برائے نام پڑھتے بھی ہیں تو پادریوں کے مدرسوں میں جن کی اصلی غرض دینِ عیسوی کی اشاعت ہی یا گورمنٹ کے مدرسوں میں کہ وہاں دین و مذہب سے بحث نہیں۔ تربیت کی طرف مطلق توجہ نہیں اور تعلیم بے تربیت ایسی ہی نامفید ہی جیسے آرمی وِدوٗٹ ڈِس سِپلِن یعنی بے قواعد کی فوج۔ اور کانگریس نے گورمنٹ کو تعلیم بے تربیت کے نتیجے دکھا بھی دیئے۔ تعلیم بے تربیت گورمنٹ کی غلطی تھی اور اُس کو اپنی غلطی کا خمیازہ بھگتنا ہوگا۔ رہے پادریوں کے مدرسے ہم کو پادریوں سے خصومت نہیں عداوت نہیں اور ہم تو اِس خیال کے آدمی ہیں کہ اگر انگریزی تعلیم صرف پادریوں کے ہاتھ میں ہوتی تو ہم مسلمانوں سے کہتے کہ مشن اسکول کیسے گرجا میں لے جا کر انگریزی پڑھائیں تو پڑھو۔ لیکن ہاں مسلمانوں

سے اِس بات کی شکایت ضرور ہی کہ کن مصیبتوں سے اِن مسلمانوں کے لیۓ علی گڈھ کالج کا باغ لگایا گیا جب خدا خدا کر کے اُس میں پھل لگے اور پھل بھی لگے تو ایسے کہ ماشاء اللہ اِن کا جواب نہیں تو مسلمان ہیں کہ بے اصل بدگمانیوں کی وجہ سے جھڑبیری کے بیر کھاتے ہیں اور ولایتی انگور نہیں کھاتے۔ اب فرماؤ۔ اور انصاف سے فرماؤ کہ جس مالی نے تمھاری خاطر اِس باغ کے پیچھے اپنا پسینہ اور خون ایک کر دیا ہی اُس کا دِل جلے یا نہ جلے۔ بہانے تو دیکھو کہ مذہب میں خلل آتا ہی۔ اللہ رے تمھارے مذہب ابھی پچھلے برس دلّی کے چند مسلمانوں میں آمین بالجہر پر لاٹھی چلی تھی کتنوں کے سر پھوٹے کتنے زخمی ہوۓ فریقین سے جرمانے اور مچلکے لیۓ گیۓ چیف کورٹ تک مقدمے لڑے ہزاروں روپے خرچ ہوۓ اور کچھ معلوم ہی کہ یہ لڑنے والے کیسے نمازی تھے بعض نماز کے تو نہیں مگر قضا کے صاحب ترتیب تھے یعنی اُنھوں نے کبھی گنڈے دار بھی نہیں پڑھی جس سے قضا کی ترتیب میں فرق آئے۔ اور اگر فی الواقع علی گڈھ کالج میں پڑھنے سے مذہب میں فرق آتا ہی تو نفس انگریزی کی وجہ سے آتا ہو گا ورنہ یوں تو وہاں نماز کی بھی تاکید ہی۔ لڑکوں سے رمضان کے روزے بھی رکھوائے جاتے ہیں۔ اب یہ شیطانی لشکر نماز کو بے وضو پڑھتا ہو یا سحری اور افطاری کے لالچ سے روزہ دار بنتے اور وضو کرتے میں کُلّیاں پی جاتے ہوں تو سید احمد خاں اِس کو کیا کر لیں اور کیوں کر یقین ہی کہ گھروں میں لڑکے ایسا پاجی پن نہیں کرتے۔ چھوٹی عمر میں میں نے آپ کیا ہی۔ مذہب میں جو کچھ خلل نفس انگریزی کی وجہ سے آتا ہی اُس میں علی گڈھ کالج کی تو کچھ خطا ہی نہیں۔ وہ کہیں بھی ہو اور کسی جگہ بھی ہو علی گڈھ کالج سے بڑھ کر خلل انداز ہو گی یہاں تو مذہب کی کچھ روک تھام ہی۔ واے اُن مسلمانوں کے مذہب پر جو ایسا چھوئی مُوئی اسلام رکھتے ہیں کہ انگریزی کی بھاپ لگی اور مُرجھایا۔ اور پڑھتے ہیں کہاں مشن کے مدرسوں میں یا گورنمنٹ کے مدرسوں میں کہ ایک کی بنا اسلام کی مخالفت پر ہی اور دوسرے کی لامذہبی پر کہ وہ نیوٹریلٹی کا دوسرا نام ہی۔ مذہب ہی کا خیال ہی تو ایک دن تم سے اِس کی بھی باز پُرس ضرور ہونی ہی کہ کیوں محمڈن کالج میں نہیں پڑھا اور کیوں مشن یا گورنمنٹ کالج کے اور مدرسوں میں پڑھا۔ اور پھر انگریزی تعلیم مذہب پر اپنا اثر ڈالتی ہی تو کون سا مذہب اِس کے اثر سے محفوظ

ہی۔ تو کیا مسلمانوں ہی کو اپنا مذہب عزیز ہی۔ اور دوسروں کو نہیں۔ مگر یوں کہو کہ مسلمان باؤلی محبت سے اپنے نقصان کے علاوہ خود مذہب کا بھی نقصان کر رہے ہیں حُبُّكَ الشَّيْءَ يُعْمِي وَيُصِمُّ[1] ایک عام قاعدہ ہی۔ اِس کی مثالیں حسب کثرت سے مسلمانوں میں پائی جاتی ہیں وہ اور قوموں میں کمتر ملیں گی۔ مثلاً اولاد کی محبّت ایک نیچرل بات ہی کہ جانور تک اِس سے مستثنیٰ نہیں مگر ایک محبّت تو ہماری محبّت ہی کہ اولاد کو بے ہنر اُٹھائیں کاہل اور بے مصرف اور ناشایستہ بنائیں۔ ایک لمحہ اُن کو اپنے سے جدا نہ کریں اور اپنے برتاؤ سے اُن پر ثابت کر دیں کہ وہ ہمارے لیئے شرطِ زندگی ہیں تاکہ اُن کو بدکرداریوں کی جرأت ہو اور خرابیاں اُن کی طبیعتوں میں راسخ ہو جائیں۔ اور ایک محبت انگریزوں کی ہی کہ ننھے ننھے بچّوں کو تعلیم کے لیئے ولایت بھیج دیتے ہیں۔ مَیں نے سُنا ہی اور بات ہی بھی قرینِ قیاس کہ ان میں بعض باپوں کو ایسے اتفاق بھی پیش آتے ہیں کہ ساری عمر اولاد کو دیکھنا نصیب نہیں ہوتا۔ مثلاً فرض کرو کہ باپ ہندوستان میں سویلین ہی گرمیوں میں میم صاحب نے پہاڑ پر جا کر بیٹا جنا پانچ یا حد درجہ چھ برس کی عمر تک ساتھ رکھا اور پھر ولایت چلتا کیا لڑکے نے وہاں امتحان پاس کیئے اور کسی دوسری کالونی[2] میں نوکری کر لی یا یہ لوگ ذو فنوں تو ہوتے ہی ہیں کوئی اور کام کھول بیٹھا نوکری یا کام کی پابندی کی وجہ سے باپ بیٹے کو جمع ہونے کا موقع نہ ملا یہاں تک کہ موت نے ابدی مفارقت کر دی اور مذہب کے بارے میں نری تعلیم انگریزی ناحق کے لیئے کیوں بدنام ہو سارے فسادات خود انگریزی عملداری کے ہیں کہ وہ چپکے چپکے مذہبوں کی جڑوں کو کھوکھلا کر رہی ہی ہم بچشمِ خود دیکھتے ہیں کہ جن لوگوں کو تعلیم سے واسطہ اور کچھ سروکار نہیں ہی وہ بھی تو روز بروز مذہب کی طرف سے بے پروائی کرتے چلے جاتے ہیں ہندو یا مسلمان کسی کے تہواروں میں اگلی سی رونق باقی رہی ہی۔ بلاشبہ یہ تیوہار یا ان کی اکثر رسمیں خود مذہب کی رو سے

[1] کسی چیز کی محبت آدمی کو اندھا اور گونگا کر دیتی ہی یعنی محبت کے آگے کچھ سوجھتا نہیں۔ ۱۲ [2] نو آبادی۔ ۱۲

بیہودہ تھیں مگر جو ان رسموں کو کرتے تھے وہ تو بیہودہ سمجھ کر نہیں کرتے تھے۔ دو تین گھڑی دن رہے سرِ بازار کھڑے ہو تو شاذونادر مجھ جیسے بڈھے ٹھڈّے پاؤگے جو پُرانی وضع کو نباہے جاتے ہیں ورنہ اگر پورے صاحب لوگ نہ ملیں گے تو کم سے کم سر پر گول ٹوپی ہوگی یا گلے میں کوٹ یا پاؤں میں بوٹ یا ہاتھ میں گُبڑی یا بلا ضرورت آنکھوں میں علینک پاکٹ میں گھڑی یا بٹنوں میں اُلجھی ہوئی نری چین یا کچھ بھی نہ ہوگا تو سیٹی تو ضرور بجاتا جاتا ہوگا۔ میرے پڑوس میں ایک غریب آدمی رہتا ہے اور وہ یکہ چلاتا ہے اور مجھ کو معلوم ہے کہ اُس نے کبھی کسی انگریز کی یا انگریزی آدمی کی نوکری نہیں کی بڑے سویرے وہ اپنے ٹٹو کو ملتا ہوتا ہے تو ٹٹو مارے گدگدی کے نچلا نہیں کھڑا رہ سکتا اور وہ اُس کو آیونائی[1] ڈکہہ کر ڈانٹتا ہے۔ کیا یہ باتیں انگریزی تعلیم کے نتیجے ہیں۔ نہیں انگریزی عملداری کے اور ابھی کیا ہے مصرع آگے آگے دیکھ تو ہوتا ہے کیا۔ اب بھی علی گڈھ کالج کی طرف سے تمہارا دل صاف ہوا یا نہیں۔ اس پر بھی کوئی شبہ باقی ہے تو اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن اب علی گڈھ کالج کا تذکرہ آگیا ہے تو عامۃ الورود ایک اعتراض اِس پر اور بھی ہے اُس سے کیوں سکوت کیا جائے۔ کہتے ہیں کہ علی گڈھ کالج امیروں کے لڑکوں کے لئے ہے اوّل تو ہمارا روئے سخن بھی امیروں ہی کی طرف ہے کہ یہ لوگ مقدور رکھ کر اپنے لڑکوں کو علی گڈھ کالج میں کیوں نہیں پڑھاتے۔ دوسرے مَیں نے علی گڈھ کالج کی پچھلی رپورٹ میں پڑھا کہ کالج چھ سو روپیہ مہینا غریب طالب علموں کے وظائف میں خرچ کرتا ہے۔ سارے ہندوستان میں کسی ایک کالج کا نشان دو جو غریبوں کی اتنی مدد کرتا ہو۔ علاوہ بریں کالج کی زمین سے تو روپیہ اُگتا نہیں اور نہ سید احمد خاں کیمیا گر ہیں اور نہ اُن کو دستِ غیب کا عمل آتا ہے اور ایسے بدعقیدہ آدمی کو ایسا عمل آنے ہی کیوں لگا پھر روپیہ آئے تو کہاں سے آئے۔ دیں نہ دیں امیر تو جہاں تک سید احمد خاں سے بن پڑا لیا اور لے رہے ہیں

[1] ارے او شریر-۱۲

اور لیں گے۔ اور کانفرنس وغیرہ سب پاکھنڈ اسی مطلب سے ہیں اگر اتنے سے غربا کا پیٹ نہیں بھرا اور واقعی نہیں بھرا تو غربا امیروں پر اپنا کوئی منتر چلائیں کہ تعلیم میں خرچ کرنے کو سب سے بہتر مصرف خیر سمجھیں اور زیادہ نہیں تو زکوٰۃ کی سے غریب طالب علموں کے وظیفے مقرر کریں اور پیغمبر صاحب صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں کیا ہوتا تھا اُنھوں نے بھی مدینۂ طیبہ میں مدرسہ دینی جاری کر رکھا تھا چنانچہ یہ خیال قرآن سے بھی ظاہر ہوتا ہے فرماتے ہیں وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُونَ لِيَنْفِرُوا كَافَّةً فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِنْهُمْ طَائِفَةٌ لِيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّينِ وَلِيُنْذِرُوا قَوْمَهُمْ إِذَا رَجَعُوا إِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُونَ [۱] اُن کو بھی محتاج مسلمانوں کی پرورش اور تجہیز جیوش کے لیے روپیہ کی ضرورتیں پیش آتی رہتی تھیں اور وہ ضرورتیں صدقات ہی سے رفع کی جاتی تھیں اور اس کی نسبت آپ فرمایا کرتے تھے تُؤْخَذُ مِنْ اَغْنِيَائِهِمْ وَتُرَدُّ عَلٰى فُقَرَائِهِمْ [۲] اور تعلیم کا خرچ سب ہی جگہ بڑھتا چلا جاتا ہے اس لیے کہ لوگ اس کی قدر کرنے لگے ہیں ایک وقت تھا کہ خوشامدیں کرتے تھے اور لوگ اپنے بچّوں کو نہیں بھیجتے تھے یا دیکھتے دیکھتے وہ زمانہ آگیا کہ دھکّے دیتے ہیں اور لڑکے ہیں کہ پلے پڑتے ہیں اور ایک وقت آنے والا ہے کہ علم کی قدر جواہرات سے بڑھ کر ہوگی اور تب ہی ہندوستان کے کچھ دن بھی پھریں گے اور اس کے آثار دکھائی دے رہے ہیں کہ جن لوگوں نے حق قدرہٖ علم کی قدر کی سرکار نے کالج اُٹھا لیے اور اُنھوں نے اپنے کالج کھول دیئے۔ علی گڈھ کالج کی تعلیم کو وہی لوگ مہنگا سمجھتے ہیں جو اس کی قدر نہیں جانتے قدر جانیں تو یہ بھی جانیں کہ اَور جگہ کی تعلیم ارزاں ہے تو وہاں ارزاں بعلت ہے اور علی گڈھ کالج کی تعلیم گراں ہے تو گراں بہ حکمت

---

[۱] اور (یہ بھی) مناسب نہیں کہ مسلمان سب کے سب (اپنے اپنے گھروں سے) نکلے ہوتے کہ دین کی سمجھ پیدا کرتے اور جب (سیکھ سمجھ کر) اپنی قوم میں واپس جاتے تو اُن کو (نافرمانی خدا سے) ڈراتے تاکہ وہ لوگ (بھی بُرے کاموں سے) بچیں۔ ۱۲ [۲] امیروں سے لے کر غریبوں کو دیتے ہیں۔ ۱۲

تعلیم نہ میرے کہنے سے بھلی یا بُری ہو سکتی ہی اور نہ تمہارے کہنے سے اِس کو پوچھنا چاہیئے کسی مبصّر سے "قدرِ زر زرگر بداند قدرِ جوہر جوہری" مبصّر کون - ویسرائے - لفٹنٹ گورنر کونسل کے ممبر وامثالہم - سو اِن لوگوں کا تو اس پر اجماع ہی کہ تعلیم و تربیت جیسی علی گڈھ کالج میں ہوتی ہی یورپ کے باہر تو کسی اور جگہ ہوتی نہیں - ایک چھوٹا سا قیاس منطقی ہی جس کے دونوں مقدمے صغریٰ اور کبریٰ بدیہی کہ انگریزی پڑھتے ہو اس لیئے کہ انگریز پسند کریں اور انگریز تو علی گڈھ کالج کی تعلیم کو پسند کرتے ہیں نتیجہ کیا نکلتا ہی کہ انگریزی پڑھنی ہو تو علی گڈھ کالج میں پڑھو - اور اگر علی گڈھ کالج کے مصارف کے متحمل نہیں ہو سکتے اور اپنے امیروں سے جنھیں خدا نے مقدور دیا ہی مدد نہیں لے سکتے تو سب سے بہتر صلاح جو دی جا سکتی ہی وہ یہ ہی کہ انگریزی تعلیم کے خبط کو چھوڑ دو کہ تم کو بے مقدور بنا کر خدا نے بتا دیا ہی کہ تم اِس کے لیئے نہیں پیدا کیئے گئے - اب علی گڈھ کالج کے متعلق ایک ہی بات اَور کہوں گا علی گڈھ کالج کی بدنامی جو سید احمد خاں کے تعلق سے ہو رہی ہی اگرچہ بے اصل محض ہی کیوں کہ سید احمد خاں کو تعلیم کے کورس میں کوئی دخل نہیں اور دخل ہو بھی نہیں سکتا - اِس لیئے کہ تعلیم کے کورس کا قرار دینا یونی ورسٹی نے یا یوں کہو کہ گورنمنٹ نے اپنے ہاتھ میں رکھا ہی لیکن فار دی سیک آف آرگیومنٹ[۱] فرض کر لو کہ سید احمد خاں ڈائرکٹلی[۲] یا اِن ڈائرکٹلی[۳] طالب العلموں پر اپنے عقائد کا جو عام مسلمانوں کے عقائد کے برخلاف ہیں اثر ڈال سکتے ہیں تو پہلی بات یہ ہی کہ طالب العلم اس اثر کو قبول بھی کر سکتے ہیں یا نہیں - تعلیم کا سٹینڈرڈ[۴] ایسا ہائی رکھا گیا ہی کہ بے چارے طالب العلم اُسی سے بہ مشکل عہدہ بر آ ہو سکتے ہیں اگر وہ مذہبی گورک دھندے کے سُلجھانے کے پیچھے پڑیں جس کے لیئے نہ تو اِن کو فرصت ہی اور نہ اُن کی عمر اِن باتوں میں غور کرنے کی ہی تو امتحان میں یقیناً فیل ہوں مگر فیل تو نہیں ہوتے تو قیاس استثنائی کی رو سے معلوم ہوا کہ

[۱] بغرض استدلال - ۱۲ [۲] براہ راست - ۱۲ [۳] بالواسطہ - ۱۲ [۴] معیار - ۱۲

سید احمد خاں کے عقائد کے اثر کو اگر وہ اُن پر ڈالا جاتا بھی ہو قبول نہیں کرتے۔ اور اگر مان لیا جائے کہ سید احمد خاں اپنے عقائد کا اثر ڈالتے ہیں اور کالج کے طالب العلم اُس اثر کو قبول بھی کرتے ہیں تو گو وہ عقائد عام مسلمانوں کے عقائد سے کتنے ہی مغائر ہوں مشن کی مذہبی تعلیم اور گورمنٹ کی نیوٹریلٹی کی مخالفت کو تو نہیں پہنچتے۔ اور سچ تو یہ ہی کہ کچھ تو تعصب کی وجہ سے اختلاف کو مخالفت سے تعبیر کیا جاتا ہی اور کچھ دینی معلومات کی کمی بھی وحشت کی موجب ہی۔ دینیات پر جہاں تک میری نظر ہی اور اب قرآن مجید کے ترجمہ کی ضرورت سے مَیں نے دینیات میں بہت کچھ دیکھا ہی۔ مَیں کہہ سکتا ہوں کہ نیچریوں کی کھوپری بھی بڑی پُرانی کھوپری ہی۔ تفاسیر کو دیکھو تو جانو کہ سید احمد خاں کو جو خدشے گزرتے ہیں اکثر ایسے ہیں جو اگلے لوگوں میں سے بھی بعض کو گزر چکے ہیں اُن کے اقوال تفسیر والوں نے نقل کیئے ہیں اور کہیں اُن کے جواب دیئے ہیں اور کہیں اُن کی تاویل کی ہی۔ غرض وہی پُرانی فلسفیانہ باتیں ہیں جن کی شان کسی قدر بدلی ہوئی ہی گویا فلسفہ ایک بیماری ہی جس کا ایک مدت بعد پھر دورہ ہوا ہی۔ مَیں سمجھتا ہوں کہ ھٰذَا اَلْھَمَنِیْ رَبِّیْ[ل] کے سوائے سید احمد خاں اور جو کچھ بھی لکھتے ہیں متقدمین کی نقل ہی یا توارد ہی یا اگر نقل و توارد نہ بھی ہو تو قسم کھانے کی بات ہی کہ یہ ان خدشات میں منفرد نہیں ہیں بلکہ سید احمد خاں کو ان خدشات کے ساتھ وہی نسبت ہی جو مثلاً خلیل یا سیبویہ یا ابن حاجب کو مسائل صرف و نحو کے ساتھ کہ قاعدے پہلے سے کلام عرب میں موجود تھے اور لوگ اُن کا استعمال بھی کرتے تھے۔ نحویوں نے اُن کو عام باتوں کے پیرائے میں منتظم کرکے اُن کا نام رکھ دیا قواعد۔ اسی طرح یہ تمام خدشات جو سید احمد خاں کی تفسیر میں یا اُن کی کسی تحریر میں پاتے ہو کل انگریزی خوانوں کے دلوں میں کھٹک رہے ہیں سید احمد خاں کا یہ قصور ہی کہ جو اُن کے دل میں ہی وہ مُنہ پر لے آتے ہیں اور دوسرے ہیں کہ ڈکار نہیں لیتے حالاں کہ

[ل] یہ ہی جو میرے اللہ نے مجھے الہام کیا ہی۔ ۱۲

یہ نفاق ہی جس کے بارے میں زہیر بن ابی سلمہ کہتا ہی ؎

| | |
|---|---|
| فَلَا تَکْتُمُنَّ اللّٰہَ مَا فِی نُفُوسِکُمْ<br>یُؤَخَّرْ فَیُوضَعْ فِی کِتَابٍ فَیُدَّخَرْ | لِیَخْفٰی وَمَهْمَا یُکْتَمِ اللّٰہُ یَعْلَمِ<br>لِیَوْمِ الْحِسَابِ اَوْ یُعَجَّلْ فَیُنْقَمِ[لہ] |

اور یہ وہی مضموں ہی جو قرآن مجید کی آیت میں ہی اِنْ تُبْدُوْا شَیْئًا اَوْ تُخْفُوْہُ یَعْلَمْہُ اللّٰہُ وہی بات ہی ایک شاعر نظم میں ادا کرتا ہی اور خدا نثر میں مگر وہ نظم اس نثر کے آگے پھیکی معلوم ہوتی ہی اور اِس کو وہی جانے جو عربی کا مذاق رکھے۔ سو اس بھر اس کا نکل جانا ہی اچھا اور یہی تو وجہ ہی کہ تہذیب الاخلاق کے بند ہو جانے پر مَیں نے بڑا شور غل مچا کر پھر اُس کو جاری کرایا اور سب سے زیادہ مجھی کو افسوس ہی کہ وہ پھر بند ہونے والا ہی۔ باوجودے کہ میں سید احمد خاں کی بہت باتوں سے اختلاف رکھتا ہوں پھر بھی ان کو اور ان کی تحریرات کو اسلام کے حق میں مفید سمجھتا ہوں جہاں جہاں اسلام میں بانی مرتا ہی یہ اُن تمام رخنوں کو ظاہر کر دیتے ہیں اور نہ صرف ظاہر کر دیتے ہیں بلکہ اپنے نزدیک رخنہ بندی کا طریقہ بھی بتا دیتے ہیں۔ اب یہ مسلمانوں کا کام ہی کہ اُن رخنوں کو دیکھیں اور تجویز کریں کہ واقع میں رخنے ہیں بھی یا نہیں اور ہیں تو جو رخنہ بندی سید احمد خاں نے تجویز کی ہی وہ کافی ہی یا نہیں۔ ناحق کی بدگمانی اور ضد کی تو بات اَور ہی مگر سید احمد خاں کی نیت کے بخیر ہونے میں تو کسی طرح کا شک ہی نہیں اگر اسلام میں کوئی رخنہ فرض کر لیا جائے اور سید احمد خاں نے اُس کی بندش کی کوئی تدبیر بتائی ہو اور کوئی بھائی مسلمان اُس سے کوئی بہتر تدبیر بتائے تو مَیں یقین کرتا ہوں کہ سید احمد خاں سے بڑھ کر کوئی اُس کی داد نہ دے گا۔ شکوک تو مجھ کو بھی ہوا کرتے ہیں اور کون ہی جس کو شکوک نہیں ہوا کرتے اور یوں لوگوں میں مقدس اور مادر زاد ولی بننے کے لیئے کوئی دعویٰ کرے تو

لہ اپنے دل کی باتوں کو خدا سے مت چھپاؤ اس غرض سے کہ وہ باتیں اُس پر یعنی خدا پر مخفی رہیں اس لیئے کہ جو جو چیز خدا سے چھپائی جاتی وہ اُس کو (بخوبی) جانتا ہی (اُس کی دو صورتیں ہوتی ہیں) یا تو ڈھیل دے کر اور کتاب میں لکھ کر روزِ قیامت تک رکھ دیتا ہی یا جلدی کر کے اُس کا انتقام (دنیا ہی میں) لے لیتا ہی۔۱۲

کرے پیغمبر صاحب سے بڑھ کر کس کا ایمان ہوگا اُن کو تو بار بار خدا قرآنِ مقدس میں فرماتا ہے فَلَا[۱] تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ - فَلَا تَكُ فِيْ مِرْيَةٍ مِّنْهُ[۲] - فَاِنْ كُنْتَ فِيْ شَكٍّ مِّمَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ[۳] بہر کیف مجھ کو بھی شکوک ہوا کرتے ہیں مگر میں تو اُن کو اپنی جگہ سوچ سمجھ کر آپ ہی آپ رفع دفع کر لیا کرتا ہوں اور پھر بھی سید احمد خاں کی کوئی بات کان میں پڑ جاتی ہے تو اُس کو سُن کر خوش ہوتا ہوں - ابھی تہذیب الاخلاق کے کسی پچھلے پرچے میں سید احمد خاں نے حضرت داؤد علیہ السلام کی نسبت ایک آرٹیکل لکھا ہے داؤد علیہ السلام کے دو معجزے مشہور ہیں اور قرآن مجید میں بھی مذکور ہیں ایک اَلَنَّا لَهُ الْحَدِيْدَ[۴] - "درکفِ داؤد آہن موم کرد" دوسرے اُن کی خوش آوازی جس کو قرآن میں فرمایا ہے کہ پہاڑ اور پرندے اُن کے مطیع تھے اور اُن کے ساتھ ساتھ خدا کی تسبیح و تقدیس کیا کرتے تھے - وَاذْكُرْ[۵] عَبْدَنَا دَاوٗدَ ذَا الْاَيْدِ اِنَّهٗٓ اَوَّابٌ - اِنَّا سَخَّرْنَا[۶] الْجِبَالَ مَعَهٗ يُسَبِّحْنَ بِالْعَشِيِّ وَالْاِشْرَاقِ وَالطَّيْرَ مَحْشُوْرَةً كُلٌّ لَّهٗٓ اَوَّابٌ تو سید احمد خاں سرے سے کسی معجزے کے تو قائل ہیں نہیں اُن کو اَلَنَّا لَهُ الْحَدِيْدَ میں تو کوئی دقت پیش نہ آئی کیوں کہ لوہا جیسے سیر دو سیری پنسیری کے پیرائے میں ویسا ہی تار کے پیرائے

---

۱ تو کہیں تم بھی شک کرنے والوں میں نہ ہو جانا - ۱۲ ۲ تم کو اس بارے میں شک نہ ہو - ۱۲

۳ تو (اے پیغمبر یہ قرآن) جو ہم نے تمھاری طرف اُتارا ہے اگر (بہ تقاضائے بشریت) اِس کی نسبت تم کو کسی قسم کا واہمہ ہو تو - ۱۲ ۴ داؤد کے لیے ہم نے لوہے کو (بھی) ملایم کر دیا تھا - ۱۲

۵ اور ہمارے بندے داؤد کو یاد کرو کہ (باوجودے کہ ہر طرح کی) قوت رکھتے تھے (مگر اس پر بھی) وہ (ہمہ وقت خدا کی طرف) رجوع رہتے تھے - ۱۲ ۶ ہم نے (ایک طور پر) پہاڑوں کو (بھی اُن کا) تابع (فرمان) کر رکھا تھا کہ صبح و شام اُن کے ساتھ (ساتھ خدا کی) تسبیح (و تقدیس) کرتے اور (اسی طرح) پرندوں کو بھی (اُن کا تابع کر رکھا تھا) کہ (وہ بھی تسبیح و تقدیس سُن کر اُن کے پاس) سمٹ آتے (اور) سب اُن کے جوابی بنتے - ۱۲

ہیں تو اَلَنَّا لَہُ الْحَدِیْدَ کے لوہے کو تار کا لوہا کیوں نہ فرض کریں کہ ہر ایک اُس کو آسانی سے موڑ توڑ سکتا ہی حضرت داؤد بھی تاروں کی زرہ بنایا کرتے تھے اُسی کو خدا نے اَلَنَّا لَہُ الْحَدِیْدَ فرمایا۔ اب سے کوئی پندرہ برس پہلے کا مذکور ہی کہ نواب **محسن الملک** بہادر جو اُس وقت مولوی **مہدی علی** تھے۔ مجھے حیدرآباد کی ورک شاپ دکھانے لے گئے اور وہاں لوہا مشین میں اس طرح چھیلا جاتا تھا جیسے گاجر اُس کو دیکھتے ہی میں نے مولوی **مہدی علی** کو اَلَنَّا لَہُ الْحَدِیْدَ یاد دلایا۔ کیوں کہ یہ تو ایسی باتوں کی ٹوہ میں لگے ہی رہتے ہیں۔ اب رہی پہاڑوں اور پرندوں کی تسبیح یہ ذرا ٹیڑھی کھیر ہی تو اس کی نسبت **سید احمد خاں** سے اور کچھ نہ بن پڑا تو کیا بات مغز سے اُتاری ہی کہ جبال سے مُراد ہیں پیدلوں کی پلٹنیں اور طیر سے مُراد ہیں سواروں کے رسالے انھوں نے کہیں لغت میں دیکھ پایا کہ جبل مرد بہادر کو بھی کہتے ہیں اس کے شواہد عربی اور اُردو میں کثرت سے ملتے ہیں جیسے [۱] اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الَّذِیْنَ یُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِہٖ صَفًّا کَاَنَّھُمْ بُنْیَانٌ مَّرْصُوْصٌ یہاں سپاہیوں کو بنیان مرصوص فرمایا اور وہ جبل سے قریب ہی اور گھوڑے کو طیر سے تشبیہ دینا تو کثرت سے شائع ہی۔ جبال کی پلٹنیں بن گئیں تو طیر کے رسالے تو اب یُسَبِّحْنَ کوئی نئی بات نہ رہی۔ مَیں نے جب یہ تاویل دیکھی تو **سیّد احمد خاں** کے ڈھب کی ایک بات میرے بھی ذہن میں آئی اور مَیں نے کہا کہ جبال اور طیر اور سَخَّرْنَا اور یُسَبِّحْنَ سب اصلی معنوں میں رہیں اور پھر غرابت جاتی رہے تو کیسا۔ جبال کے گونج اُٹھنے اور پرندوں کے چُرچُرانے کو اُن کی تسبیح کیوں نہ کہیں [۲] وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِہٖ وَلٰکِنْ لَّا تَفْقَہُوْنَ تَسْبِیْحَھُمْ اور پرندوں کا آواز سُن کر چُرچُرانے لگنا تو اب بھی دیکھا جاتا ہی۔ بندہ کے ایک دوست تھے اور اُن کو بولتے ہوئے جانوروں سے بہت شوق تھا ہمہ وقت جانوروں کے پنجرے

[۱] بے شک خُدا (تو) اُن لوگوں کو دوست رکھتا ہی جو اُس کی راہ میں صف باندھ کر لڑتے ہیں۔ ۱۲
[۲] اور جتنی چیزیں ہیں سب اُس کی حمد (وثنا) کے ساتھ اُس کی تسبیح (وتقدیس) کر رہی ہیں مگر تم لوگ اُن کی تسبیح (وتقدیس) کو نہیں سمجھتے۔ ۱۲

اُن کے گرداگرد رکھے رہتے اور ایک ارگن باجا بھی اُنھوں نے لے رکھا تھا۔ جب اُن کو جانوروں کا بلوانا منظور ہوتا تو ارگن کوک دیتے اور سب جانور اپنی اپنی بولیاں بولنے لگتے۔

جانوروں کا آواز سے متاثر ہونا عرب کے شتربانوں کی حدی سے بھی ثابت ہی ؎

| | |
|---|---|
| اُشتر بہ شعرِ عرب درحالت ست وطرب | تو خود چہ آدمیی کز عشق بے خبری |

اور مشہور ہی کہ سانپ بین پر عاشق ہی اور جس قسم کے وحشی جانوروں کو پکڑنا منظور ہوتا ہی اُنھیں کے ہم جنس جانور کو بلواتے ہیں اور اُس کے ہم جنس اُس کی آواز پر آموجود ہوتے ہیں۔ لڑکوں کو اس تدبیر سے لال۔ اور پدڑیاں پکڑتے دیکھا ہی اور عشی اور اِبکاد یعنی صبح اور شام یوں بھی جانور بولا کرتے ہیں اب صرف سَخَّرَ نا میں کلام ہو سکتا ہی تو ہم تسخیر کا استعمال ایسے مواقع پر بھی دیکھتے ہیں جہاں آدمی کا مطلق دست رس نہیں جیسے مثلاً سورۂ ابراہیم میں ہی اَللّٰہُ[ف] الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّكُمْ وَسَخَّرَ لَكُمُ الْفُلْكَ لِتَجْرِيَ فِي الْبَحْرِ بِاَمْرِهٖ وَسَخَّرَ لَكُمُ الْاَنْهٰرَ وَسَخَّرَ لَكُمُ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ دَآئِبَيْنِ وَسَخَّرَ لَكُمُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ۔ لوگ اِس قسم کے اختلافات کو بڑی وقعت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں یہاں تک کہ اُن کے نزدیک اسلام اور کفر کا مدار انھیں باتوں پر ہی اور ہم تو اصل مطلب پر نظر رکھتے ہیں کہ اگلے لوگوں کے حالات کے بیان کرنے سے خدا کا مقصودِ اصلی کیا ہی۔ مثلاً یہی داؤد علیہ السلام ہیں ان کے حالات جو کچھ بھی قرآن میں بیان ہوئے ہیں کس غرض سے۔ ہم نے تو یہی غرض سمجھی ہی کہ وہ خدا کے فرماں بردار شکر گزار نیک اور

[ف] اللہ ہی (ایسا قادرِ مطلق) ہی جس نے آسمان اور زمین کو پیدا کیا اور آسمان سے پانی برسایا پھر پانی کے ذریعہ سے (درختوں کے) پھل نکالے کہ وہ تم لوگوں کی روزی ہی اور کشتیوں کو تمھارے اختیار میں کردیا تاکہ اس کے حکم سے دریا میں چلیں اور (نیز) ندیوں کو تمھارے اختیار میں کردیا اور (اسی طرح ایک اعتبار سے) سورج اور چاند کو تمھارے اختیار میں کردیا کہ دونوں پڑے چکر کھاتے ہیں اور (ایسا ہی ایک طرح سے) رات اور دن کو تمھارے اختیار میں کردیا۔ ۱۲

مقبول بندے تھے اور اُن کی فرماں برداری اور شکر گزاری اور نیکی کے صلے میں خدا نے دنیا میں بھی اُن کو بہت سی نعمتیں دی تھیں اور آخرت میں بھی وہ مقربانِ بارگاہ خداوندی میں سے ہوں گے۔ دنیاوی نعمتوں میں سے ایک تو سلطنت تھی ایک یہ کہ وہ بڑے خوش آواز تھے ایک یہ کہ وہ زرہ بنائی خوب جانتے تھے۔ اب رہی یہ بات کہ ذوق شوق میں یادِ الٰہی کرتے تھے تو پہاڑ گونجنے اور پرندے چُرغنے لگتے تھے یا خدا پہاڑوں اور پرندوں میں ادراک اور نطق پیدا کر دیتا تھا اور وہ اَور آدمیوں کی طرح داؤد علیہ السلام کے ساتھ تسبیح و تقدیس کرنے لگتے تھے یا وہ اُن کے لشکر کے پیادے اور سوار تھے اور داؤد علیہ السلام امام ہوتے تھے اور وہ مقتدی۔ اور مقتدی بھی غیر مقلد کہ امام کے ساتھ ساتھ آپ بھی پڑھتے جاتے تھے اِن باتوں سے اصل مطلب میں رتی برابر بھی فرق نہیں آتا۔ اب تم لگو اِن باتوں کی سور خانہ تحقیقات میں اب سے ہزاروں برس پہلے کی بات اُن وقتوں کے واقعات کی تحریری یادداشت نہیں اور جو ہے اُس پر اعتماد نہیں ہو سکتا تو ایسی تحقیقات کا سوائے اِس کے اَور کیا نتیجہ نکلے گا۔ کہ تم قرآن کی اصل غرض سے بے نصیب رہو گے وَ ذٰلِكَ[1] هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِيْنُ۔ دیکھو تو بات کہاں سے کہاں جا پہنچی۔ شراب کی حرمت کا تذکرہ کرتے کرتے میں یہ کہہ رہا تھا کہ برسوں کیا پیڑھیوں کی پڑی ہوئی عادتوں کا چھڑانا رسم و رواج کا اُٹھانا جمے ہوئے خیالات کا بدلنا آسان کام نہیں ہے اس سے مجھ کو اُن مشکلات کا دکھانا منظور تھا جو جناب پیغمبرِ خدا کو اصلاح قوم میں پیش آئیں۔ اِس تقریب میں سید احمد خاں کا خیال آ گیا کہ یہ بھی ایک چھوٹے سے سکیل کے ایک منی[2] ایچر رفارمر ہیں اور سید احمد خاں کے خیال کے ساتھ علی گڈھ کالج کے خیال کا آنا تو ایک ضروری بات تھی۔ اب آؤ اُسی اُم الخبائث شراب کے متعلق دو چار باتیں اَور سنو کہ اِس کی بندی کے لیے شارع اسلام نے شروع سے آخر تک بڑا ہی دانشمندانہ اور مؤثر طریقہ اختیار کیا جس طرح ایک کاشتکار پہلے زمین کو

[1] صریح گھاٹا یہی (کہلاتا) ہے۔ ۱۲ [2] چھوٹے سے مصلح۔ ۱۲

بیج کے لیئے تیار کرتا اور اُس میں بیج ڈالتا اور فصل کی حفاظت کرتا ہی اسی طرح شراب کی بُرائیاں اور نقصانات بیان کر کر کے طبیعتوں کو ترک پر آمادہ کیا پھر ترک کا حکم دیا اور حکم کے دیئے پیچھے ممانعت کے بیج کو خوب کسا رکھا طبیعتیں تو حبِ مال پر مجبول ہی ہیں وَاُحْضِرَتِ[1] الْاَنْفُسُ الشُّحَّ۔ لوگوں نے چاہا کہ بلا سے خود نہ پئیں مگر پینے والوں کے ہاتھ بیچ ڈالیں یا خیر سرکہ بنالیں کسی بات کی اجازت نہ دی اور فرمایا تو یہ فرمایا کہ قَاتَلَ[2] اللّٰہُ الْیَهُوْدَ حُرِّمَتْ عَلَیْهِمُ الشُّحُوْمُ فَجَمَلُوْهَا فَبَاعُوْهَا اور بیچنا اور سرکہ بنانا کیسا ابتدا میں تو اُن باسنوں کے استعمال کو بھی منع فرما دیا تھا جن میں شراب رکھی جاتی تھی جیسے دِبَّاء[3] اور حَنْتَمْ اور مُزَفَّت اور نَقِیْر ایسی تشدید کرنی پڑی ہو تب کہیں جا کر اس نجس اور ناپاک چیز کا رواج مسلمانوں میں سے اتنا موقوف ہوا ہی اور یہ جو بعض امرا اور بعض انگریزی خوانوں کی شکایت سُنی جاتی ہی تو شراب ہی کی کیا خصوصیت ہی وہ یوں بھی احکامِ شرع کی کون سی پابندی کرتے ہیں خدا نہ کرے کہ حرام لِعَیْنِہٖ اور حرام لِغَیْرِہٖ کی تفریق جو فُقَہائے کی ہی اُن کے کان تک پہنچے اور اونگھتے کو ٹھیلتے کا بہانہ ہو بے شک مسلمانوں پر ایسا زمانہ گزرا ہوگا کہ حد درجہ کی تشدید کو جیسی ابتدائے اسلام میں تھی فقہانے ضروری نہ سمجھا ہو لیکن مَیں خیال کرتا ہوں کہ ہمارا ہندوستان ویسے ہی بلکہ اُس سے زیادہ تر تشدید کا محتاج ہی۔ اِسی قسم کا معاملہ عورتوں کے پردے کا بھی ہی۔ بلاشبہ پیغمبر صاحب کے زمانے تک پردے میں اتنی سختی نہ تھی جتنی ہم لوگوں نے اب اپنے اوپر لازم کر لی ہی۔ لیکن میں ایک مذہبی روایت بیان کرتا ہوں کہ اگر ہم نے عورتوں کے پردے کی زیادہ سختی بھی اختیار کی ہی تو ضرورت دیکھ کر اختیار کی ہی۔ صحابیوں میں ایک عبد اللہ بن عمر ایسے صحابی ہیں کہ پیغمبر صاحب کی حرکات و سکنات میں سے کوئی چھوٹی سے چھوٹی بات اُن کو مل جاتی

[1] اور (تھوڑا بہت) بخل تو سب ہی کی طبیعت میں ہوتا ہی۔ ۱۲ [2] یہود پر خدا کی لعنت کہ اُن پر چربی حرام کی گئی تھی بااینہمہ اُنھوں نے اُسے ٹھیک ٹھاک کر کے بیچنا شروع کر دیا۔ ۱۲ [3] شراب رکھنے کے برتنوں کے نام۔ ۱۲

تھی تو وہ اُس کی بھی تقلید کیئے بدون نہیں رہتے تھے۔ میرا خیال یہ ہو کہ اگر اُن کو معلوم ہو جاتا کہ مثلاً پیغمبر صاحب ایک منٹ میں اتنی بار سانس لیتے تھے تو وہ ضرور ایک منٹ میں اُتنے ہی سانس لینا اپنے اوپر لازم کر لیتے فنا فی الرسول سنا ہو تو وہ عبداللہ بن عمر کا حال تھا۔ اچھا تو اُنھوں نے ایک بار پیغمبر صاحب سے ایک حدیث روایت کی قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَلَا تَمْنَعُوْا النِّسَاءَ حُظُوْظَھُنَّ مِنَ الْمَسَاجِدِ کہ عورتوں کو خدا کی مسجدوں میں آنے سے نہ روکو۔ عبداللہ رضی اللہ عنہ کا مطلب تھا کہ عورتیں مسجدوں میں شریک جماعت ہوا کریں اتفاق سے اُسی جلسہ میں اُنھیں عبداللہ کے بیٹے بلال بھی حاضر تھے وہ بول اُٹھے۔ وَاللّٰہِ لَنَمْنَعُھُنَّ (ہم تو بخدا اپنی عورتوں کو مسجدوں میں نہ جانے دیں گے) اِس پر عبداللہ بلال سے سخت ناخوش ہوئے فَاَقْبَلَ عَلَیْہِ عَبْدُ اللّٰہِ فَسَبَّہٗ سَبًّا سَیِّئًا مَا سَمِعْتُہٗ سَبَّہٗ مِثْلَہٗ قَطُّ۔ وَقَالَ اُخْبِرُکَ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰہِ وَتَقُوْلُ وَاللّٰہِ لَنَمْنَعُھُنَّ[۱] باپ بیٹے اپنی اپنی جگہ برسرِ حق تھے۔ باپ کو اتباعِ سنت کے آگے مناسب اور نامناسب پر نظر ہی نہ تھی اور بیٹا مصلحتِ وقت کو دیکھتا تھا۔ تو جب بلال کے زمانے میں کہ وہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پوتے ہوئے اور خود صحابی نہیں بلکہ تابعی تھے پیغمبر صاحب کے زمانے سے اتنا فرق پڑ گیا تھا کہ بلال عورتوں کا مساجد میں آنا پسند نہیں کرتے تھے تو اب اِس چودھویں صدی میں کیا حال ہوا ہو گا۔ اِس پر بھی بعض حضرات متعارف پردے کے مخالف ہیں اور انگریزوں کی دیکھا دیکھی چاہتے ہیں کہ پردہ اُٹھا نہ دیا جائے تو خیر اتنی تو آسانی کر دی جائے کہ پیغمبر صاحب کے وقت کا سا پردہ رہے۔ اور اصل مطلب یہ ہو کہ اتنی آزادی حاصل ہوئے پیچھے کلیتاً پردہ کا اُٹھا دینا کچھ بات نہیں۔ پیغمبر صاحب

[۱] پس آئے بلال عبداللہ کے پاس اور ایسی گالیاں دیں کہ ہم نے اُن کو کبھی ایسی گالیاں دیتے نہیں سنا اور کہا کہ میں نے تو تجھ سے حضرت رسول اللہ کی حدیث بیان کی اور تو کہتا ہو کہ ہم تو بخدا اپنی عورتوں کو مسجدوں میں نہ جانے دیں گے۔ ۱۲

اور بلال بن عبداللہ بن عمرؓ کے زمانوں میں کچھ ایسا بڑا فصل نہ تھا مگر اتنے ہی دنوں میں کتنا کچھ تغیر لوگوں کی طبیعتوں میں واقع ہو گیا تھا سو یہ کچھ تعجب کی بات نہیں بلکہ اس میں خُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِیْفًا[۵۱] کا ثبوت ہی خُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِیْفًا میں انسان کا ضعفِ جسمانی مقصود نہیں ہی بلکہ یہ آیت ایسے ہی محل پر واقع ہوئی ہی جس کو پردہ کے ساتھ ایک خاص طرح کا تعلق ہی۔ فصلِ زمانی کیسا حضور و غیبت میں بھی یکساں حالت نہیں رہتی۔ صحابہ جنابِ پیغمبرِ خدا سے شکایت کیا کرتے تھے کہ ہم حضور میں ہوتے ہیں تو ہمارے دلوں کی اَور کیفیت ہوتی ہی اور خدمت سے علیحدہ ہوتے ہیں تو وہ حالت باقی نہیں رہتی اس کے جواب میں آپ فرماتے تھے کہ میرے سامنے جو تمھاری حالت ہوتی ہی وہی غیبوبت میں رہے تو لَصَافَحَتْکُمُ الْمَلٰٓئِکَۃُ[۵۲] بہر کیف شراب کے بارے میں جو فقہا نے لِعَیْنِہٖ اور لِغَیْرِہٖ کی بحث نکال کھڑی کی میں تو اس کو زمانے کی حالت پر نظر کر کے خلافِ مصلحت ہی کہوں گا۔ فقہا سے میری مُراد فقہائے حنفیہ ہیں ورنہ امام شافعی تو شروع سے اُسی تشدید کے پابند ہیں جو شارع نے شراب کے بارے میں کی تھی۔ مجھ کو اس لِعَیْنِہٖ اور لِغَیْرِہٖ کے جھگڑوں سے کیا مطلب تھا مسلمانوں کی خستہ حالی اور تباہی دیکھ کر خیال آگیا کہ یہ خستہ حالی اور تباہی لِعَیْنِہٖ ہی یعنی نفسِ اسلام کو لازم ہی یا لِغَیْرِہٖ ہی اور اس کا کوئی اَور سبب ہی لِعَیْنِہٖ تو ہو نہیں سکتی اور ہونی چاہیئے بھی نہیں کیوں کہ ہم مسلمانوں کا ایک مذہبی گروہ ہی یعنی ہم کو مذہب نے بنایا اور مذہب ہی سے ہم کو عروج ہوا اور عروج بھی ہوا تو ایسا کہ ہم روے زمین کی کسی قوم سے چاہے وہ اب موجود ہو یا نہ ہو کسی بات میں ہیٹے نہیں رہے تو وہی مذہب ہمارے لئے تنزل کا سبب نہیں ہو سکتا اور تنزل بھی ایسا تنزل کہ اب ہم ہی سب سے گئے گزرے ہیں اور اگر ہو تو لازم آئے کہ سببِ واحد سے دو متضاد نتیجے پیدا ہوں وَھٰذَا مُحَالٌ جِدًّا[۵۳] تو ہو نہ ہو

---

۵۱ انسان طبیعت کا کم زور پیدا کیا گیا ہی۔ ۱۲ ۵۲ تو تم سے فرشتے مصافحہ کریں گے۔ ۱۲

۵۳ اور یہ بہت ہی ناممکن ہی۔ ۱۲

یہ خستہ حالی اور تباہی لعینہ یعنی کسی اور سبب سے ہوگی جو اسلام سے خارج ہے لیکن جہانتک غور کیا جاتا ہی کوئی سبب سمجھ میں نہیں آتا کہ اسلام سے خارج بھی ہو۔ اور پھر روئے زمین کے سب مسلمانوں میں پایا جائے ایسا سبب مشترک تو اسلام کے سوا اور کوئی ہو بھی نہیں سکتا اور اس کو تو میں ابھی محال ثابت کرچکا ہوں۔ مدتوں غور کرنے سے یہ مسئلہ حل ہوا کہ مسلمانوں کی خستہ حالی اور تباہی کا پہلا سبب ہر جہالت اور وہ پیدا ہوئی اصلی اسلام سے تو نہیں مگر ہاں اسلام متعارف سے کہ وہ مانع ترقی نہ بھی ہو تاہم اس سے انکار نہیں ہوسکتا کہ وہ ترقی کی ترغیب بھی نہیں کرتا۔ جو مذہب توکل سکھائے جو مذہب تقدیر پر قانع ہو کر بیٹھ رہنے کی تعلیم دے جو مذہب طلب دنیا کو گناہ بتائے جو مذہب دنیا سے نفرت دلائے اُس کے معتقدوں سے ترقی کی امید رکھنی ایسی ہی جیسے پر قینچ کبوتر سے باز بلند پرواز کے مقابلے کو کہا جائے ہم بھی توکل کے قائل ہیں مگر "بر توکل زانوئے اشتر بہ بند" کے۔ ہم بھی تقدیر کو مانتے ہیں مگر اَلتَّدْبِيْرُ[۵۱] ثُمَّ التَّقْدِيْرُ کو۔ ہم بھی طلب دنیا کو گناہ سمجھتے ہیں مگر وہ دنیا جس کا نتیجہ ہو کبر اور نخوت ۵

| چیست دُنیا از خدا غافل بدن | | نے قماش نقرہ و فرزند و زن |
|---|---|---|

ہم میں سے کوئی بھی چاہتا ہی کہ اندھا ہو اس لیے کہ عجب نہیں اُس کی آنکھ محرمات پر پڑے گی۔ کوئی پسند کرتا ہی کہ لُنجا ہو اس خیال سے کہ شاید وہ کسی کو ناحق مار بیٹھے گا کوئی جائز رکھے گا کہ لنگڑا ہو کہ کہیں بدراہ نہ چلے تو کیوں ابنائے جنس میں برتری کے خواہاں نہ ہوں۔ شعر

| مال را گر بہر دیں باشی حمول | | نعم مالٌ صالحٌ گفتش رسول |
|---|---|---|

خدا تو اپنے کلام میں مال کو خیر سے تعبیر فرماتا ہی كُتِبَ[۵۲] عَلَيْكُمْ إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ إِنْ تَرَكَ خَيْرًا الْوَصِيَّةُ اور وَإِنَّهُ[۵۳] لِحُبِّ الْخَيْرِ لَشَدِيدٌ۔ اب اپنے مولویوں سے کبھی یہ تو پوچھا کرو کہ جس کو خدا خیر فرمائے اس کو عموماً بُرا سمجھنا بُرا کہنا کیسا جس کو تم لوگوں نے توکل اور تقدیر اور دنیا سمجھا ہی پہلے قرون اولیٰ کے مسلمانوں نے نہیں سمجھا اور نہ آج مسلمان دوا کو بھی میسر نہ آتے یہ اُنھیں غلط فہمیوں کا طفیل ہی کہ تباہی کے کنارے آ لگے

۵۱ پہلے تدبیر بعد تقدیر۔ ۱۲ ۵۲ مسلمانو تمکو حکم دیا جاتا ہی کہ جب تم میں سے کسی کے سامنے موت آ موجود ہو اور وہ کچھ مال چھوڑنے والا ہو تو اچھی طرح پر وصیت (کر مرے) ۵۳ اور وہ مال کی محبت میں بڑا سخت ہی۔ ۱۲

ہو مگر ابھی تک تباہ نہیں ہوئے تیرہ سو برس تک تو اُن کے غلط توکل نے سنبھالا اب دیکھیں تمھارا صحیح توکل تم کو کے دن سنبھالتا ہی۔ سید احمد خاں کی کوششوں اور ان کوششوں کے نتیجوں کو دیکھ کر کسی وقت جی خوش بھی ہوتا ہی مگر جب اس بات پر نظر کرتے ہیں کہ پچیس کروڑ مسلمان ہیں اور روئے زمین کے تمام اطراف وجوانب میں پھیلے ہوئے ہیں اور سب کے سب مِنْ اَوَّلِهِمْ اِلٰی آخِرِهِمْ عَلٰی شَفَا جُرُفٍ هَارٍ[۵۱] ایک رنگت میں ڈوبے ہوئے۔ تو یہ تمام تر کوشش بے سود اور رائگاں معلوم ہوتی ہی۔ سید احمد خاں نے سوائے اس کے اور کونسی گڑھی فتح کرلی کہ اونٹ کے مونہ میں زیرا۔ پچیس کروڑ میں سے پانچ چھ اسٹوڈنٹ جمع کرلیے۔ اس سے بڑھکر احمق کون جو اس مقدار سے اور میں تو قوم کے مقابلے میں اس کو مقدار کہتے ہوئے بھی تامل کرتا ہوں بہر کیف اُس سے بڑھ کر احمق کون جو اس مقدار سے فلاح قوم کی توقع کرے۔ قوم کو اگر فلاح ہونی ہی تو وہ تو اُسی صورت میں ہوگی جب نسبت بدل جائے یعنی جتنے اب تعلیم یافتہ ہیں اُتنے ناتعلیم یافتہ ہوں۔ بے شک یہ تعلیم کے لئے بڑا ہائی سٹینڈرڈ ہی اور خود یورپ بھی اس درجہ تک نہیں پونچا۔ لیکن یورپ میں جو تعلیم نایافتہ ہیں وہ اُن باتوں میں جو سکھانی منظور ہیں بے پڑھے ہمارے تعلیم یافتوں سے بمدارج بہتر ہیں یہ بہت پڑھیں گے ایک وقت خاص تک سکول میں یا کالج میں وہ ہمہ وقت سوتے جاگتے چلتے پھرتے پڑھتے ہیں گھروں میں مارکٹ میں سوسائٹی میں اگرچہ قوم کی حالت بالکل مایوسی کی حالت ہی لیکن جس بیمار دار کے دل کو لگی ہوتی ہی اُس سے کب صبر ہوسکتا ہی وہ سمجھ چکا ہی کہ بیمار بچنے والا نہیں مگر دمِ واپسین تک اپنی سی کیئے جاتا ہی بیمار کا سانس اُکھڑ چکا ہی اور یہ اُس کو ریوائیونگ[۵۲] سمولینٹس پلا رہا ہی اگر انگریزی خیال کا ہی۔ اور ورق نقرہ کے ساتھ دوار المسک دے رہا ہی اگر طبِ یونانی کا معتقد ہی۔ بیمار نے سنبھالا لیا ہی اور یہ اُس کو بڑھاوے دیتا ہے یہی یا ایسا ہی حال ہی اُن تمام کوششوں کا۔ علی گڈہ کالج ہو یا کانفرنس یا تہذیب الاخلاق یا انسٹیٹیوٹ گزٹ جو مسلمانوں کو گدگدانے اور اُبھارنے کے لیئے کی جارہی ہیں۔ مسلمانوں کی بیماری معلوم اور اُس کی حکمی دوا بھی معلوم مگر بیمار دوا کو پینا ہی نہیں چاہتا تو اُس کا کیا علاج لِکُلِّ شَیْءٍ اٰفَةٌ وَّلِلْعِلْمِ اٰفَاتٌ[۵۳] کسی

[۵۱] اول سے لے کر آخر تک سب کے سب ہلاکت کے کنارے پر کھڑے ہیں۔ ۱۲- [۵۲] ہوش میں لانے والی مفرح دوائیں۔ [۵۳] ہر چیز کے ساتھ ایک نہ ایک آفت لگی ہوئی ہی مگر علم کے ساتھ تو بہت سی آفتیں ہیں۔ ۱۲-

کا مقولہ ہی جس کو بچپن میں سُنا کرتے تھے اور یوں سمجھتے تھے کہ علم کا حاصل ہونا بہت سی شرطوں پر موقوف ہے سات سہاگنیں ہوں تو لاڈو کا ابٹنا پسے - یعنی یہ کہ شاگرد کو شوق ہو جی لگا کر پڑھے اُستاد شفیق ہو دل سوزی سے شاگرد کو بتائے سمجھائے دونوں کو ایک وقت ممتد تک فراغ خاطر ہو کہ پڑھنے پڑھانے میں کسی طرح کا خلل نہ واقع ہو - جو کتاب درکار ہو فی الوقت بہم پہونچ جائے - ظاہر ہی کہ اتنی شرائط کا جمع ہونا ہر ایک کو نصیب نہیں ہوا کرتا - بہرکیف ہم تو لِلعِلمِ آفَاتٌ کے یہی محامل سمجھا کرتے تھے اور یہی محامل تھے بھی - اب اِن وقتوں میں علم کے حصے کی آفتیں اور بھی زیادہ ہو گئی ہیں اِن جملہ مذہبی تعصبات کے علاوہ نفسِ علم کے بارے میں غلط فہمیاں - مجکو اس وقت اور اس جگہہ مذہبی تعصبات سے بحث کرنی منظور نہیں - ہاں نفسِ علم کے بارے میں جو غلط فہمیاں واقع ہیں اُن پر ریمارک کرنے چاہتا ہوں کیونکہ میں ان غلط فہمیوں کو تعلیم کا سنگِ راہ سمجھتا ہوں - ہم اپنے سلسلۂ درس پر نظر ڈالتے ہیں تو ظاہر ہوتا ہی کہ تعلیم کا مقصودِ اصلی علومِ دین رہے ہیں اور دنیاوی علوم میں صرف وہی حصہ داخلِ درس رہا ہی جس سے علومِ دین کو کسی طرح کی تائید پونہچتی ہی جیسے صرف و نحو منطق ہندسہ وامثالہا پس اگر سچ پوچھو تو ہمارے یہاں علومِ دنیا کا رواج ہی نہیں رہا اور یوں کسی نے ذاتی شوق سے فنِ خاص میں تبحر حاصل کیا تو اُس کو رواج نہیں کہتے اب ایک وقت آیا کہ اہلِ یورپ نے اپنی تمام ہمتیں علومِ دنیا کی طرف مصروف کر دیں جن سے ہم تھے نابلد اور وہ بازی لے گئے اور اُن کا حق تھا اب تک بھی تو علم کی طرف سے ہمارے خیالات درست نہیں ہوئے - انگریزوں نے تعلیم پر و بازو اور الوانِ نعمت سے ہم کو زبردستی بار بار کر نمک چشی کے طور پر کچھہ کچھہ چٹایا تو ہم نے بہ مجبوری منہ بنا بنا کر چاٹا اور کلّوں میں لیے رہے آنکھ بچی اور تھوک دیا نہ ہم نے اس کو غذا سمجھا نہ رغبت سے کھایا اور نہ اس سے کچھ فائدہ اُٹھایا - وہ جو کہتے ہیں کہ مُلّا کی دوڑ مسجد تعلیم یافتوں کا قصارائے ہمت نوکری اور اُن کی تعلیم کی بساط بھی اسی قدر، نوکری پر ایسے گرے جیسے آجکل کے کنگلے غلہ پر - نتیجہ کیا نکلا اور اس کے سوا نکلنا ہی کیا تھا کہ ابھی تعلیم نے جیسا چاہیے اور جتنا چاہیئے رواج بھی نہیں پایا اور لوگوں کو ان کی ناکامی دیکھکر تعلیم کی طرف سے بے دلی پیدا ہو گئی لیکن جس زمانے نے اتنی اصلاح کی ہے کہ انگریزی

کی طرف سے اگلی سی وحشت نہیں رہی وہی زمانہ بتدریج اس غلطی کی بھی اصلاح کرکے رہے گا کہ تعلیم کا مقصد صرف نوکری نہیں ہو۔ نوکری کے علاوہ معاش پیدا کرنے کے اور بھی بہت ذریعے ہیں اور کتنے تو ایسے ہیں کہ نوکری کی تو اُن کے آگے کچھ حقیقت نہیں۔ اگرچہ ان وقتوں کے تعلیم یافتوں نے ان ذرایع کے لیے تیاری نہیں کی مگر جتنا کچھ بھی ان لوگوں نے حاصل کیا ہو وہ جیسے نوکری میں تعلیم کی بدولت پیش پیش ہیں اسی تعلیم کے بدولت اپنے ہم پیشوں سے دوسرے ذرائع میں پیش پیش رہیں گے۔ یہ جو یورپ کی صناعیاں ہندوستان کی صنعتوں کو ملیامیٹ کرتی چلی جارہی ہیں یہ اسی تعلیم کے تو نتیجے ہیں تو عجب نہیں کے تعلیم یافتہ ان کاموں کی طرف متوجہ ہوں گے یورپ آپ سے آپ دُم دباکر بھاگے گا۔ بنگلا کے چرٹ سوت موٹا کپڑا ان سب چیزوں کا دار و مدار بھی یورپ پر تھا جب سے ہندوستانیوں نے ان کا بنانا شروع کیا یورپ نے ہاتھ کھینچ لیا۔ تعلیم یافتوں کی بے دلی کو لوگ تو تعلیم کے حق میں مضر خیال کرتے ہیں اور میں اس کو ایک فالِ نیک سمجھتا ہوں۔ پانی ایک جگہہ جمع ہوتا ہو تو وہ اپنا راستہ کہیں نہ کہیں کرکے رہے گا۔ یہی حال تعلیم کا ہو کہ وہ نوکری میں ظاہر نہ ہوگی تو شاید تجارت میں۔ شاید زمینداری میں شاید صنعت میں یا شاید کسی اور شان میں مگر ظاہر ہوکر رہے گی ضرور۔ اب جب زندگانی کی کل حالتوں میں اور کل ضرورتوں میں تعلیم اپنا دخل کرے گی تب ہی جانو کہ قوم اور ملک نے ترقی بھی کی۔ اب مجکو کانفرنس کے متعلق بھی چند الفاظ کہنے چاہئیں اگرچہ گیارہویں گھنٹے ہیں جبکہ سب کارروائی ہوچکی ہے مشت بعد از جنگ ہی کیوں نہ ہو۔ کانفرنس کے انعقاد کے مشتہر ہونے سے پہلے بعض لوگ خیال کرتے تھے کہ گرانی کی وجہ سے امسال کانفرنس نہ ہو اور ہونا چاہیئے بھی نہیں۔ بعض صاحبوں نے یہ خیال مجھ پر ظاہر بھی کیا تو میں نے اس کی سخت مخالفت کی اور کہا کہ ایسے وقت تو کانفرنس ضرور منعقد ہونا چاہیئے یہ گرانی تو ایک عارضی گرانی ہو اور عام ہو اور ایک قحط دائمی اور مستمر آنے والا ہو جو خاص مسلمانوں کے لیئے ہوگا کہ سما ہوگا اور مسلمان بے مقدوری کی وجہ سے شکم سیر نہ کھا سکیں گے اور اگر خدانخواستہ مسلمانوں کی مالی حالت اسی نسبت سے گھٹتی رہی جیسی کہ اب تک گھٹتی چلی آئی ہو

تو اُس دن کو کچھ دور نہ سمجھو۔ ایک مشہور بات ہی اور جس کو کاشتکاروں کے ساتھ کچھ بھی تعلق ہی وہ اس کی تصدیق کرے گا کہ کاشتکار قیمتی اور عمدہ پیداوار سے سرکار کا بھرنا بھرتا اور مہاجن کا قرضہ ادا کرتا اور کم قیمت اور موٹے اناج سے اپنا اور اپنے بال بچوں کا پیٹ پالتا۔ پس وہ عمدہ اناج اپنے لئے نہیں بلکہ دوسروں کے لئے پیدا کرتا ہی اور بے مقدرتی کی وجہ سے اُس کو آپ نہیں کھا سکتا۔ سستے سمے کے معنے کیا ہیں کہ جتنا اناج مثلاً اس وقت ایک روپیہ کو آتا ہی وہ سستے سمے میں آٹھ آنے یا چھ آنے کا آنے لگے۔ لیکن یہ ارزانی اور گرانی اُسی کے لئے ہی جس کی گانٹھ میں پیسے ہوں اور جس بدنصیب مصیبت مند کے پاس پیسہ ہی نہیں اُس کو سستا اور مہنگا دونوں برابر۔ آج کل کی عارضی گرانی کی طرف گورمنٹ سے لے کر خوش باش لوگوں تک سبھی کی توجہیں مصروف ہیں اور اپنی اپنی جگہہ جو جس سے بن پڑتا ہی کر رہا ہی مگر وہ دائمی اور مستمر قحط جو خاص کر مسلمانوں پر آنے والا ہی ایک بڈھے سر سیّد کو تو دیکھتے ہیں کہ اُس کے غم میں گھلا جا رہا ہی باقی جن پر اس قحط کی آفت نازل ہونے والی ہی اُنھیں کو اس کی پروا نہیں تو دوسروں کی بلا کو کیا غرض پڑی ہی کہ پرائی آگ میں جلیں۔ اس عارضی گرانی کے دور کرنے کے لئے لوگوں نے امریکا اور روس اور فارس سے غلہ منگوایا ہی۔ سو دائمی اور مستمر قحط کے دور کرنے کے لئے بھی جو خاص مسلمانوں پر آنے والا ہی اس مرد بزرگ نے یورپ سے لا کر تعلیم کی رسد جمع کی ہی لیکن رسد کے ہوتے سائتے مسلمان بھوکوں مریں اور رسد سے فائدہ نہ اٹھائیں تو اُن کی تقدیر۔ بات یہ ہی کہ کانفرنس میں آ کر اور بات کرنے کو بھی طبیعت مضایقہ کرتی ہی کیا فائدہ ہی بیہودہ بکواس کرنے سے جب کہ شروع سے آج تک کسی رزولیوشن کی پوری پوری تعمیل نہیں ہوئی مسلمان کسی صلاح پر کاربند نہیں ہوئے ورنہ میرے دل میں تھا کہ زیادہ نہیں تو اخباروں کے بارے میں میں بھی ایک رزولیوشن پیش کرتا کہ یہ تعلیمی کانفرنس ہی اور اخبار بھی تعلیم کا ایک قومی ذریعہ ہی تو کیوں کانفرنس ان کی اصلاح کی طرف متوجہ نہ ہو۔ اخباروں کی جیسی روی حالت ہی وہ ظاہر و آشکارا ہی اور میں نے اس کے شواہد بھی جمع کیے تھے مگر ان دنوں میرے پاس فنڈ کی کوتاہی ہی۔ شواہد پیش کروں تو اخبار والے ضرور گالیاں دیں جیسی اُن کی عادت ہی اور گالیاں دیں تو میں ضرور انتقام لوں جیسی میری طبیعت ہی۔ بس میں نے تو ایک ہنٹ[۱] کر دیا ہی۔ اب جن صاحبوں

[۱] اشارہ۔

کورزولیوشن کے پیش کرنے کا شوق ہو اور اُن کورزولیوشن کے خون کے ہدر ہونے سے ایذا نہیں ہوتی میں اُن کو اجازت دیتا ہوں کہ اگر اگلے سال پھر کانفرنس جمع ہوا ور خدا کرے کہ ہوا ور پھر ہوا ور پھر ہو وھلم جرّا یعنی خدا سر سید احمد خاں کو سالہائے دراز تک سلامت رکھے تو کوئی صاحب اخباروں کے بارے میں جو میرے ہم خیال ہوں اس کو ایک مدلل رزولیوشن کے پیرائے میں پیش کر کے کانفرنس سے پاس کرائیں۔ کم سے کم اتنا تو ہو کہ مسلمانوں کے اخبار اپنا[۱۵] ٹون درست کریں سر سید احمد خاں نے مسلمانوں کو کانگریس کی شرکت سے روکا اور وہ رک گئے۔ مگر اخبار ایسی بری طرح سے گورمنٹ اور اس کے عہدہ داروں پر نکتہ چینیاں کرتے ہیں کہ کانگریس کو بھی مات کیا ہو۔ باتیں ہیں کہ منہ تک آتی ہیں مگر وہی فنڈ کی کوتاہی کی وجہ سے میں اُن کو کہہ نہیں سکتا۔

## نظم

عزت نہیں ہنر نہیں پلے ٹکا نہیں
جن کی عمارتیں بہ فلک سرکشیدہ تھیں
جن کے گھروں میں مخملِ رومی کے فرش تھے
تنّور گرم رہتے تھے جن کے شبانہ روز
دادا کو دیکھا عالم و فاضل تھے مستند
باوا فقیر تھے کہ اُنھیں پوجتے تھے لوگ
پشتینی زیردست کریں بد دماغیاں
اول سے ہوتے آئے ہیں دنیا میں انقلاب
ہم بھی اگر زمانے کی گردش میں آگئے
برسوں رہے ہیں ہم یہ کرمہائے روزگار

دنیا میں اب تو جینے کا مطلق مزا نہیں
نسلوں میں اُن کی رہنے کا اب جھونپڑا نہیں
اب اُن کے پاس بیٹھنے کو بوریا نہیں
نوبت یہ ہو کہ چولھے پر اُن کے توا نہیں
پوتے سے پوچھتے ہیں تو حرف آشنا نہیں
بیٹا فقیر ہو کہ کوئی پوچھتا نہیں
اے قوم تجھ میں غیرت و شرم و حیا نہیں
ایک طرح پر کسی کا زمانہ رہا نہیں
تقدیر و بخت و چرخ سے کوئی گلا نہیں
ایک بے رخی پہ روٹھنا شرطِ وفا نہیں

یہ اتفاق وقت نہیں نادر الوقوع — یہ ماجرا عجیب کوئی ماجرا نہیں
مایوس کس لیئے رہیں ہوں نا اُمید کیوں — کوئی مرض نہیں ہی کہ جس کی دوا نہیں
گر سلطنت گئی تو گئی کیا مضائقہ — کیا اس بغیر کوئی جہاں میں جیا نہیں
ہمت خدا مگر نہ ہرائے کہ یہ رہے — اور جائے سب تو جانو ابھی کچھ گیا نہیں
جو بر سرِ عروج ہیں اب فی زمانہ — ان میں بھی جملہ فرد بشر بادشا نہیں
معمور ہیں خزائنِ انعام کردگار — پر کیا کریں کہ ہاتھ ہی اپنا رسا نہیں
خلعت گر اُس کی اپنے بدن پر نہ ٹھیک آئے — ہی جسم کی خطا یہ قصورِ قبا نہیں
جو واقعہ ہی اُس کا سبب ہی کوئی ضرور — ٹوٹا کسی مقام سے یہ سلسلہ نہیں
محنت بغیر مُزد کسی کو نہیں ملا — بے جوتے بوئے کھیت کسی کا پھلا نہیں
پھر یہ جو ہم سبھوں پہ گزرتی ہیں سختیاں — کیا اپنی نالیاقتیوں کی سزا نہیں
فرمادیا ہی صاف کلامِ مجید میں — قسمت میں آدمی کی بجز ما سعیٰ نہیں
کیا روئیے کہ غور سے دیکھا تو واقعی — اپنا ہی ہی قصور کسی کی خطا نہیں
ہم آپ جمنے دیتے نہیں نقش مدعا — ورنہ ہمارے ہاتھ میں سب کچھ ہی کیا نہیں
ہم اہل ہوں تو خوانِ کرم اُس کا ہی وسیع — اوروں کا وہ خدا ہی ہمارا خدا نہیں
جو جس نے مانگا اُس نے دیا سب کو بے دریغ — محروم اُس کے فیض سے کوئی رہا نہیں
کیا دن کو آفتاب نہیں ہے جہاں فروز — یا شب کے وقت نورِ قمر کی ضیا نہیں
دیکھا کسی نے پھینک کے اوپر سے سنگ کو — اور وہ کبھی زمین پہ آخر گرا نہیں
یا آگ کی کمی ہی ہمارے دیار میں — پانی نہیں زمین نہیں یا ہوا نہیں
ہندوستان میں قوتِ برقی کا قحط ہی — یا یاں ٹنوں[۵۱] سٹیم بنا اور اڑا نہیں
یا ہم خدانخواستہ معذورِ بخت ہیں — یعنی کہ چشم و گوش نہیں دست و پا نہیں

۵۱ اٹھائیس من کا ایک ٹن ہوتا ہی ۱۲

معلوم ہے کہ علم پر اب ہے مدارِ کار — اور جس کو یہ نہیں اُسے جینا روا نہیں
پر علم وہ کہ جس سے ہے یورپ کو امتیاز — اس سے مراد شاعریِ ایشیا نہیں
کرتا ہے ایک افسرِ تعلیم یوں رپورٹ — ڈھونڈے سے جب کوئی سبب اسکو ملا نہیں
ہوتے ہیں یوں جو فیل مسلمان بالعموم — ان میں مگر مناسبتِ ہندسہ نہیں
ہے بات یہ کہ جزوِ بدن کس طرح سے ہو — رغبت کے ساتھ کھائی گئی جو غذا نہیں
صدہا برس سے بگڑے ہوئے ہیں مذاقِ قوم — آخر رواج و رسم کوئی شے ہے یا نہیں
چھٹتے ہی چھٹتے چھوٹے گی عادت پڑی ہوئی — دو چار دن کا کام تو یہ مشفقا نہیں
ہاں ایک سبیل ہے کہ علی گڑھ چلے چلو — اس وقت اس سے ہند میں بہتر جگہ نہیں
وہ آکسفورڈ و کیمبرج کا جواب ہے — بس اتنا فرق ہے کہ وہ آب و ہوا نہیں
واں قدردانیاں ہیں تو یاں بدگمانیاں — اور ہمتیں کہ جن کی کوئی انتہا نہیں
واں مدرسوں کے واسطے چندوں کی ریل پیل — یاں یہ سبق کوئی متنفس پڑھا نہیں
واں ہمتیں کہ بامِ فلک پر کریں عروج — یاں بیٹھے پیچھے اُٹھنے کا بھی حوصلہ نہیں
وہ مستعد کہ چل کے کریں سیرِ بروبحر — ہم میں گھروں کی قید سے کوئی رہا نہیں
واں وقت کی یہ قدر کہ ضائع نہ ہو منٹ — یاں روز و ماہ و سال کی پروا ذرا نہیں
وہ محنتی کہ کام میں ہر وقت مشتغل — ہم اینڈا اس لیے کہ کوئی مشغلہ نہیں
ایک ہم کہ ہم کو سو میں سے ننانوے ہیں عار — ایک وہ کہ کوئی کام ہو ہرگز اِبا نہیں
عیسائیوں میں ساری مسلماں کی خصلتیں — اسلامیوں میں اُن کی سی کوئی ادا نہیں
واں اتحاد و یکدلی و الفت و وفاق — یاں ایسے اختلاف کہ کہنے کی جا نہیں
یاں چھوٹی چھوٹی باتوں میں مذہب کی روک ٹوک — واں ایسی مہملات کا کچھ تذکرہ نہیں
مانو نہ مانو ہم کہے دیتے ہیں صاف صاف — جس رنگ میں ہو وقت کا یہ اقتضا نہیں

# اٹھائیسواں لکچر

الملقب بہ

# استمالت

جو

## انجمن حمایت اسلام لاہور کے بارہویں سالانہ جلسہ ۱۸۹۷ء میں دیا گیا

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کسی بزرگ کی نقل ہے کہ اُن کی نماز تہجد ناغہ نہیں ہونے پاتی تھی - پڑھنا نہ پڑھنا تو خیر دوسری بات ہو مگر ابھی تک غنیمت ہو کہ حاضرین میں سے اکثر مسلمان سمجھتے ہونگے کہ نماز تہجد سے کونسی نماز مراد ہو - نماز تہجد سے مراد ہو وہ نماز جو آخر شب میں پڑھی جاتی ہو - ابتدائے اسلام میں یہی ایک نماز تھی پھر جب نماز پنج گانہ فرض ہوئی تو نماز تہجد نافلہ شب قرار پائی - اگرچہ تمام عبادتوں میں نماز بڑی آسان عبادت ہو مگر وہ جو کہتے ہیں ؎

| | | | |
|---|---|---|---|
| مشکل ز توجہ تو آساں | | آساں ز تغافل تو مشکل | |

لوگوں نے غفلت اور بے پروائی سے اس کو ایک مصیبت بنا رکھا ہو وَاِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ اِلَّا عَلَى الْخَاشِعِيْنَ الَّذِيْنَ يَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُلٰقُوْا رَبِّهِمْ وَاَنَّهُمْ اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ ترجمہ (اور البتہ وہ بھاری ہو مگر انھیں پر جن کے دل پگھلے ہیں جن کو خیال ہو کہ اُن کو ملنا ہو اپنے رب سے اور اُن کو اُسی کی طرف اُلٹے جانا) اور یہی وجہ ہو کہ بہتیرے مسلمان تارک الصلوۃ ہیں یا پڑھتے ہیں تو گنڈہ دار کیونکہ وہ يَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُلٰقُوْا رَبِّهِمْ وَاَنَّهُمْ اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ میں نہیں ہیں - اگر اس کا یقین ہو کہ ایک دن خدا کے حضور میں حاضر ہونا ہو - اور حاضر ہونا ہو تو نماز کی پرسش بھی ہونی ہو ؎

| روزِ محشر کہ جاں گداز بود | اولیں پرسش نماز بود |
|---|---|

تو کیوں نماز ترک کی جائے اور کیوں گنڈے وار پڑھی جائے۔ پس نماز کا ترک کرنا یا گنڈے وار پڑھنا نشانِ ضعفِ ایمان ہے۔ نماز پنج گانہ کی آسانی میں تو کچھ بھی شبہ نہیں مگر ہاں نمازِ تہجد البتہ مشکل ہے کیونکہ آخرِ شب کا وقت سونے اور آرام کرنے کا ہے وَجَعَلْنَا نَوْمَكُمْ سُبَاتًا ترجمہ (اور ہم نے تمہاری نیند کو موجبِ راحت بنایا) مگر جیسی مشکل ہے ویسا ہی اس کا ثواب بھی ہے اِنَّ نَاشِئَةَ اللَّيْلِ هِيَ اَشَدُّ وَطْأً وَّاَقْوَمُ قِيْلًا۔ ترجمہ (بے شک رات کا اٹھنا (نفس کو) خوب زیر کرتا ہے اور اس وقت دعا بھی ٹھیک (دل سے) نکلتی ہے) وہ ایک وقت سناٹے کا ہوتا ہے کہ تمام عالم سوتا پڑا ہوتا ہے اور کوئی چیز صارفِ توجہ نہیں ہوتی۔ اس وقت کی نسبت حدیث میں آیا ہے کہ بارگاہِ رب العزت سے ندا ہوتی ہے۔ هَلْ مِنْ مُسْتَغْفِرٍ فَاَغْفِرَ لَهٗ هَلْ مِنْ دَاعٍ فَاَسْتَجِيْبَ لَهٗ ترجمہ (کوئی گناہوں کی معافی مانگتا ہے کہ ہم اس کے گناہ بخش دیں۔ کوئی دعا کرتا ہے کہ ہم اس کی دعا قبول کریں) سبحان اللہ عجب رحمت اور قبولیت کا وقت ہوتا ہے۔ تو جو لوگ ایسے وقت میں عبادت کرتے ہیں ان ہی کی نسبت فرمایا ہے۔ تَتَجَافٰى جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَّطَمَعًا۔ ترجمہ (رات کے وقت) ان کے پہلو بستروں سے آشنا نہیں ہوتے اور (عذاب کے) خوف اور (رحمت کی) امید سے اپنے پروردگار سے دعائیں مانگتے ہیں) غرض وہ یہ نماز تھی جس کی نسبت میں نے کہا تھا کہ کسی بزرگ کی نمازِ تہجد قضا نہیں ہونے پاتی تھی ان کے معتقدین نے "پیراں نمی پرند مریداں می پرانند" کہنا شروع کیا کہ ہر شب بالالتزام سو نفلیں پڑھا کرتے ہیں۔ مشائخ کے حلقوں میں رہنے کا اتفاق ہو تو پیراں نمی پرند مریداں می پرانند کی بہت سی مثالیں نظر سے گزریں۔ مگر مجھ کو تو ساری عمر ایسا اتفاق ہوا نہیں اور بات صاف یہ ہے کہ میں نے اس سلسلے میں داخل ہونے کی ضرورت کو اس وقت تک سمجھا بھی نہیں۔ لَعَلَّ اللّٰهَ يُحْدِثُ بَعْدَ ذٰلِكَ اَمْرًا۔ ترجمہ شاید اس کے بعد اللہ کوئی صورت پیدا کر دے) بزرگوں کے فیضانِ صحبت اور ان کے عمدہ نمونے اور نصیحت سے متاثر ہونے کا تو میں قائل ہوں۔ مگر متعارف بیعت کا طریق ایک معما ہے جس کو میں حل نہیں کر سکا۔ بیعت کا ماخذ تو قرآن میں پایا جاتا ہے۔ ایک تو يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ اِذَا

جَاءَكَ الْمُؤْمِنَاتُ يُبَايِعْنَكَ عَلٰى اَنْ لَا يُشْرِكْنَ بِاللّٰهِ شَيْئًا وَلَا يَسْرِقْنَ وَلَا يَقْتُلْنَ اَوْلَادَهُنَّ وَلَا يَزْنِيْنَ وَلَا يَاْتِيْنَ بِبُهْتَانٍ يَفْتَرِيْنَهٗ بَيْنَ اَيْدِيْهِنَّ وَاَرْجُلِهِنَّ وَلَا يَعْصِيْنَكَ فِيْ مَعْرُوْفٍ فَبَايِعْهُنَّ وَاسْتَغْفِرْ لَهُنَّ اللّٰهَ ترجمہ (اے پیغمبر جب تمہارے پاس مسلمان عورتیں آئیں (اور) تم سے اس پر بیعت کرنی چاہیں کہ کسی چیز کو اللہ کا شریک نہیں ٹھیرائیں گی اور نہ چوری کریں گی اور نہ بدکاری کریں گی اور نہ دختر کشی کریں گی اور اپنے ہاتھ پاؤں کے آگے کوئی بہتان نہیں بنا گھڑا کریں گی اور نیک کاموں میں (جن کے کرنے کا تم حکم دو) تمہاری حکم عدولی نہیں کریں گی تو (ان شرطوں پر) تم اُن سے بیعت لے لیا کرو اور خدا کی جناب میں اُن کی مغفرت کی دعا کرو) اور دوسرے لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ ترجمہ (اے پیغمبر جب مسلمان (ایک کیکر کے) درخت کے تلے تمہارے ہاتھ پر (لڑنے مرنے کی) بیعت کر رہے تھے خدا (یہ حال دیکھ کر اُن) مسلمانوں سے خوش ہوا) اور اِنَّ الَّذِيْنَ يُبَايِعُوْنَكَ اِنَّمَا يُبَايِعُوْنَ اللّٰهَ ۔ يَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَيْدِيْهِمْ ۔ ترجمہ (اے پیغمبر) جو لوگ تمہارے ہاتھ پر (لڑنے مرنے کی) بیعت کر رہے ہیں وہ (تم سے نہیں بلکہ) خدا ہی سے بیعت کر رہے ہیں کہ تمہارا نہیں بلکہ خدا کا ہاتھ ان کے ہاتھوں پر ہے) اور لفظ بیعت کا ماخذ اصل میں باغ ہے جو ہندی میں بانہہ ہاتھ کے معنی میں بولا جاتا ہے اور عجب نہیں کہ ہندی کا بانہہ وہی عربی کا باغ ہو اور عرب کا دستور تھا کہ جب معاہدہ کرتے ۔ تو متعاہدین ایک دوسرے کے ہاتھ پر ہاتھ مارتے اور یہ استحکام معاہدہ کا نشان ہوتا ۔ اور یہاں ہندوستان میں بھی گھوڑوں کے اور کرانے کے دلالوں کو تھپی مارتے دیکھا جاتا ہے ۔ تو جب کوئی نو مسلم داخل اسلام ہوتا یا مسلمان دشمن کے مقابلے میں ثابت قدم رہنے کا عہد و پیمان کرتا اُس سے دستور کے مطابق بیعت لی جاتی تھی مگر ہم نہ تو نو مسلم ہیں اور نہ ہم سے کوئی نیا عہد و پیمان لیا جاتا ہے تو بیعت از برائے چہ ۔ ہمارا وہی عہد فطرت ایک پرانا عہد ہے جو ہم خدا کے ساتھ کر چکے ہیں وَاِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْ بَنِيْٓ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَاَشْهَدَهُمْ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُوْا بَلٰى شَهِدْنَا ترجمہ اور جب تمہارے پروردگار نے بنی آدم سے یعنی اُن کی پیٹھوں سے اُن کی نسلوں کو باہر نکالا اور اُن کے مقابلے میں

خود اُن ہی کو گواہ بنایا (اس طرح پر کہ اُن سے پوچھا) کیا میں تمھارا پروردگار نہیں ہوں؟ سب بولے ہاں ہم (اس بات کے) گواہ ہیں اور ہم نہیں جانتے کہ ہم کو کسی اور عہد کرنے کی بھی ضرورت ہے تو میں نہ مشائخ کے کسی سلسلے میں داخل ہوں نہ میں نے کسی کے ہاتھ پر بیعت کی نہ بیعت کی ضرورت کو سمجھا نہ مشائخوں کے حلقوں میں رہا اور نہ پیراں نمی پرند مریداں می پرانند کی مثالیں میری نظر سے گزریں مگر ہاں ایک **حکایت** پیراں نمی پرند مریداں می پرانند کی سنی ہو کہ کسی پلٹن میں سے ایک کمپنی کی کمپنی کے نام کاٹ دیئے گئے یہ غدر ۵۷ء سے پہلے کی بات ہو اُن دنوں مسلمانوں کی پلٹنوں میں ایک مُلّا قرآنی بھی ہوا کرتے تھے مجھکو معلوم نہیں کہ وہ خدمت سرکاری تھی یا نہیں مگر سرکاری تو کیا ہو گی مُلّا صاحب اپنے طور پر نمازی سپاہیوں کی امامت کر دیا کرتے اور مسئلہ مسائل بتا دیا کرتے ہوں گے۔ غرض جس طرح گوروں کا پادری ہوا کرتا ہو اور سرکار سے تنخواہ پاتا ہو اسی طرح مُلّا قرآنی مسلمانوں کے پادری ہوا کرتے تھے اور مذہبی خدمات ان سے متعلق تھیں لوگ اپنے طور پر ان کے گزر اوقات کا انتظام رکھتے ہوں گے۔ خیر تو جب اُس کمپنی کا نام کٹ گیا تو اُن کے ساتھ مُلّا قرآنی بھی پلٹن سے نکال دیے گئے مگر یہ تھے بڑے چلتے پرزے اُنھوں نے سپاہیوں کو تسکین دی کہ نام کٹ جانے کی مطلق پروا نہ کرو۔ میں ایسے بہت ہنر جانتا ہوں کہ تم سب کے سب زیادہ نہیں دو تین ہی برس میں امیر ہو جاؤ اور تمھاری نظر میں صوبہ داری کی بھی کوئی حقیقت باقی نہ رہے۔ یہ سُن کر سپاہی مُلّا صاحب کے گرد اگرد اس طرح سمٹ آئے جس طرح سنتڑ پر ہتیار لینے کے لیئے جمع ہوتے ہیں۔ تب مُلّا صاحب نے آہستگی سے راز کے طور پر اپنا منصوبہ ظاہر کیا کہ ہم میں سے ایک تو بنے فقیر مجذوب اور باقی اُس کے مرید و معتقد۔ مُلّا صاحب نے یہ بھی کہا کہ اگرچہ فقیر بننے کی مجکو سب سے زیادہ قابلیت ہی لیکن پیر بننا آسان ہو اور مرید بننا مشکل۔ یعنی پریدن آسان ہو اور پرانیدن مشکل۔ یہ کہکر ایک شخص کو متعین کیا جو آسانی سے مجذوب کی صورت بنا سکتا تھا۔ اور اس کو سمجھا دیا کہ تم مطلقاً کسی سے بات چیت نہ کرو۔ یہاں تک کہ ہم لوگوں سے بھی نہیں۔ اور رات کے وقت ہم سب جمع ہو کر اگلے دن کا پروگرام تجویز کر لیا کریں گے

چنانچہ وہ شخص شاہ خاموش بنا اور اُس نے نہ بولنے کا عہد کیا اور یہ ساری کمپنی اُس کے ساتھ ہولی ۔ وہ شاہ صاحب کسی جگہہ تنہا بیٹھ جاتے اور یہ لوگ اُن سے دور دور رہتے ۔ عوام کے دلوں میں فقیروں کی بھی ایک طرح کی ہیبت بیٹھی ہوئی ہے۔ کوئی شخص شاہ صاحب کے پاس جانا چاہتا تو پہلے اُن کے حواشی سے معرفت پیدا کرتا۔ اور حواشی بڑی شد و مد کے ساتھ شاہ صاحب کی کرامات اور خوارقِ عادات کا اُس پر اظہار کرتے۔ کوئی کہتا کہ میں فلاں پلٹن کا صوبہ دار تھا ایک مرتبہ اتفاق سے شاہ صاحب کی نظر مجھ پر پڑ گئی اور میں نہیں جانتا کہ کس بلا کی کشش ہے کہ نہ تو میں نے انجام سوچا اور نہ کسی سے کچھ کہا سُنا۔ بس وہ وقت اور آج کا دن حاضر خدمت ہوں اور شبانہ روز عجیب عجیب کرشمے دیکھا کرتا ہوں مرشد کے قدموں میں رہتے ہوئے مجکو دسواں برس ہے ایک بار ارشاد ہوا تھا کہ جا بچہ گھر والوں سے یا واللہ کر آ اور چلتے وقت ایک بدھنی میں چند کوڑیاں ڈال کر تبرک عنایت ہوا تھا وہ میں گھر والی کے حوالے کر آیا تھا کہ اِس کے اندر جو کچھ بھی ہو اس کو نہ تو دیکھنا اور نہ شمار کرنا۔ اور جب خرچ کی ضرورت ہو مرشد کا نام لے کر نکال لیا کرنا۔ تب سے گھر والوں نے کبھی خرچ کی تنگی کی شکایت نہیں کی اور سوائے اُس بدھنی کے اور کوئی آمدنی نہیں ملا قرآنی نے اس طرح کی گھڑی ہوئی اور بنائی ہوئی کتنی حکایتیں ساتھیوں کو یاد کرا دی تھیں کہ کیسا ہی سیانا آدمی ہوتا بے پھنسے نہ رہتا۔ شروع شروع میں ان لوگوں کو کسی قدر تکلیفیں پہنچیں اور سب لوگ رات کے وقت ملا قرآنی کے سر ہوتے تھے کہ کم بخت تو نے ہم کو گھر بھی نہ جانے دیا اور ملا صاحب اُن کی تسلّی کر دیا کرتے تھے کہ گھبراؤ نہیں عن قریب سب دردّر پاک ہوئے جاتے ہیں۔ چلتے چلتے یہ لوگ لکھنؤ پہنچے اور ان کی شہرت کی لین ڈوری ان سے آگے آگے چلتی تھی۔ یہانتک کہ کسی کی تقریب سے آغا میر کے امام باڑے میں ان کو جگہ مل گئی اور آغا میر نے ایک بڑی عالی شان عمارت میں شاہ صاحب اور اُن کے حواشی کے رہنے کے لیے اُن کی فرمایش کے مطابق اُن کے رہنے کے مکانات بنوا دیئے جب خود شاہ صاحب کے لیے مکان کی تجویز ہونے لگی تو مریدوں نے کہا کہ حضرت

توکسی مکان میں رہنے والے ہی نہیں تحت السمار رہنا پسند فرماتے ہیں۔ اور گرمی برسات جاڑا کوئی موسم ہو کھلے میدان میں بیٹھے رہتے ہیں۔ اور آپ دیکھ لیں گے کہ ساون بھادوں میں سب طرف پانی برستا ہوگا اور شاہ صاحب کی جگہ پر پھوہار کبھی برسے اور کبھی نہ برسے۔ تمام جاڑے برہنہ رہتے ہیں۔ اور ہم نے تو کبھی رونگٹا بھی کھڑے ہوتے نہیں دیکھا۔ اور یوں لوگ دوشالوں کی گٹھریاں چھوڑ جاتے ہیں حضرت کبھی نظر اٹھا کر بھی نہیں دیکھتے۔ لیکن ان تمہیدات کے بعد آغا میر کے اصرار سے شاہ صاحب کے لیئے وسطِ باغ میں ایک بارہ دری بنی اور شاہ صاحب اُس میں پا فروکش ہوئے یعنی مریدوں نے منت سماجت سے اُن کو وہاں بٹھا دیا اب پیراں نمی پرند مریداں می پرانند کا وقت آیا تو اُس پیر گر ملا قرآنی نے تمام انسانی ضرورتوں کو بارہ مدوں میں تقسیم کیا اور بارہ دری کے ہر ایک دروازہ کو ہر ایک مد کے ساتھ نامزد کر دیا اور شاہ صاحب کو شب کے وقت سمجھا دیا کہ لوگ انھیں دروازوں سے سلام کے لیئے حاضر ہوں گے اور ہم ان کا مطلب معلوم کرکے اُن سے کہدیا کریں گے کہ وہاں فلانے دروازے سے جانا۔ آپ اپنی بڑ میں اتنا اشارہ ضرور کر دیا کیجئے گا کہ یہ شخص کس مطلب سے آیا ہے باقی ہم سمجھ لیں گے۔ آغا میر کے یہاں اس گروہ کے ٹھہرنے کی خبر مشتہر ہوئی تو شہر کی خلقت اس کثرت سے ٹوٹی کہ دن رات ایک میلہ لگا رہتا تھا اور شاہ صاحب کے حواشی کے۔ بلے بد وان کوئی جا نہ سکتا تھا۔ یہ چکنی چپڑی باتوں سے گرویدہ کرتے اور بہ مشکل شاہ صاحب تک جانے کی اجازت دیتے مگر اُس خاص دروازے سے جو اس مطلب کے لیئے نامزد کر رکھا تھا۔ یہ شخص ڈرتے ڈرتے دبے پاؤں بارہ دری تک پونہچتا اور رباب الحاجت پر دستک دیتا شاہ صاحب تک بے تک جو کچھ جی میں آتا کہہ دیتے مگر اُس کے مطلب کا ضرور اشارہ ہوتا۔ تھوڑے ہی دنوں میں شاہ صاحب کی یہ کرامت تو سب پر ظاہر ہوگئی کہ کشف الصدور میں تو بڑی دستگاہ رکھتے ہیں اور جب کشف الصدور کا یہ حال ہی تو کشود کار پر بھی لامحالہ قادر ہوں گے۔ یہ ہی پیراں نمی پرند مریداں می پرانند۔ پھر ان لوگوں نے کھایا سو کھایا۔ پہنا سو پہنا۔ تھوڑی ہی مدت میں زر و جواہر بہت کچھ جمع ہوگیا۔ اُس کی تقسیم میں شاہ صاحب اور ملا قرآنی

میں ہوئی تکرار پردہ فاش ہو گیا۔ نوبت بہ عدالت پہونچی سارا مال ومتاع ضبط ہوا اور یہ سب لوگ شہر بدر کر دیے گئے۔ تو وہ بزرگ تہجد گزار جن کا حال میں نے بیان کرنا شروع کیا تھا۔ صرف تہجد پڑھا کرتے تھے۔ مگر اُن کے معتقدین نے جو وہ کہتے ہیں کہ پیران نمی پرند مریداں می پرانند اُن کی نسبت کہنا شروع کیا اور اوراد و وظائف کے علاوہ ہر شب بہ التزام سو نفلیں پڑھا کرتے ہیں کسی طرح یہ بات اُن بزرگ کے کانوں تک پہنچی اور اُنھوں نے سو نفلوں کا پڑھنا اپنے اوپر لازم کر لیا کہ شعر

| | |
|---|---|
| نیک باشی و بدت بیند خلق | بہ کہ بد باشی و نیکت بینند |

مریدوں نے اُن کو سو پڑھتے دیکھ کر سو کی پانسو کر دیں اب اُن بزرگ کو پانسو نفلیں پڑھنی پڑیں مریدوں کی تو صرف ٹکا بھر زبان ہلنی تھی۔ مگر ان بزرگ سے پوچھنا چاہیے کہ وہ کس مشکل سے عہدہ برآ ہوتے ہوں گے۔ مرید جنھوں نے سو کو ایک دم سے پانسو کر دیا تھا اُن کو پانسو سے ہزار کر دینا کیا دشوار تھا۔ مگر ان بیچارے بزرگ کی ہزار میں چولیں ڈھیلی ہو گئی ہوں گی۔ راوی تو حکایت کو ہزار نفلوں پر ختم کرتا ہے۔ مگر نہیں معلوم مریدوں نے اور اُن بزرگ نے بھی بس کیا یا نہیں۔ ہم اُن بزرگ کے تو اس خیال کی توجیہ کرتے ہیں کہ لوگ اُن کو جس قدر مرتاض سمجھتے تھے وہ اس سے زیادہ مرتاض ہونے کی کوشش کرتے تھے۔ مگر ہزار یا پانسو نفلیں تو ہماری سمجھ میں آتی نہیں اچی آخر دو دو رکعتوں کی نیت کرتے ہوں گے۔ پھر فاتحہ اور ضم سورہ اور رکوع اور سجود اور قومہ اور قعدہ یہ سب ارکان بھی تعدیل کے ساتھ ادا کرتے ہوں گے۔ ذری حساب تو لگاؤ کہ پانسو نفلوں میں کتنی دیر لگتی ہے۔ اور اس طرح کی عبادت شرعاً ممدوح بھی نہیں۔ رمضان میں جو لوگ شبینہ سُناتے ہیں اس کو بھی فقہا نے اچھا نہیں کہا اس لیے کہ وَرَتِّلِ الْقُرْآنَ تَرْتِيلًا ترجمہ اور قرآن کو خوب ٹھہر ٹھہر کر پڑھا کرو کی تعمیل نہیں ہوتی۔ اور نہیں ہو سکتی۔ اور حدیث میں آیا ہے کہ جس شخص نے تین دن میں قرآن ختم کیا اُس نے قرآن کو سمجھا ہی نہیں۔ عبادت وہیں تک پسندیدہ ہے جہاں تک خوش دلی اور اطمینان کے ساتھ ہو چنانچہ جناب رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم راتوں میں نماز کو اس

قدر کھڑے رہنے لگے کہ آپ کے پاؤں ورم کر آئے اور خوف تھا کہ کہیں فیل پائے کا روگ نہ لگ جائے تو یہ آیت نازل ہوئی۔ طٰهٰ مَا اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ لِتَشْقٰى۔ ترجمہ (اے پیغمبر) ہم نے تم پر قرآن اس لیے تو نازل کیا نہیں کہ تم (اس کی وجہ سے اس قدر) مشققت اٹھاؤ) اور حدیث میں آیا ہے۔

۵۱ عَنْ اَبِىْ جُحَيْفَةَ قَالَ اٰخَى النَّبِىُّ ؐ بَيْنَ سَلْمَانَ وَاَبِى الدَّرْدَاءِ فَزَارَ سَلْمَانُ اَبَا الدَّرْدَاءِ فَرَاٰى اُمَّ الدَّرْدَاءِ مُتَبَذِّلَةً فَقَالَ لَهَا مَا شَاْنُكِ قَالَتْ اَخُوْكَ اَبُو الدَّرْدَاءِ لَيْسَ لَهٗ حَاجَةٌ فِى الدُّنْيَا فَجَاءَ اَبُو الدَّرْدَاءِ فَصَنَعَ لَهٗ طَعَامًا فَقَالَ كُلْ فَاِنِّىْ صَائِمٌ قَالَ مَا اَنَا بِاٰكِلٍ فَلَمَّا كَانَ اللَّيْلُ ذَهَبَ اَبُو الدَّرْدَاءِ يَقُوْمُ قَالَ نَمْ فَنَامَ ثُمَّ ذَهَبَ يَقُوْمُ فَقَالَ نَمْ فَلَمَّا كَانَ اٰخِرُ اللَّيْلِ قَالَ سَلْمَانُ قُمِ الْاٰنَ فَصَلَّيَا فَقَالَ لَهٗ سَلْمَانُ اِنَّ لِرَبِّكَ عَلَيْكَ حَقًّا وَلِنَفْسِكَ عَلَيْكَ حَقًّا وَلِاَهْلِكَ عَلَيْكَ حَقًّا فَاَعْطِ كُلَّ ذِىْ حَقٍّ حَقَّهٗ

۵۲ عَنْ اَبِىْ مَسْعُوْدِ الْاَنْصَارِىْ قَالَ قَالَ رَجُلٌ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ لَا اَكَادُ اُدْرِكُ الصَّلٰوةَ

۵۱ ابی جُحیفہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلعم نے سلمان اور ابی الدرداء میں بھائی چارہ کرا دیا پس سلمان ابی الدرداء سے ملنے گئے اُنھوں نے ام الدرداء کو ایک مبتذل حالت میں دیکھا اور پوچھا کہ یہ تمھاری کیا حالت ہے اُنھوں نے کہا کہ تمھارے بھائی ابو الدرداء کو دنیا سے کچھ سروکار ہی نہیں اتنے میں ابو الدرداء بھی آ گئے۔ اُن کے لیے کھانا طیار کیا گیا اور کہا کہ کھائیے تو اُنھوں نے کہا کہ میں تو روزے سے ہوں میں کھا نہیں سکتا پس سلمان نے کھا لیا اور جب رات ہوئی تو ابو الدرداء نماز کو چلے گئے سلمان نے کہا کہ سو جائیے تو اُن کے کہنے سے سو گئے پھر دوبارہ نماز کو چلے گئے پھر اُنھوں نے کہا کہ سو جاؤ اور پچھلی رات کو سلمان نے کہا کہ اب اٹھو اور دونوں نے مل کر نماز پڑھی اور سلمان نے ابو الدرداء سے کہا کہ بے شک اللہ تعالیٰ کا حق تم پر ہے اور اسی طرح تیرے نفس کا حق بھی تجھ پر ہے اور تیرے اہل و عیال کا حق بھی تجھ پر ہے پس ہر حق دار کا حق دینا چاہیے۔ ۵۲ ابی مسعود انصاری سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلعم سے کسی شخص نے عرض کیا کہ فلاں شخص ایسی لمبی رکعتیں پڑھتا ہے کہ ہم کو نماز دوبھر ہو جاتی ہے۔ میں نے اُس دن سے زیادہ حضرت کو

مِنْ مَا يُطَوِّلُ بِنَا فُلَانٌ فَمَا رَأَيْتُ النَّبِيَّ صلعم فِي مَوْعِظَةٍ أَشَدَّ غَضَبًا مِنْ يَوْمَئِذٍ فَقَالَ
يَا أَيُّهَا النَّاسُ أَنْتُمْ مُنَفِّرُوْنَ فَمَنْ صَلَّى بِالنَّاسِ فَلْيُخَفِّفْ فَإِنَّ فِيْهِمُ الْمَرِيْضَ وَ
الضَّعِيْفَ وَذَا الْحَاجَةِ - عَنْ أَبِيْ سَعِيْدٍ قَالَ جَاءَتْ اِمْرَأَةٌ إِلَى رَسُوْلِ اللّٰهِ وَنَحْنُ
عِنْدَهُ فَقَالَتْ زَوْجِيْ صَفْوَانُ ابْنُ الْمُعَطَّلِ يَضْرِبُنِيْ إِذَا صَلَّيْتُ وَيُفَطِّرُنِيْ إِذَا صُمْتُ وَ
لَا يُصَلِّي الْفَجْرَ حَتّٰى تَطْلُعَ الشَّمْسُ قَالَ وَصَفْوَانُ عِنْدَهُ قَالَ فَسَأَلَهُ عَمَّا قَالَتْ
فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ أَمَّا قَوْلُهَا يَضْرِبُنِيْ إِذَا صَلَّيْتُ فَإِنَّهَا تَقْرَأُ السُّوْرَتَيْنِ وَقَدْ نَهَيْتُهَا
فَقَالَ لَهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ لَوْ كَانَ سُوْرَةٌ وَاحِدَةٌ لَكَفَتِ النَّاسَ قَالَ وَأَمَّا قَوْلُهَا يُفَطِّرُنِيْ إِذَا
صُمْتُ فَإِنَّهَا تَصُوْمُ لِيَوْمٍ وَأَنَا رَجُلٌ شَابٌّ فَلَا أَصْبِرُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا
تَصُوْمُ امْرَأَةٌ إِلَّا بِإِذْنِ زَوْجِهَا وَأَمَّا قَوْلُهَا إِنِّيْ لَا أُصَلِّيْ حَتّٰى تَطْلُعَ الشَّمْسُ فَإِنَّ أَهْلَ بَيْتٍ
قَدْ عُرِفَ لَنَا ذَاكَ لَا نَكَادُ نَسْتَيْقِظُ حَتّٰى تَطْلُعَ الشَّمْسُ قَالَ فَإِذَا اسْتَيْقَظْتَ يَا صَفْوَانُ
فَصَلِّ - اچھا اسی قسم کی ایک حدیث اور عَنْ أَبِيْ قَتَادَةَ عَنِ النَّبِيِّ صلعم قَالَ إِنِّيْ لَأَقُوْمُ فِي الصَّلٰوةِ
أُرِيْدُ أَنْ أُطَوِّلَ فَأَسْمَعُ بُكَاءَ الصَّبِيِّ فَأَتَجَوَّزُ فِيْ صَلَاتِيْ كَرَاهَةَ أَنْ أَشُقَّ عَلٰى أُمِّهِ -

---

بقیہ نوٹ صفحہ ۱۳۶ — وعظ میں غضبناک کبھی نہیں دیکھا آپ نے فرمایا کہ تم لوگ نماز سے نفرت دلانے والے ہو پس چاہیئے کہ جو شخص جماعت سے نماز پڑہائے تو چھوٹی چھوٹی رکعتیں کرے یعنی طوالت نہ دے کیونکہ مقتدیوں میں بیمار کمزور اور کاروبار والے بھی ہوتے ہیں - ابی سعید سے روایت ہے کہ ہم بیٹھے ہوئے تھے کہ حضرت رسول اللہ صلعم کی خدمت میں ایک عورت حاضر ہوئی اور اُس نے عرض کیا کہ میرا شوہر صفوان ابن معطل میں جب نماز پڑہتی ہوں تو وہ مجھ سے ہم بستری کرتا ہے اور جب میں روزہ رکھتی ہوں تو روزہ تڑوا دیتا ہے اور صبح کی نماز سورج نکلنے تک نہیں پڑہتا وہاں صفوان بھی حاضر تھے حضرت نے عورت کی شکایت کے متعلق اُن سے پوچھا انہوں نے رسول اللہ صلعم سے عرض کیا کہ یہ جو اس نے کہا کہ میں نماز کے وقت اُس سے نزدیکی کرتا ہوں تو یہ دو دو سورتیں پڑہتی ہے حالاں کہ میں نے اسے منع کر دیا ہے آپ نے فرمایا کہ لوگوں کے لیے ایک سورت بھی کافی ہے پھر کہا کہ اور یہ جو اس نے کہا کہ میں اس کا روزہ

خیر تو جو کیفیت اُن بزرگ کی تھی کہ جو مریدوں کے حجرے میں آکر نفلیں پڑھاتے چلے جاتے تھے وہی کیفیت میری ہی مگر افسوس صد افسوس عبادت میں نہیں بلکہ شعر کہنے میں کہ میری اتنی عمر ہونے آئی میں نے کبھی شاعری کا شوق نہیں کیا اور شاعری کا شوق کیا ہوتا تو نہ میں نوکری کر سکتا نہ کوئی کتاب تصنیف یا تالیف کر سکتا اور نہ کلامِ مجید کا ترجمہ کر سکتا اور نہ لکچر دے سکتا غرض شاعری کے سوا اور کچھ کر نہ سکتا۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ مرزا ارشد شاعری اور مدرسی دو متضاد مشغلوں کو کس طرح جمع کرتے ہیں مگر یہ اُن کی صفتِ خداداد ہی نہ میرا کوئی تخلص ہی اور نہ مجکو اس لایعنی مشغلے کے لیے کبھی فرصت ملی اور صاف بات یہ ہی کہ ہمارے یہاں کی شاعری کا مذاق ایسا بگڑا ہی کہ جہاں قومی تنزل کے اور اسباب ہیں ان میں میرے نزدیک ایک بڑا سبب یہ کم بخت ایشیائی شاعری بھی ہی۔ اس میں شک نہیں کہ ہمارے وقتوں میں مولوی حالی نے نظمی مذاق کی بہت کچھ اصلاح کی ہی۔ مگر اب بھی میں نوجوان لڑکوں کی طرف سے مطمئن نہیں ہوں اور میں نہیں دیکھنا چاہتا کہ ان میں شاعری کا مذاق پیدا کیا جائے ان کو شاعری کی چاٹ لگی اور انھوں نے جان صاحب کا دیوان خریدا اور جان صاحب کا دیوان ہاتھ میں لیا اور خود جان صاحب ہوئے۔ مگر کون جان صاحب وہ جان صاحب جن کی نسبت فرمایا ہی وَالْجَانَّ خَلَقْنَاهُ مِن قَبْلُ مِن نَّارِ

بقیہ نوٹ صفحہ ۱۳۷ ـ توڑ دادیتا ہوں تو یہ آئے دن روزے رکھا کرتی ہی اور میں جوان شخص ہوں مجھے صبر نہیں آتا تو آپ نے فرمایا کہ کسی عورت کو بلا حکم اپنے شوہر کے روزہ نہ رکھنا چاہیے اور یہ جو اس نے کہا ہے کہ دن نکلتے تک میں نماز نہیں پڑھتا تو میرے سارے گھر والے جانتے ہیں کہ سورج نکلتے تک میری آنکھ ہی نہیں کھلتی (میں کیا کروں) آپ نے فرمایا کہ اے صفوان (خیر) جب تم بیدار ہو جب ہی نماز پڑھ لیا کرو۔ ابی قتادہ رسول اللہ صلعم سے روایت کرتے ہیں کہ میں جب نماز میں کھڑا ہوتا ہوں تو میرا ارادہ لمبی رکعت پڑھنے کا ہوتا ہی لیکن میں بچوں کے رونے کی آواز سن کر اپنی نماز میں تخفیف کر دیتا ہوں (کیوں کہ عورتیں بھی شریک جماعت ہوتی تھیں) اور میں اس بات کو مکروہ سمجھتا ہوں کہ اُس کی ماں یعنی بچوں کی ماں پر سختی کروں ۱۲۰

السَّمُوۡمِ ترجمہ (اور جنہوں کو ہم نے پیدا کیا گرم آگ سے) یہ لوگ جو خلافِ اخلاق شاعری کرتے ہیں۔ جو دین کا استخفاف کرتے ہیں جو بزرگانِ دین کی ہنسی اُڑاتے ہیں پورے پورے مصداق ہیں اس آیت کے لِيَحْمِلُوْٓا اَوْزَارَهُمْ كَامِلَةً يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ وَمِنْ اَوْزَارِ الَّذِيْنَ يُضِلُّوْنَهُمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ اَلَا سَاۗءَ مَا يَزِرُوْنَ۔ ترجمہ (کہ اٹھاویں بوجھ اپنے پورے دن قیامت کے اور جو کچھ بوجھ ان کے جن کو وہ بہکاتے ہیں بے تحقیق سنتا ہی۔ بُرا بوجھ ہی جو اُٹھاتے ہیں آئی) اسلامیہ کالج کے اسٹاف تمہارا نہ صرف یہ کام ہو کہ طالب علموں کو یونیورسٹی کے امتحان میں پاس کرا دو اور اسکو اپنی اور اپنے کالج کی بڑی کامیابی سمجھو۔ نہیں تمہارا بڑا ضروری کام ہو طالب علموں کے چال چلن کی حفاظت کہ اگر یہ کچّی لکڑیاں اس وقت کج ہو گئیں تو پھر ساری عمر سیدھی ہونے والی نہیں اور اگر ان کا چال چلن ٹھیک نہیں یہ اپنے دین و مذہب پر قائم نہیں یہ اپنی سوسائٹی کو وقعت کی نظر سے نہیں دیکھتے تو ان کے امتحان نہ قوم کے حق میں مفید ہیں اور نہ خود ان کے حق میں۔ انگریزی دانوں کے لیے اس قسم کی ترغیبات کثرت سے موجود ہیں۔ کہ دینِ حق سے منحرف ہوں قوم اور سوسائٹی سے متنفر اور افسوس ہو کہ بہت سے لوگ ان ترغیبات کے مطیع اور منقاد ہو جاتے ہیں۔ وہ اپنی سوسائٹی میں رہنا نہیں چاہتے۔ اور جس سوسائٹی میں جانا چاہتے ہیں وہ اپنے میں ان کو شامل نہیں کرتی۔ اور جب تک حاکم و محکوم کا تفرقہ ہو شامل کرے گی بھی نہیں "ازیں سو رانده وازاں سو درمانده" نہ اِدھر نہ اُدھر یہ بلا کدھر مُذَبْذَبِيْنَ بَيْنَ ذٰلِكَ لَآ اِلٰى هٰٓؤُلَاۗءِ وَلَآ اِلٰى هٰٓؤُلَاۗءِ ترجمہ (وہ مذبذب ہیں اس میں نہ اِدھر کے نہ اُدھر کے) اب لاؤ اس شاعری کے بیان کو ختم کریں تو غرض یہ ہو کہ جس طرح وہ شب زندہ دار بزرگ مریدوں کے بھرے میں آکر ہزار پانسو نفلیں پڑھنے لگے تھے میں بھی لوگوں کے کہے میں آکر شعر کہنے لگا۔ مگر جیسی اُن کی نفلیں ہوتی ہوں گی ویسے ہی میرے شعر ہوتے ہیں۔ پچھلے محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس میں بڑی شد و مد کے ساتھ اعتراضات ہوئے کہ کانفرنس عملاً کچھ نہیں کرتا بلکہ لوگوں نے اس کو مشاعرے کی محفل بنا لیا ہی میں تو سمجھا کہ خدا نے شعر گوئی سے پیچھا چھڑایا مگر آپ لوگ تعجب کریں گے۔ کہ جو

صاحب بڑی شد و مد کے ساتھ شعر گوئی پر اعتراض کرتے تھے وہی بڑی شد و مد کے ساتھ مجھ سے نظم کی درخواست بھی کرتے تھے۔ ادہر تمھارے یہاں پارسال کسی صاحب نے میرا نام لے کر کہہ دیا کہ وہ ہمیشہ لکچر سے پہلے ضرور نظم پڑہا کرتا ہی۔ ہمیشہ اور ضرور تو نہیں مگر ہاں پڑہا کرتا ہوں اور سمجھتا ہوں کہ جس طرح یونانی طبیبوں کے ہر ایک نسخہ میں شربت ہوتا ہی یا خمیرہ یا مصری کہ شیرینی کے شمول سے طبیعت دوا کو قبول کرے اسی طرح نظم کے شمول سے لوگ لکچر کو رغبت سے سنیں خیر تو جو لکچر میں دینے والا ہوں اُس کی تمہیدی نظم یہ ہی۔ اور اس طرح کو اسد اللہ خاں غالب مجھ سے پہلے اختیار کر چکے ہیں۔ چنانچہ وہ فرماتے ہیں ؎

| | |
|---|---|
| زندگی اپنی جو اس طرح سے گزری غالب | ہم بھی کیا یاد کریں گے کہ خدا رکھتے تھے |

## نظم

| | |
|---|---|
| ہائے وہ دورِ موافق کہ مسلمان کبھی | حشمت و سلطنت و لیسر و غنار کھتے تھے |
| حاکمِ وقت تھے اور مُلک سے لیتے تھے خراج | تاجِ شاہنشہی و چتر و لوار کھتے تھے |
| رعب دیتا تھا اُنھیں لشکرِ جرّار کا کام | کہ زمانے میں بلندی اپنی ہوا رکھتے تھے |
| فتح اک خادمہ تھی اُن کی اور اقبال غلام | مختصر یہ ہی کہ پلّے یہ خدا رکھتے تھے |
| وہ بھی انساں تھے ہماری ہی طرح کے انساں | یہی صورت تھی اور ایسے ہی قویٰ رکھتے تھے |
| ہاتھ پاؤں اُن کے بھی دو دو ہی ہوا کرتے تھے | وہ بھی دو آنکھیں دو گوش شنوا رکھتے تھے |
| وہ بھی تھے عالمِ اسباب میں محکومِ قضا | نہ کوئی قاعدہ قانون نیا رکھتے تھے |
| بین ستّین و سبعین تھی مقدارِ حیات | اور یہی ضابطۂ صبح و مسا رکھتے تھے |
| مشکلیں اُن کو بھی پیش آتی تھیں وقتاً وقتاً | وہ بھی احساسِ تکالیف و عنا رکھتے تھے |
| پھر وہ کیا نقص ہی جو ہم میں ہی اور اُن میں نہ تھا | کونسا وصف وہ اپنے میں سوا رکھتے تھے |
| غیر ازیں ہم کو دکھائی نہ دیا فرق کہ وہ | دل جدا دل کے خیالات جدا رکھتے تھے |
| دل نہ تھے آئینہ تھے صاف مجلّیٰ شفاف | نورِ ایمان کی صیقل کی ضیا رکھتے تھے |

دین و دنیا کو برتتے تھے مگر عدل کے ساتھ ۔۔۔ دونوں پلّوں کو ترازو کے تُلا رکھتے تھے
متوکل تھے مگر کوشش و تدبیر کے ساتھ ۔۔۔ اُونٹ کو تھان پہ کھونٹی سے بندھا رکھتے تھے
طالبِ عزتِ دنیا تھے فقط دیں کے لئے ۔۔۔ ورنہ دنیا کو وہ نظروں سے گرا رکھتے تھے
کارِ دنیا میں تھے مشغول بظاہر ہمہ تن ۔۔۔ دل مگر یادِ الٰہی میں لگا رکھتے تھے
وعدہ کرتے تھے تو بات اُن کی تھی پتھر کی لکیر ۔۔۔ قول کے مرد تھے اور پاسِ وفا رکھتے تھے
امن دیتے تھے تو ہو جاتے تھے آپ اُس کی سپر ۔۔۔ نہ کہ کہہ دیتے تھے اور دل میں دغا رکھتے تھے
مستحقِ حق کی ضرورت اگر آ پڑتی تھی ۔۔۔ کہہ گزرتے تھے نہ کچھ باک ذرا رکھتے تھے
ڈانٹ بتلائی ہی بڑھیوں نے بلا خوف و خطر ۔۔۔ بادشاہوں کو اگر قصدِ خطا رکھتے تھے
جنتری ہیں سے شریعت کی وہ نکلے تھے قوم ۔۔۔ عادت و طور و طریقِ صُلحا رکھتے تھے
اُن کے انفاق تھے ایثار کہ دیکھے نہ سُنے ۔۔۔ گرچہ دنیا میں بہت جود و سخا رکھتے تھے
آپ سو رہتے تھے مہمان کی خاطر بھوکے ۔۔۔ بلکہ بچوں کو بھی فاقے سے سُلا رکھتے تھے
سر بکف رہتے تھے اسلام کی خاطر ہمہ وقت ۔۔۔ الغرض قوم پہ اپنے کو فدا رکھتے تھے
ایک کر ڈالا تھا یاروں نے پسینا اور خون ۔۔۔ تب کہیں دین کے گلشن کو ہرا رکھتے تھے
فتنہ پرداز کوئی قوم کے حق میں ہووے ۔۔۔ خلل انداز وہ کب اُس کو روا رکھتے تھے
فقر و فاقہ کے وہ خوگر تھے بلا استکراہ ۔۔۔ پیٹ کو بھوک کی شدت میں کسا رکھتے تھے
بے تکلف تھے سپاہی منش آزاد مزاج ۔۔۔ دین دارانہ ہر ایک آن و ادا رکھتے تھے
ایک درجے میں گنے جاتے تھے آقا و غلام ۔۔۔ نہ کم و بیش نہ چھوٹا نہ بڑا رکھتے تھے
جتنی باتیں ہیں فضیلت کی شرف کی اُن میں ۔۔۔ سب سے اپنا قدم آگے کو بڑھا رکھتے تھے
جھٹ اُڑا لیتے نئی چیز اگر دیکھ پڑیں ۔۔۔ عار رکھتے نہ تھے اور ذہن رسا رکھتے تھے
بس وہ ممتاز تھے ممتاز تھے بلا استحقاق ۔۔۔ لاجرم مسندِ عزت پہ جگہ رکھتے تھے
کاش وہ دن ہو کہ ہم بھی کہیں ہم رکھتے ہیں ۔۔۔ کیا ہوا اِس سے کہ سو بار کہا رکھتے تھے

| اِس قدر بے سروساماں ہیں کہ آئے نہ یقیں | کھیئے کس مُونہ سے کہ ہم بھی کبھی کیا رکھتے تھے |
| --- | --- |

حاضرین میں سے کوئی فرد بھی ایسا نہیں جس نے اپنے بزرگوں کی شان و شوکت اپنی آنکھوں سے دیکھی ہو۔ مگر ہاں کہیں کہیں کچھ پُرانی عمارتیں زبانِ حال سے بتا رہی ہیں یا تاریخوں کے پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں کی کمپنی بھی دنیا کے تھیٹر میں ایک بڑا ایکیٹ کر گئی ہے جو مدتوں یاد رہے گا۔ لیکن دیکھنا یہ ہے کہ مسلمان کیوں کر بڑھے چڑھے اور کیوں کر گرے اُترے۔ اسی سے ہر شخص اپنی جگہ سمجھ لے گا کہ آیا پھر بھی ان کے پنپنے سنبھلنے کی توقع ہے یا نہیں مسلمان کوئی اجنبی مخلوقات نہیں ہیں بلکہ پیغمبر صاحب آخر الزماں کی بعثت کے وقت جو لوگ موجود تھے کچھ یہودی کچھ عیسائی کچھ آتش پرست کچھ ستارہ پرست کچھ بت پرست کچھ دہریئے انھیں میں سے بعض نے پیغمبر صاحب کے سکھانے سمجھانے سے خدائے واحد کی پرستش اختیار کی اور ایک گروہ ممتاز بنا اور از بسکہ اسلام کی تعلیم بالکل فطرت کے مطابق تھی۔ اور کوئی منصف مزاج آدمی اس سے انکار نہیں کر سکتا تھا۔ وہ گروہ صاف اپنے معتقدات کی سادگی اور صداقت کی بنیاد پر باوجود گوناگوں مخالفتوں اور مزاحمتوں کے بڑھتا اور پھیلتا اور ترقی کرتا چلا گیا کَزَرۡعٍ[۱] اَخۡرَجَ شَطۡـَٔهٗ فَاٰزَرَهٗ فَاسۡتَغۡلَظَ فَاسۡتَوٰى عَلٰى سُوۡقِهٖ يُعۡجِبُ الزُّرَّاعَ اسلام جیسا خود فطرۃ کے مطابق ہے ویسی ہی اُس کی ترقی بھی خود بالکل فطرۃ کے مطابق ہوئی اور اُس کا تنزل بھی بالکل فطرۃ کے مطابق ہو رہا ہے۔ اور اسلام کی کیا تخصیص ہے دنیا کے جتنے واقعات ہیں سب ہی فطرۃ کے مطابق ہوا کرتے ہیں فَلَنۡ[۲] تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَبۡدِيۡلًا ۚ وَلَنۡ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَحۡوِيۡلًا۔ اسلام بڑھا جس طرح ایک سچے مذہب کو بڑھنا چاہیئے تھا۔ یعنی سب سے پہلے اُس کی پارٹی میں داخل ہوئے ضعفا

---

[۱] جیسے کھیتی کہ اس نے (پہلے زمین سے) اپنی سوئی نکالی پھر اُس نے اغذائے نباتی کو ہوا اور مٹی سے جذب کرکے اپنی اُس (سُوئی) کو قوی کیا چنانچہ وہ (رفتہ رفتہ) موٹی ہوئی (یہانتک کہ) آخر کار (کھیتی) اپنی نال پر سیدھی کھڑی ہو گئی (اور اپنی سرسبزی سے) لگی کسانوں کو خوش کرنے ۱۲ [۲] تو اے پیغمبر تم خدا کے قاعدے کو ہرگز بدلتا ہوا نہ پاؤ گے اور نہ خدا کے قاعدے کو کبھی ٹلتا ہوا پاؤ گے ۱۲

جن کو راستی کے مان لینے میں کوئی امر از قسم حب جاہ و مال مانع نہیں ہو سکتا تھا۔ دنیاوی حالت کی خستگی کی وجہ سے ان کے دل اصلی اور روحانی تشفی کے جویا تھے اور وہ ان پر پیش کی گئی اور اُنھوں نے اس کو ایسے شوق سے لیا جیسے پیاسا شربت کو یا بھوکا غذائے لطیف کو۔ اِن کو طرح طرح کے عذاب دیئے گئے مگر اُنھوں نے وہی کہا جو فرعون کے جادوگروں نے کہا تھا جب وہ موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لا چکے تھے ۵۷ فَأُلْقِيَ السَّحَرَةُ سُجَّدًا قَالُوا آمَنَّا بِرَبِّ هَارُونَ وَمُوسَىٰ قَالَ آمَنتُمْ لَهُ قَبْلَ أَنْ آذَنَ لَكُمْ إِنَّهُ لَكَبِيرُكُمُ الَّذِي عَلَّمَكُمُ السِّحْرَ فَلَأُقَطِّعَنَّ أَيْدِيَكُمْ وَأَرْجُلَكُم مِّنْ خِلَافٍ وَلَأُصَلِّبَنَّكُمْ فِي جُذُوعِ النَّخْلِ وَلَتَعْلَمُنَّ أَيُّنَا أَشَدُّ عَذَابًا وَأَبْقَىٰ قَالُوا لَن نُّؤْثِرَكَ عَلَىٰ مَا جَاءَنَا مِنَ الْبَيِّنَاتِ وَالَّذِي فَطَرَنَا فَاقْضِ مَا أَنتَ قَاضٍ إِنَّمَا تَقْضِي هَٰذِهِ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا إِنَّا آمَنَّا بِرَبِّنَا لِيَغْفِرَ لَنَا خَطَايَانَا وَمَا أَكْرَهْتَنَا عَلَيْهِ مِنَ السِّحْرِ وَاللَّهُ خَيْرٌ وَأَبْقَىٰ یہی حال تھا بلالؓ کا کہ وہ ایک مشرک کے غلام تھے اور وہ ان کو عرب کی گرمیوں میں تپے ہوئے کنکروں پر دھوپ میں لٹا کر اوپر سے پتھر رکھ دیتا اور ان سے کفر بکوانا چاہتا۔ سارے دن اسی عذاب میں مبتلا رہتے۔ اور شام کو احد احد کرتے اُٹھتے اور بلال رضی اللہ عنہ کے علاوہ عمار بن یاسر کی والدہ کو مشرکوں نے اسلام کی وجہ سے بڑی بے دردی اور فضیحت سے مار ہی ڈالا تھا

۵۷ تو یہ دیکھ کر) جادوگر سجدے میں گر پڑے (اور) لگے کہنے کہ ہم ہارون اور موسیٰ کے پروردگار پر ایمان لائے (فرعون نے) کہا کیا قبل اس کے کہ ہم تم کو اجازت دیں تم موسیٰ پر ایمان لے آئے ہو نہ ہو یہ تمہارا بڑا (گرو) ہے جس نے تمکو جادو سکھایا ہے تو تمہارے ہاتھ اور تمہارے پیر اُلٹے (سیدھے) کاٹ ڈالوں اور تم کو کھجوروں کے تنوں پر سولی چڑھاؤں تو سہی اور (اب) تم کو اچھی طرح) معلوم ہو جائے گا کہ ہم (دونوں فریقوں) میں کس کی مار زیادہ سخت اور دیرپا ہے (جادوگر) بولے کہ کھلے کھلے معجزے جو ہمارے سامنے آئے ان پر اور جس (خدا) نے ہم کو پیدا کیا ہے اُس پر تو ہم تجھ کو کسی طرح ترجیح دینے والے ہیں نہیں تو جو تو کرنے والا ہو کر گزر۔ تو دنیا کی اسی زندگی (کے بارے) میں حکم چلا سکتا ہے اور بس ہم اپنے پروردگار پر ایمان لا چکے ہیں تاکہ وہ ہمارے گناہوں کو معاف کرے اور (خاص کر) جادو (کے گناہ) جس پر تُو نے ہم کو مجبور کیا اور اللہ (کی دین تیری دین سے) بہتر اور زیادہ دیرپا ہے ۱۲

تھا۔ اور اس طرح کی سینکڑوں مثالیں تاریخ کی کتابوں میں لکھی ہوئی موجود ہیں۔ پھر سب سے پہلے اسلام میں داخل ہوئے وہ لوگ جو پیغمبر صاحب کے ساتھ گہرا اختلاط اور ان کے حالات سے پوری پوری آگہی رکھتے تھے۔ مثلاً اُم المومنین خدیجۃ الکبریٰ۔ علی بن ابی طالب۔ حضرت ابو بکر۔ اور یہ لوگ اسلام میں داخل ہوئے بھی تو ایسے نازک وقت میں جب بڑے سے بڑا دور اندیش آدمی بھی نہیں سمجھ سکتا تھا کہ اسلام کو بھی کبھی دنیاوی عروج ہوگا۔ کسی شخص کے چال چلن کی نسبت صحیح رائے قائم کرنے کا آسان کام نہیں ہو۔ مثلاً اُم المومنین خدیجۃ الکبریٰ کا اپنے شوہر پیغمبر صاحب پر ایمان لانا اس کا محل یہ بھی ہو سکتا ہو کہ وہ پیغمبر صاحب کو خوش کرنے کے لیئے اُن کی خاطر سے ایمان لے آئی ہوں۔ مگر مجرد ام المومنین خدیجہ اور پیغمبر صاحب کے تعلق زناشوئی کی بنا پر حضرت خدیجہ رضی کے ایمان کی طرف سے بدگمان ہونا انصاف کی بات نہیں۔ ایسی بہت سی مثالیں موجود ہیں کہ ایمان کے مقابلے میں لوگوں نے ان تعلقات کی مطلق پروا نہیں کی بلکہ اختلافِ عقاید زن و شو کے ایک دوسرے سے چھوٹ جانے کا باعث ہوا ہو۔ میں ایسے کئی خاندانوں کے حال سے واقف ہوں کہ ایک میں بی بی سُنی ہو اور شوہر شیعہ ان دونوں میں اختلافِ مذہب کی وجہ سے ایسی اَن بن رہا کرتی ہو کہ جُھوسٹے داخل ہیں۔ ابھی حال میں ایک غیر مقلد عورت نے شوہر سے صرف اس لیئے طلاق لی کہ وہ بڑا غالی مقلّد تھا۔ ایک منگنی جس سے طرفین رضامند تھے نہیں ہوئی۔ صرف اس وجہ سے کہ لڑکا علی گڈھ کالج میں پڑھتا اور انگریزی لباس رکھتا ہو۔ میں نے اپنے عزیزوں میں ایک مولوی کو اپنی بیوی سے لڑتے دیکھا۔ مولوی صاحب بیوی سے معتقدانہ ادب کے خواہاں تھے اور بی بی اُن سے کہہ رہی تھی کہ موئے میں تیرے رگ و ریشہ سے واقف ہوں۔ بہت میرے سر چڑھے گا تو ابھی سارا لفافہ اُدھیڑ کر رکھ دونگی۔ حضرت خدیجۃ الکبریٰ کی نسبت معلوم ہو کہ اسلام میں آنے سے پہلے اعلیٰ درجے کے مذہبی خیالات رکھتی تھیں۔ وہ پیغمبر صاحب کی راستی اور دیانت کی گرویدہ ہوئیں اور اُن کو شام کی طرف قافلہ سالار بنا کر بھیجا اور آخر کار اپنے نکاح کا پیام دیا ان کے خاندان میں دین و مذہب کا بڑا چرچا تھا۔ ان کے چچازاد بھائی ورقہ بن نوفل تورات کے بڑے عالم تھے۔ اور جب پیغمبر صاحب کو

نزول وحی کی ابتدا میں خوف ہوا اور غارِ حرا میں جہاں اکیلے بیٹھ کر عبادت کیا کرتے تھے ڈر کر بھاگے اور خدیجہؓ سے گھر آکر کہا کہ میں نامانوس آوازیں سنتا ہوں اور مجکو عجیب عجیب شکلیں دکھائی دیتی ہیں۔ وہ ان کو ورقہ پاس لے گئیں اور ورقہ نے پیغمبر صاحب سے کہا کہ وہ ناموس اکبر یعنی جبریل فرشتہ ہی جس کو تم نے دیکھا۔ اور اگر میں تمہارے مبعوث ہونے تک زندہ رہا تو تمہارے مددگاروں میں ہوں گا۔ اور حضرت خدیجۃ الکبریٰ یہ کہکر پیغمبر صاحب کی تشفی کرتی رہیں۔ اِنَّکَ[۵] تَکْسِبُ الْمَعْدُوْمَ وَتَقْوِی الضَّیْفَ وَتُعِیْنُ عَلٰی نَوَائِبِ الْحَقِّ وَتَصِلُ الرَّحْمَ تم جیسے نیک بندے کو ہرگز خدا ضائع نہیں ہونے دے گا۔ کیا ایسی نیک نہاد بی بی کی نسبت ایک لمحہ کے لیے بھی ایسا شبہ کیا جاسکتا ہی کہ وہ پیغمبر صاحب کی خاطر سے اسلام لائیں۔ بات یہ ہی کہ جو لوگ اسلام کی صداقت کی طرف سے کسی طرح کا شک رکھتے ہیں وہ نہ تو اسلام کی حقیقت سے واقف ہیں نہ مسلمانوں کا برتاؤ اُن کو حقیقتِ اسلام سے واقف ہونے دیتا ہی اور نہ اُن کو تاریخی واقعات سے آگہی ہی۔ اُن وقتوں کے اہلِ عرب میں اسلام کا رواج پانا ہی اسلام کی آسانی اور صداقت کی کافی دلیل ہی۔ جو شخص شبہ کرتا ہی کہ اسلام نے تلوار کے زور سے رواج پایا۔ اگر عرب (ان وقتوں کا عرب) ہمارے ہندوستان جیسا ہوتا۔ اور وہاں کے باشندے (اُن وقتوں کے باشندے) ہماری طرح کے آرام طلب۔ کاہل۔ بزدل۔ ڈرپوک ہوتے تو سب سے پہلے ہم آپ شبہ کرتے ہمارا حال تو یہ ہی کہ اتنا بڑا ہندوستان اور اس میں سکھ اور گورکھے اور مرہٹے اور جاٹ اور مسلمان ایک سے ایک سورما اور کوڑیوں نیٹو سٹیٹ (ہندوستانی ریاستیں) اور سب کے پاس گڑھیاں اور قلعے اور لشکر اور ہتیار اور ایسے وسیع اور مختلف العناصر ملک میں کلھم بہتر ہزار گورے اور ایسی قہرمانی حکومت کہ ہندوستان کی تاریخ میں اس کی نظیر نہیں۔ ہم اسلام کی نسبت شبہ کرتے ہیں تو اُن وقتوں کے اہلِ عرب کو اپنے اوپر قیاس کر لیتے ہیں۔ حالانکہ اُن کا بچہ بچہ پیدایشی سپاہی

[۵] تو اس چیز کو حاصل کرسکتا ہی جو دوسرے کسی کو نہ مل سکے اور تو مہمان کی عزت کرتا ہی تو حادثات میں لوگوں کی مدد کرتا ہی اور صلۂ رحم کرتا ہی۔ ۱۲

تھا۔ عورتوں کی سنگ دلی کی ایسی مثالیں ہیں کہ اُن کو سُن کر کلیجہ دہل جاتا ہو کہ ابوسفیان کی عورت ہندہ حضرت حمزہؓ کا کلیجہ نکال کر کھا گئی۔ ہم سے تو کوئی لاش کے پاس جانے کو کہے تو سہا ؤ نہ پڑے وہ لوگ مرنے مارنے کو ایک کھیل سمجھتے تھے۔ وہ کبھی کسی کے مطیع ہو کر نہیں رہے اور اب بھی نہیں۔ اِن کو زیر کرنے کے لیے اکیلی تلوار ہرگز کافی نہ تھی اسلامی گورمنٹ اول ڈویل (مدغم) گورمنٹ تھی۔ یعنی پیغمبر صاحب دینی اور دنیاوی دونوں حکومتوں کے جامع تھے۔ مگر گورمنٹ کا یہ رنگ پیغمبر صاحب کی حیات تک رہا۔ اس لیے پیغمبری کی حکومت شخصی حکومت تھی۔ پیغمبر صاحب کی وفات کے بعد خلافت راشدہ تک بھی اُس کی شان باقی رہی اور پھر دوسری گورمنٹوں کی طرح ملک مخصوص ہو گیا۔ یعنی نری دنیاوی حکومت۔ دنیاوی حکومت زبردستی پیغمبر صاحب کے پلے باندھی گئی تھی۔ یعنی اسلام کے مخالفوں نے خود چھیڑ چھاڑ کی۔ پیغمبر صاحب نے وہاں تک طرح دی جہاں تک طرح دینا ممکن تھا ایذاؤں پر صبر کیا۔ مجبور ہو کر جلاوطنی اختیار کی۔ پردیس میں بھی دشمنوں نے چین سے نہ بیٹھنے دیا۔ ناچار اپنے بچاؤ کے لیے مقابلہ کرنا پڑا بچاؤ کرتے خدا ملک فتح کرا دے تو یہ اُس کی دین ہو۔

ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ۔ ؎۱

| | | | |
|---|---|---|---|
| خدا کی دین کا موسیٰ سے پوچھیے احوال | کہ آگ لینے کو جائیں پیمبری ہو جائے | | |

ہم اس سے انکار نہیں کرتے کہ اسلام کو تلوار سے مدد نہیں ملی۔ مگر دنیا میں کسی ایک مذہب کا نشان دو جس کا پہیہ سلطنت کی چکنائی کے بدون چلا ہو۔ یہود کی تاریخ پڑھو کہ موسیٰ علیہ السلام کے وقت میں اور اُن کے بعد کتنی خونریزی ہوئی۔ یہود کے بعد آئے عیسائی سو عیسائیت نے بھی اُسی سے رواج پایا کہ روم کا بادشاہ کانسٹنٹائن عیسائی اور نہ صرف عیسائی بلکہ عیسائی گر ہو گیا سکھوں کے مذہب نے جس طرح رواج پایا سب کو معلوم ہو۔ لکھنؤ میں ہم نے دیکھا کہ وہاں کے بادشاہ شیعی مذہب تھے تو ہندو تک تعزیہ داری کرنے لگے تھے اور ابھی تک کرتے ہیں۔ دنیا اور دین میں عجیب طرح کا رابطہ ہو کہ دونوں ایک دوسرے سے الگ بھی رہنا چاہتے ہیں۔ اور پھر ایک کے بدون ایک کا کام

؎۱ یہ اللہ کا فضل ہو جس کو چاہے عنایت کرے اور اللہ کا فضل (بہت) بڑا ہو۔ ۱۲

بھی نہیں چلتا۔ یہ قدرتی بات ہو کہ حاکمِ وقت کی کل ادائیں لوگوں کی نظروں میں مطبوع اور پسندیدہ ہوجاتی ہیں اور مذہب بھی اس عموم سے مستثنیٰ نہیں۔ اَلنَّاسُ عَلٰی دِیْنِ مُلُوْکِھِمْ ؎۱ انگریزوں کے حال پر نظر کیوں نہیں کرتے۔ کہ خدا نے ان کو حاکمِ وقت کیا ہو تو لباس اور وضع اور طور اور طریق اور طرزِ تمدن اور زبان ان کی سب ہی چیزیں بھلی معلوم ہوتی ہیں اور لوگ ہیں کہ بعض باتوں میں متاذّی بھی ہوتے ہیں۔ زیر بار ہوتے ہیں۔ اپنے لوگوں کے طعنے مہنے بھی سنتے ہیں مگر بھیڑیا دھسان انگریزوں کی نقل کرتے چلے جاتے ہیں۔ اسی طرح چپکے چپکے غیر محسوس طور پر عیسائیت بھی اپنا اثر دلوں پر ڈال رہی ہو۔ مسلمانوں کے عروج نے اگر اسلام کی اتنی مدد کی ہو۔ تو ہم کو اس سے انکار کرنے کی کوئی وجہ نہیں۔ اگر یہ کوئی الزام کی بات ہو تو کوئی مذہب اس الزام سے بری نہیں ہوسکتا۔ اس سے تو صرف انسانی طبیعت کا ضعف ظاہر ہوتا ہو۔ کافرستان جس کو امیر عبدالرحمن خان نے فتح کیا ہو۔ ضرور اسلام قبول کرے گا اس لیے کہ اس کا فتح کرنے والا مسلمان بادشاہ ہو۔ لیکن اگر اس کو انگریز فتح کرتے تو وہ اب جیسا مسلمان ہونے کے لیے تیار ہو انگریزوں کے فتح کرنے کی صورت میں عیسائی ہونے کے لیے تیار ہوتا۔ مگر کوئی کہتا کہ کافروں کو بزورِ شمشیر عیسائی کیا گیا۔ تو کیوں کہا جاے کہ امیر نے بزورِ شمشیر مسلمان کیا۔ اور کیوں کہا جائے کہ شروع سے مسلمان بزورِ شمشیر مسلمان کیے گئے تھے۔ اگر مسلمان بزورِ شمشیر مسلمان ہوئے تھے تو یہودی بھی بزورِ شمشیر یہودی ہوے رہے بلکہ بدرجہ اولیٰ۔ اور عیسائی بھی بزورِ شمشیر عیسائی ہوے تھے۔ بلکہ بدرجۂ اولیٰ اور بزورِ شمشیر عیسائی ہو رہے ہیں بلکہ بدرجۂ اولیٰ۔ اسلام کی تاریخ اس بات کی گواہ ہو۔ کہ ابھی اسلامی سلطنت اچھی طرح بیٹھنے اور جمنے نہیں پائی تھی کہ پیغمبر صاحب نے انتقال فرمایا۔ اور ایک دم سے لوگوں نے زکوٰۃ کے ادا کرنے سے انکار کیا۔ پھر خلیفۂ دوم سوم یکے بعد دیگرے شہید ہوئے۔ اور پھر مسلمانوں نے خاندان نبوی کو بے حرمت اور [illegible] کر دیا لیکن

؎۱ لوگ اپنے بادشاہوں کے دین پر ہوتے ہیں ۱۲

ان سب حالتوں میں ایک متنفس بھی اسلام سے نہیں پھرا جنہوں نے زکواۃ کے دینے سے انکار کیا وہ بھی اپنے تئیں مسلمان کہتے تھے۔ جنہوں نے خلیفۂ سوم کو شہید کیا وہ بھی مسلمان تھے جنہوں نے پیغمبر صاحب کے بڑے نواسے کو زہر دلوایا وہ بھی مسلمان تھے۔ جنہوں نے چھوٹے نواسے کو شہید اور خاندان نبوت کو بے حرمت اور برباد کیا وہ بھی مسلمان تھے۔ یہ بات دوسری ہی کہ وہ غاصب تھے۔ ظالم تھے۔ ملعون تھے۔ مردود تھے۔ واجب القتل تھے۔ مگر باایں ہمہ مسلمان تھے خدا رسول کا کلمہ پڑہتے تھے۔ اب بھی لوگ حقوق العباد غصب کرتے۔ ظلم کرتے۔ قتل نفس کرتے اور مسلمان رہتے اور مسلمان سمجھے جاتے ہیں بواجب قید ہوتے۔ کالے پانی بھیجے جاتے۔ پھانسی پاتے۔ مگر دائرۂ اسلام سے خارج نہیں ہوتے۔ بات یہ ہی کہ گناہ اور چیز ہی اور اسلام دوسری چیز ہی۔ یہود و نصاریٰ کی طرح نَحْنُ اَبْنَاءُ اللهِ وَاَحِبَّاءُهٗ[۵۱] اور لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّا اَیَّامًا مَّعْدُوْدَةً[۵۲] ہمارا عقیدہ نہیں۔ ممکن ہی کہ مسلمان فتیح سے قبیح گناہ کا مرتکب ہو مگر پھر بھی مسلمان رہے۔ ممکن ہی کہ مسلمان گناہوں کے بدلے دوزخ میں ڈالا جائے۔ ہم کسی شخص خاص کے انجام کی نسبت قطعی اور حتمی کوئی رائے نہیں لگاسکتے۔ مگر ہاں جب تک ایک شخص اپنے تئیں مسلمان کہتا ہی گو وہ کچھ بھی کرے اور گو وہ دل سے مسلمان نہ بھی ہو مگر ہم اس کو دائرۂ اسلام سے خارج نہیں کرسکتے۔ کیوں کہ شریعت ظاہر پر حکم کرتی ہی۔ اور ایسے واقعات پیغمبر صاحب کے وقت میں بھی پیش آئے کہ مسلمان کسی گانوں پر چڑھ دوڑے اُن لوگوں نے لپک کر اُن سے سلام علیک کی اُنہوں نے اُس کو اُن کا فریب سمجھا۔ پیغمبر صاحب کو خبر ہوئی آپ نے فرمایا هَلْ[۵۳] لَا شَقَقْتَ قَلْبَهٗ اور اسی بارے میں وحی بھی نازل ہوئی۔ یَآ[۵۴] اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا ضَرَبْتُمْ فِیْ سَبِیْلِ اللهِ

---

۵۱ ہم اللہ کے بیٹے اور اُسکے چہیتے ہیں ۱۲ ۵۲ گنتی کے چند روز کے سوا (دوزخ کی) آگ ہم کو چھوئے گی (بھی تو) نہیں ۱۲ ۵۳ تو نے اُس کا دل چیر کے کیوں نہ دیکھا ۱۲ ۵۴ مسلمانو جب تم اللہ کی راہ میں (لڑنے کے لیے) باہر نکلو تو (جن لوگوں پر چڑھ کر جاؤ اُن کا حال) اچھی طرح تحقیق کر لیا کرو اور جو شخص (اظہار اسلام کے لیے) تم سے

فَتَبَیَّنُوْا وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ اَلْقٰٓی اِلَیْکُمُ السَّلٰمَ لَسْتَ مُؤْمِنًا تَبْتَغُوْنَ عَرَضَ الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا فَعِنْدَ اللّٰہِ مَغَانِمُ کَثِیْرَۃٌ کَذٰلِکَ کُنْتُمْ مِّنْ قَبْلُ فَمَنَّ اللّٰہُ عَلَیْکُمْ فَتَبَیَّنُوْا اِنَّ اللّٰہَ کَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرًا اور یہی وجہ تھی کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ سے کسی نے پوچھا مَا تَقُوْلُ فِیْ یَزِیْدَ[۵۱] فَسَکَتَ وَلَمْ یُجِبْ حالانکہ قرآن مجید میں نص صریح موجود ہی۔ وَمَنْ[۵۲] یَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُہٗ جَھَنَّمُ خٰلِدًا فِیْھَا وَغَضِبَ اللّٰہُ عَلَیْہِ وَلَعَنَہٗ وَ اَعَدَّ لَہٗ عَذَابًا عَظِیْمًا جب کہ عام مومن کے قاتل کے حق میں ایسی وعید سخت ہو تو قاتل حسین رضؓ کے بارے میں سکوت کرنے کی کوئی وجہ نہ تھی۔ مگر وہی کہ شرع ظاہر پر حکم کرتی ہی۔ اور یزید باوجودیکہ بدترین امت تھا۔ مگر چونکہ وہ اپنے تئیں مسلمان کہتا تھا۔ کسی کو حق نہ تھا کہ اُس کو دائرہ اسلام سے خارج کرتا۔ ایک وقت ھَلْ لَا شَقَقْتَ قَلْبَہٗ کا تھا۔ ایک وقت فَسَکَتَ وَلَمْ یُجِبْ کا تھا ایک وقت تکفیر جماعت کا تھا یا ایک وقت ہی کہ اسلام سے خارج کرونے کے لئے حیلے ڈھونڈھے جاتے ہیں۔ کوئی انگریزی پڑھے اسلام سے خارج کوئی انگریزی کپڑے پہن لے۔ اسلام سے خارج۔ نماز نہ پڑھے تو خیر۔ مگر پڑھے اور نماز میں

بقیہ نوٹ صفحہ ۱۴۹۔ سلام علیک کرے اُس سے یہ نہ کہو کہ تو مسلمان نہیں (اور اس کہنے سے) تمہارا مقصود ہو زندگی دنیا کا ساز و سامان (تاکہ اُس کو دشمن ٹھیر اکر لوٹ لو سو ایسی لوٹ پر کیا گرتے ہو) خدا کے ہاں تمہارے لیے بہت سی (جائز) غنیمتیں (تیار موجود) ہیں۔ پہلے تم بھی تو ایسے ہی دکھل کر اظہار اسلام کرتے ہوئے ڈرتے) تھے پھر اللہ نے تم پر اپنا فضل کیا (کہ کھلم کھلا اظہار اسلام کرنے لگے) تو دوسرے نومسلموں کی کمزوری پر نظر کرکے لڑنے سے پہلے) اچھی طرح تحقیق کرلیا کرو جو کچھ بھی تم کررہے ہو اللہ اس سے باخبر ہی ۱۲ [۵۱] یزید کے حق میں آپ کیا فرماتے ہیں تو خاموش ہو رہے اور کچھ جواب نہیں دیا ۱۲

[۵۲] اور جو مسلمان کو دیدہ و دانستہ مار ڈالے تو اس کی سزا دوزخ ہی جس میں وہ ہمیشہ (رہے گا اور اس پر اللہ کا غضب (نازل ہوگا۔ اور اس پر خدا کی پھٹکار پڑے گی۔ اور اللہ نے اس کے لیے بڑا عذاب تیار کر رکھا ہی ۱۲

پکار کر آمین کہے اسلام سے خارج - امام کے پیچھے آہستہ سے الحمد پڑھے اسلام سے خارج
شب برات کا حلوا نہ بان پر رکھ لے اسلام سے خارج - عید کی سویاں چکھ لے اسلام سے خارج
کسی کی قبر پر جا کر فاتحہ پڑھے اسلام سے خارج - یعنی ایک وقت تھا کہ اسلام کسی نہ کسی بہانے
سے گلے مڑھا جاتا تھا اور یا اب ایک وقت ہو کہ اسلام کسی نہ کسی بہانے سے چھینا جاتا ہو - اچھا تو ہم
پوچھتے ہیں کہ جب اسلامی سلطنت ایسی متزلزل ہوگئی کہ لوگوں نے زکواۃ روک دی خلیفہ سوم
کو شہید کیا اور آخر کار پیغمبر کے خاندان کو برباد کر دیا کیا وہ بزور شمشیر تھا - جو اُن کو اسلام کا مطیع کیے ہوئے
تھا - نہیں بلکہ اسلام کی اصلی صداقت اور دل نشینی ان کو مجبور کیے ہوئے تھی - کہ وہ ترکِ اسلام
کر نہیں سکتے تھے - اور یہی بات تو ہرقل روم نے بھی کہی تھی کہ جب پیغمبر صاحب نے سلاطین کے
نام دعوت کے خطوط جاری کیے اُن میں ایک خط ہرقل کے نام کا بھی تھا - جب یہ خط ہرقل
پاس پوہنچا - اُس نے پیغمبر صاحب کے حالات کی تفتیش کی - اتفاق سے اُن دنوں عرب کا
قافلہ تجارت کی تقریب سے وہاں وارد بھی تھا - ہرقل نے ان لوگوں کو بُلا کر دریافت کیا - اور
جب اُس کو پیغمبر صاحب کی ذاتی کیفیت اور اُن کی تعلیم و تلقین کا حال معلوم ہوا تو وہ بے اختیار
معتقد ہو گیا - ہرقل نے اہلِ عرب سے جہاں اور سوالات کیے تھے یہ بھی پوچھا تھا کہ بھلا اسلام لائے
پیچھے کچھ لوگ مرتد بھی ہو جاتے ہیں - اِن لوگوں نے کہا ایسا تو نہیں ہوتا ہرقل بولا کہ بس دینِ حق
کا قاعدہ ہو کہ جب ایک دفعہ ذہن نشین ہو جاتا ہو تو پھر اُس سے انسان انحراف نہیں کر سکتا - یہی
حال تو مسلمانوں کا ہوا - کہ ان میں سے بعض نے نالائق سی نالائق حرکت کی - مگر بت پرستی
نہیں اختیار کی - اسلام کو اپنی حفاظت کے لیے تو بے شک تلوار کی ضرورت پڑی مگر اپنے
تئیں رواج دینے کے لیے نہ پہلے کبھی تلوار کی ضرورت تھی نہ اب ہو اور نہ کبھی ہوگی - آدمی
تہذیب اور شائستگی اور سولیزیشن (تہذیب) کے اعتبار سے کتنا ہی گیا گزرا کیوں نہ ہو جاوے
اس میں خدا نے ایک نورِ فطرت رکھا ہو کہ وہ ماند تو ہو سکتا ہو مگر معدوم نہیں ہو سکتا - اور یہی نورِ
فطرت اسلام کی بنیاد ہو - یہی نورِ فطرت انسان کو دکھاتا ہو کہ اُس کا اور دنیا کے اس عظیم الشان

کارخانے کا کوئی خالق ہے اور وہ نہ آدمیوں میں کا ہے نہ اجرامِ فلکی میں کا۔ نہ عناصر میں کا۔ مگر ہے۔ اور ہونے کے علاوہ اکیلا منفرد ہے۔ ازلی ابدی ہے۔ علیم ہے۔ حکیم ہے۔ قادرِ مطلق ہے۔ اور ایسا نہ ہو تو نہ وہ خلق عالم کر سکتا ہے۔ اور نہ اس کارخانہ کو چلا سکتا ہے پس وہ جو کہتے ہیں کہ تنگے کی اوجھل پہاڑ اصل اسلام تو اتنی بات ہے اور باقی ڈسپیشین (ڈھوکا) ہے اور دنیا میں امن وعافیت کے ساتھ رہنے کے قواعد ہیں۔ اللہ اللہ خیر صلاح۔ اب تم میں سے کوئی ایک متنفس بولو کہ وہ خدا کو نہیں مانتا۔ تو اُس کو قائل ہونا پڑے گا کہ وہ آپ سے آپ پیدا ہوا۔ اپنے ارادے سے زندہ ہے اور اپنے ارادے سے مرے گا بھی جو صریح جھوٹ ہے۔ اُس کو قائل ہونا پڑے گا کہ دنیا کا کارخانہ آپ سے آپ ہو گیا۔ اور آپ سے آپ اس تدبیر وحکمت کے ساتھ پڑا چل رہا ہے۔ لیکن کوئی مُونہ سے کہے تو کہے کسی کے دل سے تو یہ بات نکل نہیں سکتی۔ اور یوں کوئی تندرستی اور کامیابی اور خوش حالی کی حالت میں کہہ بیٹھے کہ میں نہیں جانتا کہ خدا کیا چیز ہے۔ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ اسْجُدُوْا[۵۱] لِلرَّحْمٰنِ قَالُوْا وَمَا الرَّحْمٰنُ اَنَسْجُدُ لِمَا تَاْمُرُنَا وَزَادَهُمْ نُفُوْرًا[۵۲] تو یہ انکار سند نہیں ہم تو اُس کو انکار سمجھیں حَتّٰۤى اِذَا كُنْتُمْ فِى الْفُلْكِ[۵۳] وَجَرَيْنَ بِهِمْ بِرِيْحٍ طَيِّبَةٍ وَّفَرِحُوْا بِهَا جَآءَتْهَا رِيْحٌ عَاصِفٌ وَّجَآءَهُمُ الْمَوْجُ مِنْ كُلِّ مَكَانٍ وَّظَنُّوْۤا اَنَّهُمْ اُحِيْطَ بِهِمْ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ لَئِنْ اَنْجَيْتَنَا مِنْ هٰذِهٖ لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِيْنَ فَلَمَّاۤ اَنْجٰىهُمْ اِذَا هُمْ يَبْغُوْنَ فِى الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّمَا بَغْيُكُمْ عَلٰۤى

۵۱ اور جب کافروں سے کہا جاتا ہے کہ (خدائے) رحمٰن کو سجدہ کرو تو وہ کہتے ہیں کہ رحمٰن کیا چیز ہے؟ ۵۲ کیا جس کے آگے تم ہمیں (سجدہ کرنے کو) کہو اُسی کو سجدہ کرنے لگیں اور رحمٰن کا نام سن کر ان کو اور زیادہ نفرت ہوتی ہے ۱۲ ۵۳ یہاں تک کہ بعض اوقات تم کشتیوں میں ہوتے ہو اور وہ سوارانِ کشتی کو بادِ موافق کی مدد سے لے کر چلتی ہیں اور وہ لوگ اُن (کی رفتار) سے خوش ہوتے ہیں (ناگاہ) کشتی کو ایک ہوا کا جھوکا آ لگتا ہے۔ اور لہریں (ہیں کہ) ہر طرف سے اُن پر (چڑھی چلی) آ رہی ہیں اور وہ سمجھتے ہیں کہ (بُرے) آ گھرے تو خالص خدا ہی کو مان کر اُس سے دعائیں مانگنے لگتے ہیں کہ (بار خدایا) اگر (اپنے فضل سے) تو ہم کو اس (مصیبت) سے بچا دے تو ہم ضرور (تیرے بڑے ہی) شکر گزار ہوں گے پھر جب وہ اُن کو (اُس بلا سے

أَنفُسِكُم مَّتَاعَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا ثُمَّ إِلَيْنَا مَرْجِعُكُمْ فَنُنَبِّئُكُم بِمَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ ۵۰ وَإِذَا مَسَّ
الْإِنسَانَ الضُّرُّ دَعَانَا لِجَنبِهِ أَوْ قَاعِدًا أَوْ قَائِمًا فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُ ضُرَّهُ مَرَّ كَأَن لَّمْ يَدْ
عُنَا إِلَىٰ ضُرٍّ مَّسَّهُ كَذَٰلِكَ زُيِّنَ لِلْمُسْرِفِينَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ۵۱ كَلَّا إِذَا بَلَغَتِ التَّرَاقِيَ
وَقِيلَ مَنْ رَاقٍ وَظَنَّ أَنَّهُ الْفِرَاقُ وَالْتَفَّتِ السَّاقُ بِالسَّاقِ إِلَىٰ رَبِّكَ يَوْمَئِذٍ الْمَسَاقُ ۵۲

اور یوں تن درستی اور خوشحالی اور کام یابی میں خدا سے انکار کرنا تو آسان بات ہے۔ فرعون ساری
عمر أَنَا رَبُّكُمُ الْأَعْلَىٰ ۵۳ کہتا رہا۔ اس لیے کہ أَلَيْسَ لِي مُلْكُ مِصْرَ وَهَٰذِهِ الْأَنْهَارُ تَجْرِي ۵۴
مِن تَحْتِي أَفَلَا تُبْصِرُونَ - أَمْ أَنَا خَيْرٌ مِّنْ هَٰذَا الَّذِي هُوَ مَهِينٌ وَلَا يَكَادُ يُبِينُ فَلَوْلَا
أُلْقِيَ عَلَيْهِ أَسْوِرَةٌ مِّن ذَهَبٍ أَوْ جَاءَ مَعَهُ الْمَلَائِكَةُ مُقْتَرِنِينَ لیکن لگا ڈوبنے
تو ساری حقیقت کھل گئی حَتَّىٰ ۵۵ إِذَا أَدْرَكَهُ الْغَرَقُ قَالَ آمَنتُ أَنَّهُ لَا إِلَٰهَ إِلَّا الَّذِي
آمَنَتْ بِهِ بَنُو إِسْرَائِيلَ وَأَنَا مِنَ الْمُسْلِمِينَ آلْآنَ وَقَدْ عَصَيْتَ قَبْلُ وَكُنتَ مِنَ

---

بقیہ نوٹ صفحہ ۱۵۲ -- نجات دے دیتا ہے تو وہ خشکی پر پہنچتے ہی ناحق کی سرکشی کرنے لگتے ہیں۔ لوگو!
تمہاری سرکشی تمہاری ہی جان کا وبال ہے (یہ بھی) دنیا کی (چند روزہ) زندگی کے فائدے ہیں (سو خیر ان کے مزے اڑا لو)
آخر کار تم کو ہماری ہی طرف لوٹ کر آنا ہے تو (اس وقت) جو کچھ بھی تم (دنیا میں) کرتے رہے ہم تم کو (اس کا برا بھلا) بتا دیں گے ۱۲
۵۱ اور جب انسان کو کسی قسم کی تکلیف (بھی) پہنچ جاتی ہے تو پڑا یا بیٹھا یا کھڑا (کسی حال میں ہو) ہم کو پکارنے چلا
جاتا ہے۔ پھر جب ہم اس کی تکلیف کو اس سے دور کر دیتے ہیں تو ایسا (بے پروا بن کر) چل دیتا ہے کہ گویا اس تکلیف کے
(دور کرنے کے) لیے جو اس کو پہنچ رہی تھی ہم کو (کبھی) پکارا ہی نہ تھا جو لوگ حد (بندگی) سے قدم باہر رکھتے ہیں ان کو
ان کا کیا اسی طرح بھلا کر دکھایا گیا ہے ۱۲ ۵۲ سنو جی! جب (جان بدن سے کھنچ کر گلے کی) ہنسلی تک آ پہنچے گی اور
(بیمار دار) چلا اٹھیں گے کہ (ارے) کوئی جھاڑنے والا ہے؟ (جو اس کو آ کر جھاڑے) اور اس (بیمار) کو یقین ہو جائے گا کہ
(اب) یہ (دنیا سے) مفارقت (کا وقت) ہے اور (جان کنی کی تکلیف سے ایک) پاؤں کی پنڈلی (دوسرے پاؤں کی) پنڈلی
سے لپٹ (لپٹ) جائے گی (ایسے شخص جب یہ حالتیں پیش آئیں گی) اس دن (تجھ کو) اپنے پروردگار کی طرف چلنا ہوگا
۵۳ میں تمہارا سب سے بڑا خدا ہوں ۱۲ ۵۴ کیا ملک مصر ہمارا نہیں اور (تم دیکھ ہی رہے ہو) یہ نہریں ہمارے (ایوان

توساری حقیقت کھل گئی۔ حَتّٰیٓ اِذَآ اَدْرَکَہُ الْغَرَقُ قَالَ اٰمَنْتُ اَنَّہٗ لَآ اِلٰہَ اِلَّا الَّذِیْٓ اٰمَنَتْ بِہٖ بَنُوْٓا اِسْرَآءِیْلَ وَاَنَا مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ اٰلْئٰنَ وَقَدْ عَصَیْتَ قَبْلُ وَکُنْتَ مِنَ الْمُفْسِدِیْنَ - فَالْیَوْمَ نُنَجِّیْکَ بِبَدَنِکَ لِتَکُوْنَ لِمَنْ خَلْفَکَ اٰیَۃً وَاِنَّ کَثِیْرًا مِّنَ النَّاسِ عَنْ اٰیٰتِنَا لَغٰفِلُوْنَ

خلاصہ مطلب یہ ہے کہ خدا کو بجمیع صفات ماننا تقاضائے فطرۃِ انسانی ہے اور اجلی البدیہیات ہے اور اس لیے کسی دلیل کی ضرورت نہیں۔ روزِ روشن میں کوئی کہے کہ آفتاب نکلا ہوا ہے اور اس سے دلیل مانگی جائے تو وہ کہے گا کہ اس کی دلیل ہے تمھاری آنکھیں ایک چھوڑ دو دو پیغمبرِ اسلام کی تمام تر تعلیم فطرت پر مبنی ہے اور اُن کے تمام دعووں کی دلیل ہے فطرت۔ وہ کہتے ہیں کہ خدا ہے اور تمھاری فطرت اُس کی گواہ ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ قیامت ہوگی اور تمھاری فطرت اس کی گواہ ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ قیامت میں اعمالِ نیک و بد کی جزا و سزا ہوگی اور تمھاری فطرت اس کی گواہ ہے۔ اُن کی ساری باتیں ناممکن التردید ہیں۔ جیسے دو اور دو چار۔ تو جس کو راستی کی تقویت ہو۔ جس کو فطرت کی امداد ہو۔ اُس کو کیا ضرورت پڑی تھی کہ تلوار سے مدد لیتا پیغمبر نہ سہی یہ تو معلوم ہے اور دشمن سے دشمن بھی اس کو تسلیم کرے گا کہ وہ بڑے لایق جنرل تھے۔ وہ بڑے لایق مقنن تھے۔ وہ بڑے لایق ایڈمنسٹریٹر (منتظم) تھے وہ بڑے فصیح و بلیغ لکچرار تھے۔ وہ بڑے رفارمر تھے۔ غرض تمام صفات سے جو ایک اعلیٰ درجے کے خدا پرست پاک نفس شائستہ مہذب دانش مند بشر میں ہونے ممکن ہیں متصف تھے۔ اور متصف تھے تو نہ کسی کی تعلیم و تربیت سے بلکہ اپنی طبیعت سے اور اگر

بقیہ نوٹ صفحہ ۱۵۲ — کے کنگن (خدا کے ہاں سے) کیوں نہیں اُترے یا فرشتے جمع ہو کر اُس کے ساتھ آئے ہوتے

۵ یہاں تک کہ جب ڈوبا (پانی) فرعون (کے سر) پر آپہونچا تو لگا کہنے کہ اب مجھکو یقین آیا کہ جس (خدا) پر بنی اسرائیل ایمان لائے ہیں اُس کے سوا کوئی (اور) معبود نہیں اور (اب) میں (بھی اُسی کے) فرمان برداروں میں ہوں (تو خدا نے اُس کو ملامت کی اور فرمایا کہ کیا اب (ایسے وقت میں ایمان) اور تیرا حال تو یہ تھا کہ اس سے) پہلے ہمیشہ نافرمانی کرتا رہا اور تو مفسدوں میں ایک ہی مفسد) تھا تو آج (تیری روح کو تو نہیں مگر) تیرے بدن کو ہم (پانی میں تہ نشین ہونے سے) بچاویں گے (وہ بھی) اس غرض سے کہ جو لوگ تیرے بعد آنے والے ہیں تو اُن کے لیے (نشانِ) عبرت ہو۔ اور البتہ بہت سے لوگ ہماری (قدرت کی) نشانیوں سی غافل ہیں ۱۲

وہ ایسے نہ ہوتے تو بیس صرف بیس صرف دس اور دس صرف پندرہ اور پانچ برس کے عرصے میں عرب جیسے وحشی اور اکھڑ لوگوں کو ہرگز اپنا مطیع و منقاد و معتقد نہ کرسکتے اُن وقتوں کا نہ ایک عرب اور نہ آج کل کے ہزار کابلی پٹھان شہری نہیں دیہاتی تو کیا ایسے باکمال شخص اتنا نہیں سمجھ سکتے تھے کہ تلوار جسموں پر زور چلا سکتی ہو نہ دلوں پر۔ کیا وہ نہیں جانتے تھے کہ دباؤ اور لالچ کا ایمان سرے سے ایمان ہی نہیں۔ کیا اُن کو معلوم نہ تھا کہ تلوار کا اثر دیرپا نہیں۔

پائے چوبیں سخت بے تمکیں بود

اور اسلام پر کیا موقوف ہی۔ میرا خیال تو یہ ہو کہ دنیا میں کوئی مذہب بھی تلوار کے بل بوتے پر نہیں چلا۔ مذہب چلا ہو اور چلے گا تو صرف صداقت کے بل بوتے پر۔ یہ سن کر تو مسلمانوں نے کان کھڑے کیئے ہونگے اور نہ صرف مسلمانوں نے بلکہ ہر مذہب کے لوگوں نے کہ آج تو رو میں اس کا عقیدہ کھل پڑا کہ نفس مذہب کی نسبت کہتا ہو کہ مذہب چلا ہو اور چلے گا تو صداقت کے بل بوتے پر۔ تو اس سے لازم آتا ہو کہ سب مذہب سچے اور برحق ہوں۔ ہاں ہاں میں پکار کے کہتا ہوں کہ مذہب چلا ہو اور چلے گا تو صرف صداقت کے بل بوتے پر۔ اور میری مراد یہ ہو کہ دنیا میں کوئی مذہب نہیں جس میں صداقت کا انش یعنی جزو نہ ہو۔ جتنے مذہب دنیا میں ہیں وقت اور مقام کے لحاظ سے سب کے سب آدمی کی اصلاح اور اُس کے فائدے کے لیئے چلے ہیں۔ اور ہر ایک میں کچھ نہ کچھ فائدے اور صداقت اور نیکی کا انش ضرور ہی جو اُن کو چلائے جاتا ہو۔ مثلاً اگر ہندو اس ملک میں گائے کی تعظیم مذہباً کرتے ہیں تو اس میں یہ فائدہ مضمر ہو کہ اس ملک میں کوئی جانور گائے بیل سے زیادہ آدمی کو فائدہ رساں نہیں۔ گائے دودھ دیتی ہو جس سے گھی۔ اور مکھن اور پنیر اور انواع و اقسام کی مٹھائیاں بنتی ہیں۔ بیل کے بدون کھیتی نہیں ہوسکتی۔ مرے پیچھے بھی اس بیچارے کی کھال کام دیتی ہو۔ کسی اور جانور کا نام لو جس سے آدمی کے اتنے سارے کام نکلتے ہوں۔ اس کی پوری پوری حفاظت ہو نہیں سکتی تھی۔ تاوقتیکہ مذہباً اُس کو مقدس نہ مانا جاوے۔ یا گنگا جمنا کی تعظیم بلکہ تمام دریاؤں

کی کہ اُن سے زراعت کی آب پاشی ہوتی ہے جان داروں کی زندگی پانی پر موقوف ہے [1] وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَاءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ - لیکن یہ باتیں اُس وقت سوجھتی ہیں جب مزاجوں میں سازگاری ہوتی ہے - نہیں تو ؎

| | |
|---|---|
| چشم بد اندیش کہ برکندہ باد | عیب نماید ہنرش در نظر |

مسلمانوں کو تو یہ سمجھنا چاہیے کہ ہندو اگر گائے کی رکھشا کرتے ہیں تو اپنے فائدے کی احراز کی غرض سے کرتے ہیں - اور اس میں اُن پر الزام کی کوئی بات نہیں - اُدھر شارع اسلام نے دیکھا کہ آدمی جہاں تک ہو سکتا ہے اپنے مفاد کو ہاتھ سے جانے نہیں دیتا - [2] إِنَّ الْإِنسَانَ خُلِقَ هَلُوعًا إِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ جَزُوعًا وَإِذَا مَسَّهُ الْخَيْرُ مَنُوعًا گائے بیل کی حفاظت کے بارے میں از روئے مذہب حکم دینا تحصیل حاصل ہے اب رہا تقدس سو انسان خود اشرف المخلوقات ہے ؎

| | |
|---|---|
| جو کچھ کہ جہاں میں ہے سب انساں کے لیے ہے | آراستہ یہ گھر اسی مہماں کے لیے ہے |

اور مخلوقات کی طرح گائے بیل بھی انسان کی خدمت کے لیے پیدا ہوئے ہیں اور ساری عمران کو انسان کی خدمت ہی کرتے گزرتی ہے اور خدمت بھی شاقّہ اور مبتذل - میرے گھر کے قریب کھاری باؤلی کا مشہور بازار ہے اور وہ اناج کی منڈی ہے اور غلہ فروش جھڑا ہندو کیوں کہ مسلمان تو نرا کھانا جانتے ہیں اور کھانا بھی طنطنے کے ساتھ - اناج کی دکان لے کر بیٹھیں تو بنیے کہلائیں - اور ادعائی عزت کرکری ہو - بہرکیف کھاری باؤلی میں اس سرے سے اس سرے تک ایک تو تمام غلّہ فروش ہندو ہیں - دوسرے ان ہی ہندوؤں کی وجہ سے بازار میں گائے بیل بہت چھوٹے پھرتے ہیں - کہ یہ لوگ ان کی خدمت کرتے ہیں - لیکن ایک طرف تو خدمت کرتے ہیں - میں نے بعض کو حلوا - پوری - کچوری اور عمدہ مٹھائی کھلاتے دیکھا ہے - اور دوسری طرف ہر دکان کے آگے ایک آدمی لٹھ لیے بیٹھا ہوتا ہے کہ گائے بیل نے اناج کے ڈھیر کی طرف رخ کیا اور اُس نے ایک

[1] اور پانی سے تمام جان دار چیزیں بنائیں ۱۲ [2] بے شک آدمی بڑا ہی تھڑدلا پیدا کیا گیا ہے کہ جب اُس کو کسی طرح کا نقصان پہنچتا ہے تو گھبرا اُٹھتا ہے - اور جب اُس کو کسی طرح کا فائدہ پہنچنے لگتا ہے تو بخل کرنے لگتا ہے ۱۲

لاٹھی سہی کی۔ کہاں تقدس اور کہاں یہ مدارات اس سے بڑھ کر ایک اور غضب کی بات سنو کہ کھلیان گاہی جاتی۔ یعنی پیداوار سے دانہ نکالا جاتا ہو تو اُس کی یہ تدبیر کرتے ہیں کہ انبار لگا کر اُس کو بیلوں سے روندواتے ہیں۔ بیچارے بیلوں کے کھر گھائل ہو ہو جاتے ہیں اور مَیں نے بیلوں کے پاؤں میں کیڑے پڑے دیکھے ہیں۔ اول تو ادعائی تقدس اسی کو کیا جائز رکھتا ہو کہ بیل سے ایسی سخت محنت لی جائے۔ پھر اُس پر یہ ظلم کہ گاہتے وقت بیلوں کے مُونہ پر جالی کا توبڑہ چڑھا دیتے ہیں۔ کہ کہیں بیل اناج کے انبار میں مُونہ نہ ڈال دے ای آدمی اللہ رے تری خود غرضی۔ اللہ رے تیری حرص۔ اللہ رے تیرا بخل۔ بیل نے تو زمین جوت کر مصیبت سے اناج پیدا کیا اور تو اُس کی محنت کی پیداوار سے اُسی کو ایک لقمہ نہ کھانے دے۔ یہ جو لاکھوں من دودہ آدمی ڈکوستے ہیں۔ اپنے مزے کی خاطر بچھڑوں کا پیٹ کاٹتے ہیں اور اُسی سے گائے بیل کی نسلیں یوماً فیوماً کمزور ہوتی چلی جا رہی ہیں۔ غرض استخدام کا قاعدہ لِيَتَّخِذَ بَعْضُهُم بَعْضًا سُخْرِيًّا[۵۱] گائے بیل کے تقدس کو چلنے نہیں دیتا اور یہ اسلامی تعلیم کے خلاف ہو کہ کہو سب کچھ اور کرو کچھ نہیں۔ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لِمَ تَقُولُونَ مَا لَا تَفْعَلُونَ كَبُرَ مَقْتًا عِندَ اللَّهِ أَن تَقُولُوا مَا لَا تَفْعَلُونَ[۵۲] پس ہم کو تو اسلامی اصول بالکل ٹھیک معلوم ہوتا ہو کہ گائے بیل کی حفاظت کو آدمی کی طبیعت پر چھوڑ دیا جائے۔ یعنی گائے بیل سے آدمی کا کام نکلتا ہو اور گائے بیل کا بکار آمد ہونا اس کی حفاظت کے لئے کافی ہو۔ ہم نے گاڑی بانوں اور کاشتکاروں کو گھوڑوں کی طرح بیلوں کو راتب کھلاتے اور اُن کی مالش اور چپی کرتے دیکھا ہو۔ گائے بیل جس کے کام کے ہیں۔ اُس کو وہ بچوں کی طرح عزیز ہوتے ہیں۔ ہندوستان میں جیسی قدر گائے بیل کی ہو۔ ویسی ہی عرب میں گھوڑوں کی۔ حماسہ جو ادب عربی کی مشہور کتاب ہو اُس میں جا بجا اس قسم کے اشعار پائے جاتے ہیں۔ کہ گھر میں ایک اونٹنی دودہ دیتی ہو اور دودہ بچھیرے کو پلایا جاتا ہو

۵۱ تاکہ اُن میں ایک کو ایک (اپنا) محکوم بنائے رہے ۱۲ ۵۲ مسلمانو! ایسی بات کیوں کہہ بیٹھا کرتے ہو جو تم کر کے نہیں دکھاتے (یہ بات) اللہ کو سخت ناپسند ہو کہ کہو (سب کچھ) اور کرو کچھ نہیں۔ ۱۲

اور بچوں کو نہیں دیا جاتا۔ بچوں کی ماں ناخوش ہو اور باپ بچھیرے کے آگے بی بی بچوں کی پروا نہیں کرتا۔ ایک بادشاہ کسی قبیلے کی گھوڑی پسند کرتا ہو۔ اور گھوڑی کا مالک گھوڑی کے دینے سے رضامند نہیں۔ قبیلے کا قبیلہ گھوڑی کے واسطے بادشاہ سے بمقابلہ پیش آتا ہو۔ تو غرض اس طول مقال سے یہ ہو کہ ہر ایک مذہب کے احکام اور قواعد وقت اور مقام کے لحاظ سے ضرور کسی نہ کسی مصلحت پر مبنی ہیں دوسرے مذہب کے لوگ اس مصلحت پر نظر نہ کر کے اُن سے پرخاش کرتے ہیں۔ اس سے زیادہ ایک عجیب بات یہ دیکھی جاتی ہو کہ صرف لفظی اختلاف لوگوں میں پھوٹ ڈالنے کے لیے بس کرتا ہو ورنہ ہم بہت سی نیکیوں کو مذاہب میں باوجود اختلاف مشترک پاتے ہیں۔ خاص کر وہ جن پر تمدن کا مدار ہو۔ جھوٹ بولنا۔ شراب پینا۔ جوا کھیلنا۔ چوری کرنا۔ لوگوں کو ناحق ستانا۔ وغیرہ وغیرہ سب مذہبوں میں ممنوع ہیں اور ممنوع نہ ہوں تو تمدن ایک دن قائم نہ رہے۔ مسلمانوں کی نماز۔ ہندوؤں کی پوجا پاٹ۔ اُن کی زکواۃ۔ ان کا دان پن۔ اُن کے روزے اِن کے برت۔ اُن کا حج۔ اِن کا تیرتھ۔ اُن کا رحم۔ اِن کی دیا۔ کیا یہ مماثل نیکیاں نہیں ہیں۔ اور کیا ایک ہی تحریک۔ ایک ہی ارادے۔ ایک ہی قصد سے صادر نہیں ہوئیں مگر ہندو مسلمان کی اذان سننا نہیں چاہتا۔ مسلمان ہندو کے سنکھ کی برداشت نہیں کرسکتا سنو کان لگا کر سنو میں اسی بات کو جو ابھی کہہ چکا ہوں پھر ایک بار اعادہ کرتا ہوں تاکہ تم لوگوں پر حجت الٰہی تمام ہو۔ اور میرا مطلب اچھی طرح لوگوں کے ذہن نشین ہو جائے۔ غرض کسی مذہب کی کوئی بات لو اُس کو پاؤ گے کہ وقت اور مقام کے لحاظ سے اُس میں کچھ نہ کچھ آدمی کا فائدہ ہو۔ اُس میں نیکی ہو۔ اُس میں صداقت ہو۔ چونکہ لوگ اس لم کو نہیں سمجھتے اسی سے اختلاف پیدا ہوتے ہیں۔ اسی سے مختلف مذاہب کے لوگ ایک دوسرے سے لڑے مرتے ہیں۔ وہ کیوں نہیں خیال کرتے کہ سب کی منزلِ مقصود ایک ہی۔ اور رستے مختلف۔ ممکن ہو کہ کوئی ٹیڑھی اور غلط راہ چلتا ہو۔ مگر اُس کی غرض و غایت تو وہی ہو جو سیدھی اور صحیح راہ پر چلنے والی کی ہو۔ پس بجائے اس کے کہ ہم اُس سے ناخوش ہوں اُس سے عداوت کریں اُس کے آزار کے درپے

ہوں۔ ہم کو اُس پر رحم کرنا چاہیئے۔ اور ظاہر ہے کہ ناخوشی اور رحم میں بہت بڑا فرق ہے۔ رحم کی شان ہی دوسری ہوتی ہے۔ نہ تو تو میں میں اور گالی گلوچ اور لاٹھی پونگا اور لڑائی جھگڑا اور ہنگامہ وفساد جیسا کہ ہو رہا ہے۔ یوں سمجھو کہ مثلاً دنیا میں ہر شخص معاش کا جویا ہے تو اُس کے لیئے کوئی نوکری کرتا ہے۔ کوئی تجارت۔ کوئی زراعت۔ کوئی ایک پیشہ۔ کوئی دوسرا پیشہ۔ کوئی کچھ کوئی کچھ۔ لیکن لوہار درزی سے نہیں لڑتا کہ تو بھی آہنگری کیوں نہیں کرتا۔ زمیندار سوداگر کا دشمن نہیں کہ تو گاؤں کیوں نہیں لیتا۔ نوکری پیشہ سوداگر سے ناراض نہیں کہ تو نوکری کیوں نہیں اختیار کرتا۔ اسی طرح بعینہ اسی طرح مذہب کیا چیز ہے کہ ہر ایک شخص نجات چاہتا ہے۔ ایک ہندو دھرم ہے۔ کہ وہ اسی کو مکش کا ذریعہ سمجھتا ہے۔ کوئی مسلمان ہے۔ کوئی عیسائی ہے۔ کوئی یہودی۔ لیکن معاش کے ذرایع کے اختلاف پر نہ لڑیں اور نجات کے ذرائع کے اختلاف پر لڑیں۔ یہ کیوں۔ فرض کرو کہ ایک شخص صریحًا غلطی پر ہے تو ہماری بلا سے اپنا سر کھائے۔ اور اگر انسانی ہمدردی چین سے نہیں بیٹھنے دیتی تو ایسے احمق کوئی اور ہوں گے۔ جو اس عذر کو تسلیم کرلیں گے۔ ہمدردی کی یہی ایک علامت تو نہیں ہے۔ اگر واقعی دل میں ہمدردی ہے تو وہ تمہاری تمام حرکات وسکنات سے ظاہر ہونی چاہیئے کہ کسی کو ننگا۔ بھوکا نہ دیکھ سکو۔ کسی کو مبتلائے مصیبت نہ دیکھ سکو۔ نہ یہ کہ آپ پہنو شال دوشالے تمہارے پڑوسیوں کو کمبل بھی نصیب نہ ہو۔ تم ہر روز تداخل اور بدہضمی کے علاج میں رہو۔ تمہارے ہمسایئے اور جان پہچان بلکہ دور کے قرابت مند فاقے کریں۔ مسلمان تو خیر پہلے ہی سے ناحق جہاد کی وجہ سے بدنام ہیں۔ ہم کو ہندوؤں پر تعجب آتا ہے کہ جہاں تک دیکھا جاتا ہے اُن کے مذہب میں دَیا اور آدھینتا بہت ہے اور ہتیا کی ان کے ہاں سخت ممانعت ہے۔ یہ لوگ ہرے روکھ کو بھی کاٹنا نہیں چاہتے اور جان کی رکھشا تو جیسی ان کے ہاں ہے کسی مذہب میں بھی نہ ہوگی۔ ان میں کا ایک فرقہ مُونہ پر دھجّی باندھے رہتا ہے کہ کہیں کوئی بھنگا سانس کے ساتھ مُونہ میں نہ چلا جائے۔ رات کو پروانوں کے لحاظ سے چراغ نہیں جلاتے۔ بہت سے ہندو چیونٹیوں کے بلوں میں کھانڈ ڈالتے پھرتے ہیں

| | | | |
|---|---|---|---|
| | میازار مورے کہ دانہ کش است | کہ جاں دارد و جانِ شیریں خوش است | |

| | |
|---|---|
| آہستہ خرام بلکہ مخرام | زیر قدمت ہزار جان است |

ہندوؤں کے بازار میں جابجا پیاؤ بیٹھے ہوتے ہیں۔ لیکن یہ دیا یہ رحم دلی یہ مہربانی اُس وقت کہاں غارت ہو جاتی ہی۔ جب ہم ان کو اپنی طرح کے آدمیوں کو ستاتے اور دکھ دیتے دیکھتے ہیں یعنی مسلمانوں کو مانا کہ مسلمان ہی ابتدا کرتے ہوں۔ لیکن معاوضہ اور انتقام بھی تو دیا کے خلاف ہے ۵

| | |
|---|---|
| بدی را بدی سہل باشد جزا | اگر مردی اَحسِن اِلیٰ مَن اَساء |

علاوہ بریں ہم نہیں سمجھتے کہ جب ہندو اپنے مذہب میں کسی کو نہیں لیتے اپنے گروہ میں کسی کو نہیں ملاتے اور نہیں لے سکتے۔ اور نہیں ملا سکتے۔ تو ان کو دوسرے مذہبوں کے ساتھ پرخاش ہی کیوں ہو اب روے سخن مسلمان بھائیوں کی طرف ہی کہ اُنھوں نے اپنے طرزِ مدارات سے اسلام کی تمام خوبیوں پر اور اسلام میں سرتاسر خوبیاں ہیں ۵

| | |
|---|---|
| زفرق تا بہ قدم ہر کجا کہ مے نگرم | کرشمہ دامن دل میکشد کہ جا ایں جاست |

غرض مسلمانوں نے اپنی طرزِ مدارات سے اسلام کی تمام خوبیوں پر پانی پھیر دیا ہی۔ یہ جہاد کی وجہ سے ناحق بدنام تھے تو ان کو چاہیے تھا کہ اس داغ کو اپنے ناصیۂ حال سے خوب رگڑ رگڑ کر دھوتے مگر یہ تو لگے چومکھے لڑنے نہ صرف غیروں سے بلکہ اپنوں سے بھی۔ مگر ہاں سیف و سناں کی جگہ اب قلم اور زبان ہی سو سیف سے قلم کا کاٹ اور سناں سے زبان کا گھاؤ کہیں زیادہ موذی ہوتا ہی ۵

| | |
|---|---|
| جَرَاحَاتُ[ف] السِّنَانِ لَهَا الْتِيَامُ | وَلَا يَلْتَامُ مَا جَرَحَ اللِّسَانُ |

شروع کے جہاد اسلامی جہاد تھے۔ اور اس جہاد کو پینل کوڈ (مجموعۂ تعزیرات) نے بھی جائز رکھا ہی۔ صرف مسلمانوں ہی کے لیے نہیں بلکہ ہر متنفس کے لیے۔ اور اسی کا دوسرا نام ہی "استحقاقِ حفاظت خود اختیاری"، پھر بعض مسلمان بادشاہوں نے اس کو ملک گیری کا حیلہ ٹھہرا لیا۔ اور اب تو نری جہالت ہی۔ اور سخن پروری ہی۔ اور شیخی ہی۔ اور شہرت طلبی ہی۔ یا اسی قسم کی کوئی اور غرض ہی جس کو دین و مذہب سے کچھ سروکار نہیں۔ شروع میں جہاد ہوتے تھے۔ اور جن

ف بھالوں کے زخم مندمل ہو جایا کرتے ہیں اور زبان کے گھاؤ نہیں بھرا کرتے ۱۲

ہیں اُنے وہ "استحقاق حفاظتِ خود اختیاری" سے تعبیر کیا ہے وہ بھی ہارے درجے کو اختیار کیے جاتے تھے۔ ورنہ صبر اور برداشت اور تحمل کی تو جیسی اسلام میں تاکید ہے شاید ہی کسی مذہب میں ہوگی مگر ہاں صبر و تحمل وہیں تک جو مقدورِ بشر ہے۔ بشر نے کیا ہے اور بشر سے ہو سکتا ہے اور یوں مونہ سے کہدینے کو جو چاہو کہہ دو۔ اور کتاب میں لکھ لینے کو جو چاہو لکھ لو۔ مسلمانوں سے فرماتے ہیں۔

لَتُبْلَوُنَّ فِیْٓ اَمْوَالِکُمْ وَاَنْفُسِکُمْ وَلَتَسْمَعُنَّ مِنَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتَابَ مِنْ قَبْلِکُمْ وَمِنَ الَّذِیْنَ اَشْرَکُوْٓا اَذًی کَثِیْرًا وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ ذٰلِکَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ۔ اِدْفَعْ بِالَّتِیْ ھِیَ اَحْسَنُ۔ فَاِذَا الَّذِیْ بَیْنَکَ وَبَیْنَہٗ عَدَاوَۃٌ کَاَنَّہٗ وَلِیٌّ حَمِیْمٌ۔ وَمَا یُلَقّٰھَآ اِلَّا الَّذِیْنَ صَبَرُوْا وَمَا یُلَقّٰھَآ اِلَّا ذُوْ حَظٍّ عَظِیْمٍ۔ فَاصْبِرْ کَمَا صَبَرَ اُولُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ قُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِاللّٰہِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَیْنَا وَمَآ اُنْزِلَ اِلٰٓی اِبْرٰھِیْمَ وَاِسْمٰعِیْلَ وَاِسْحٰقَ وَیَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَمَآ اُوْتِیَ مُوْسٰی وَعِیْسٰی وَمَآ اُوْتِیَ النَّبِیُّوْنَ مِنْ رَّبِّھِمْ لَا نُفَرِّقُ بَیْنَ اَحَدٍ مِّنْھُمْ وَنَحْنُ لَہٗ مُسْلِمُوْنَ۔ قُلْ یٰٓاَھْلَ الْکِتَابِ تَعَالَوْا اِلٰی کَلِمَۃٍ سَوَآءٍ بَیْنَنَا وَبَیْنَکُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰہَ وَلَا نُشْرِکَ بِہٖ شَیْئًا وَّلَا یَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰہِ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا اشْھَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ۔ وَلَا تُجَادِلُوْٓا اَھْلَ الْکِتَابِ اِلَّا بِالَّتِیْ ھِیَ

---

۵۱ اور تمھاری جانوں (کے زیان) میں ضرور تمھاری (ایمان داری کی) آزمایش کی جائے گی اور جن لوگوں کو تم سے پہلے کتاب (آسمانی) دی جا چکی ہے (یعنی یہود و نصاریٰ) اُن سے اور مشرکین (مکہ) سے تم بہت سی ایذا کی باتیں (بھی) ضرور سنو گے اور اگر صبر کیے رہو۔ اور پرہیزگاری (کو ہاتھ سے نہ جانے دو) تو بے شک یہ بڑی ہمت کے کام ہیں۔ بُرائی کا دفعیہ ایسے برتاؤ سے کرو کہ وہ بہت ہی اچھا ہو (اگر ایسا کرو گے) تو (تم دیکھ لو گے کہ) تم میں اور کسی شخص میں عداوت تھی۔ تو اب ایک دم سے گویا وہ (تمھارا) دل سوز دوست ہے۔ اور حسن مدارات (کی توفیق) اُن ہی لوگوں کو دی جاتی ہے جو صبر کرتے ہیں اور یہ اُن ہی کو دی جاتی ہے جن کے بڑے نصیب ہیں۔ تو (اے پیغمبر) جس طرح (اور) ہمت والے پیغمبروں نے (کافروں کی ایذاؤں پر) صبر کیا۔ تم بھی صبر کرو۔ ۱۲ ۵۲ (مسلمانو! تم یہود و نصاریٰ کو یہ) جواب دو کہ ہم تو اللہ پر ایمان لائے ہیں اور (قرآن) جو ہم پر اُترا (اُس پر) اور (صحیفے) جو ابراہیم اور اسمٰعیل اور

اَحۡسَنُ اِلَّا الَّذِیۡنَ ظَلَمُوۡا مِنۡهُمۡ وَ قُوۡلُوۡۤا اٰمَنَّا بِالَّذِیۡۤ اُنۡزِلَ اِلَیۡنَا وَ اُنۡزِلَ اِلَیۡکُمۡ وَ اِلٰـهُنَا وَ اِلٰهُکُمۡ وَاحِدٌ وَّ نَحۡنُ لَهٗ مُسۡلِمُوۡنَ اب ذری انصاف سے دیکھو کہ پیغمبر اسلام غیر مذہب کے لوگوں کو کیا زہر دیتے تھے۔ کیا ان کے پیٹ میں چھرا بھونکتے تھے۔ وہ ان کو خدائے واحد کی پرستش کی طرف بلاتے تھے اور بس۔ مگر لوگوں نے ایسی واجبی اور معقول بات پر ان کے ساتھ بدسلوکی کا کوئی وقیقہ اُٹھا نہ رکھا۔ وَمَا نَقَمُوۡا مِنۡهُمۡ اِلَّاۤ اَنۡ یُّؤۡمِنُوۡا بِاللّٰهِ الۡعَزِیۡزِ الۡحَمِیۡدِ الَّذِیۡ لَهٗ مُلۡکُ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ ان کو گالیاں دیں ان پر دست درازیاں کیں۔ راہ میں کانٹے بچھائے۔ وہ نماز پڑھ رہے ہیں کہ اونٹ کا اوجھ اُن کی گردن پر لا کر ڈال دیا۔ اُن کو زہر دیئے۔ اُن کی جان کے لاگو ہوئے یہاں تک کہ اُن کو ترکِ وطن کرنا پڑا جس کو ہجرت کہتے ہیں۔ کسی نے حبشے میں جا پناہ لی۔ کوئی مدینے بھاگا کوئی چھپا چھپا پھرا قطعہ

| | | | | |
|---|---|---|---|---|
| | جھڑکی تو مدتوں سے مساوات ہوگئی | | گالی کبھی نہ دی تھی سو اب بات ہوگئی | |
| | اک مار تھی سو اُس بتِ بدخو کے ہاتھ سے | | مدت ہوئی کہ اپنی وہ اوقات ہوگئی | |

بقیہ نوٹ صفحہ ۱۶۰- اسحٰق اور یعقوب اور اولاد یعقوب پر اُترے (اُن پر) اور موسیٰ اور عیسیٰ کو جو (کتاب) ملی (اُس پر) اور جو (دوسرے) پیغمبروں کو اُن کے پروردگار سے ملا (اُس پر) ہم ان (پیغمبروں) میں سے کسی ایک میں بھی (کسی طرح کی) جدائی نہیں سمجھتے اور ہم اُسی (ایک خدا) کے فرماں بردار ہیں (اے پیغمبر ان سے) کہو کہ اے اہل کتاب آؤ ایسی بات کی طرف (رجوع کرو) جو ہمارے اور تمہارے درمیان میں یکساں (مانی جاتی) ہے کہ خدا کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں اور کسی چیز کو اُس کا شریک نہ ٹھہرائیں اور اللہ کے سوا ہم میں سے کوئی کسی کو اپنا مالک نہ سمجھے۔ پھر اگر (ایسی سیدھی اور سچی بات کے ماننے سے بھی) مُونہ موڑیں تو (مسلمانو! ان لوگوں سے) کہہ دو کہ تم اس بات کے گواہ رہو کہ ہم تو ایک ہی خدا کو مانتے ہیں اور (مسلمانو) اہل کتاب کے ساتھ جھگڑا نہ کیا کرو مگر ایسی طرح کہ وہ نہایت ہی عمدہ (اور شائستہ) ہو ہاں جو لوگ اُن میں سے زیادتی کریں (تو اُن کو جواب ترکی بترکی دینے کا مضایقہ نہیں) اور (ان لوگوں سے) کہو کہ جو (کتاب) ہم پر نازل ہوئی اور (جو کتابیں) تم پر نازل ہوئیں ہم تو سب ہی کو مانتے ہیں اور ہمارا خدا اور تمہارا خدا ایک ہی ہے اور ہم اُسی کے فرماں بردار ہیں ۱۲ ع اور وہ مسلمانوں کی اسی بات پر چڑ ہے کہ وہ اللہ پر ایمان لائے جو زبردست سزاوار حمد (وثنا) ہے (اور وہ ایسا قادر مطلق ہے) کہ آسمان و زمین کی سلطنت اسی کی ہے ۱۲

| | |
|---|---|
| اگر راہ و رسم عشق یہی ہے تو ایک دن | سن لیجیو کہ ترکِ ملاقات ہو گئی |

مسلمانوں کی کون کہے خود پیغمبر صاحب کو مونہہ در مونہہ کہتے تھے۔ [۵۱] یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْ نُزِّلَ عَلَیْهِ الذِّکْرُ اِنَّكَ لَمَجْنُوْنٌ وَعَجِبُوْٓا اَنْ جَآءَهُمْ مُّنْذِرٌ مِّنْهُمْ وَقَالَ الْكٰفِرُوْنَ هٰذَا سٰحِرٌ كَذَّابٌ مگر ان گالیوں کا جواب بھی سنا۔ [۵۲] اِنَّمَآ اَعِظُكُمْ بِوَاحِدَةٍ اَنْ تَقُوْمُوْا لِلّٰهِ مَثْنٰى وَفُرَادٰى ثُمَّ تَتَفَكَّرُوْا مَا بِصَاحِبِكُمْ مِّنْ جِنَّةٍ اِنْ هُوَ اِلَّا نَذِيْرٌ لَّكُمْ بَيْنَ يَدَيْ عَذَابٍ شَدِيْدٍ یہ صبر دو چار دن نہیں مستقل گیارہ برس۔ اب اس صابر اس متحمل پیغمبر کے پیرو مسلمان ہیں کہ بات بات میں جامے سے باہر نکلے پڑتے اور پیغمبر اور دین پیغمبر کو بدنام کرتے ہیں۔ انھوں نے اسلام کی اصلیت کو سمجھا ہی نہیں۔ بھائیو! ایک ہی اسلام۔ ایک ہی ایمان۔ ایمان نام ہے دلی عقیدے کا جس کو سوائے صاحبِ عقیدہ اور خدا کے کوئی جان نہیں سکتا۔ اسلام البتہ اوٹر اپیرنس (یعنی صورتِ حال کو کہتے ہیں) یوں سمجھو کہ مسلمانوں کا ایک خدائی لشکر ہے۔ تو اسلام وردی کی جگہ ہے۔ اور ایمان اوتھ آف الیجینس یعنی وفاداری کا حلف۔ شارع اسلام نے یہ لشکر کھڑا کیا تو امتیاز کے لیے یہ قرار داد کیا کہ جو ہمارے قبلے کی طرف کو مونہہ کرکے ہماری سی نماز پڑھے اور ہمارا ذبح کیا ہوا جانور کھائے وہ مسلمان اور جس کا ظاہر مسلمان وہ سچا دین دار ۵

| | |
|---|---|
| ہر کرا جامہ پارسا بینی | پارسا دان و نیک مرد انگار |
| ور ندانی کہ در نہانش چیست | محتسب را درون خانہ چہ کار |

۵۱ اور (اے پیغمبر) کفار مکہ تم سے اس طرح پر خطاب کرکے) کہتے ہیں کہ اے شخص جس (کے ذہن میں یہ خبط سمایا ہو کہ اس) پر (خدا کے ہاں سے) قرآن نازل ہوا ہے تو تو دیوانہ ہے) اور ان لوگوں نے (اس بات سے بھی) تعجب کیا کہ ان (ہی) میں کا (ایک شخص) ڈرانے والا (خدا کی طرف سے) ان پاس آیا اور (یہ) منکر لگے کہنے کہ یہ جادوگر جھوٹا لپاٹیا ہے ۱۲

۵۲ کہ میں نصیحت کے طور پر تم سے صرف ایک بات کہتا ہوں کہ خدا کے لیے دو دو مل کر اور اکیلے اکیلے کھڑے ہو جاؤ پھر سوچو (تو تم کو) معلوم ہو جائے گا کہ تمہارے رفیق کو کسی طرح کا بھی) جنون نہیں ہے بلکہ (تم پر ایک) عذاب سخت (نازل ہونے والا ہے اور اس) کے آگے آگے یہ تم کو ڈراتا ہے اور بس ۔۱۲

جو لوگ مسلمانوں کے گروہ سے خارج رہے اُن کا نام رکھا کافر جس کے لغوی معنی ہی خارج کے
ہیں۔ یعنی مسلمانوں کے گروہ سے الگ یا باہر۔ کافر کا مادہ ہو کاف فے رے اور اس کی اصل
وضع خروج کے لیئے ہو کاشتکار کو بھی کافر کہتے ہیں کہ وہ زمین کو جوت کر تلے کی مٹی کو باہر لاتا ہو۔
اَعْجَبَ الْکُفَّارَ نَبَاتُہٗ۔ کفارے کو اسی لیئے کفارہ کہتے ہیں کہ اس کی وجہ سے آدمی گناہ سے باہر
نکل آتا ہو۔ ابتدائی وضع میں مسلمان اور کافر محمڈنز اور نان محمڈنز کے مرادف تھے۔ یعنی مسلمان اور
نامسلمان اور اس سے کسی کی توہین منظور نہ تھی لیکن جوں جوں مسلمان دولت و حشمت حاصل
کرتے گئے اُن لوگوں کو جو اِن کے گروہ سے خارج تھے۔ حقیر سمجھنے لگے۔ اور یوں لفظ کافر
ایک تحقیر کا کلمہ ہو گیا۔ جیسے شیعوں کے لیئے رافضی اور سنیوں کے لیئے ناصبی اور خارجی یا
مسلمانوں کے ایک گروہ خاص کے لیئے معتزلی۔ حالانکہ رافضی اور ناصبی اور خارجی اور معتزلی
کسی میں توہین کے معنی نہیں۔ اب ہندو یا عیسائی کو نان محمڈن کہو تو وہ مطلق بُرا نہیں مانتا
اور کافر کہو تو وہ اُس کو گالی سمجھتا ہو۔ شارع اسلام کو یہ مدِّ نظر تھا کہ جہاں تک ہوسکے مسلمانوں کا گروہ
بڑھے اور پھیلے۔ وہ ساری دنیا کو مسلمان کرنا چاہتے تھے۔ اُن کی رسالت کا اصلی مقصود یہی
تھا۔ اور اسی لیئے۔ اُنھوں نے اسلام کا مدار ایسی بات پر رکھا تھا جس سے کسی آدمی کو انکار
ہو ہی نہیں سکتا۔ مگر وہ خدا جو چاہتا تھا اور چاہتا ہو کہ ساری دنیا کا ایک مذہب ہو جائے اسلام۔ وہ آدمیوں
کے اختلاف طبائع سے بخوبی واقف تھا۔ اَلَا یَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ وَھُوَ اللَّطِیْفُ الْخَبِیْرُ[۱] اور وہ
فرما چکا تھا وَلَوْ شَاءَ رَبُّکَ لَجَعَلَ النَّاسَ اُمَّۃً وَّاحِدَۃً وَّلَا یَزَالُوْنَ مُخْتَلِفِیْنَ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ رَبُّکَ[۲]
اسی پیشین گوئی کے پورا ہونے کے لیئے ایسے اتفاقات پیش آئے اور پیش آ رہے ہیں اور پیش آیا کریں گے
کہ دوسرے مذہبوں کے شمول میں ع "ہر چیز کہ در کانِ نمک رفت نمک شد" بیچارے اسلام

۱؎ بھلا (ہو سکتا ہو کہ خدا) جو پیدا کرے (وہی اپنی مخلوقات کے حال سے) ناواقف ہو حالانکہ وہ (بڑا) باریک اور باخبر
ہو ۱۲ ۲؎ اور اگر تمھارا پروردگار چاہتا تو لوگوں کی ایک ہی مت کر دیتا لیکن لوگ ہمیشہ (آپس میں) اختلاف کرتے
رہیں گے مگر جس پر تمھارا پروردگار فضل کرے ۱۲

کی بھی مٹی خراب ہی۔ بات بات میں تو اسلام میں سے نکالا ملتا ہی۔ ہم نے پھوٹیں اور گاجریں اور مولیاں بھی کبھی ایسی سستی نہیں دیکھیں جیسا اِس زمانے کے مسلمانوں میں کفر سستا ہی۔ ہندی کی چندی کرکے تو خدا نے ساری باتیں ان کو قرآن میں سمجھا دی ہیں۔ مگر یہ خدا کے کہے پر چلیں بھی۔ فرماتے ہیں۔ وَلَا تَنَازَعُوا فَتَفْشَلُوا وَتَذْهَبَ رِيحُكُمْ وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا اب کوئی ان سے پوچھے کہ۔ لَا تَفَرَّقُوا پر عامل تھے۔ تو یہ شیعہ سُنّی۔ مقلد۔ غیر مقلد۔ وہابی۔ بدعتی کہاں سے نکل پڑے۔ ہر ایک فریق دوسرے کے سر ہو رہے گا کہ ہم تو بدستور مذہب حق پر قائم ہیں یہ چھٹک کر الگ ہو گئے۔ نہیں نہیں تمامی اسلامی فرقے سب ہی تو تفریق کے مجرم ہیں لوگوں نے وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيعًا کے معنی ہی ٹھیک نہیں سمجھے۔ خدا فرماتا ہی کہ خدا کی رسی کو سب کے سب مضبوط پکڑے رہو اور جدا نہ ہو۔ کاہے سے۔ اُسی اللہ کی رسی سے۔ یعنی سب کے سب خدا پر بھروسا رکھو اُسی کو اپنا حامی اور مددگار اور کارساز سمجھو جب تک اللہ کی رسی کو پکڑے رہو گے تم سب ایک ہو۔ بڑی بات ہی رسّی کا پکڑے رہنا۔ خدا تو کہے تم ایک ہو اور یہ کہیں کہ نہیں ہم تو بہتّر ہیں۔ مسلمانوں کے اندرونی اختلاف خارج از بحث ہیں۔ ورنہ سب خدا کی رسی ہی تھامے ہوئے ہیں۔ اِس لیے کہ سب مسلمان ہیں۔ مذہب کے بارے میں دو بڑی بڑی غلطیاں لوگوں سے ہو رہی ہیں۔ ہندو ہوں۔ یا مسلمان۔ یا عیسائی۔ یا کوئی یا کوئی۔ مذہب کی اصلی غرض ہی اپنے نفس کی اصلاح۔ لوگ اس سے تو ہیں غافل اور دوسروں کے پیچھے پڑے ہیں قاضی جی دُبلے کیوں شہر کے اندیشے سے ؎

| | | | |
|---|---|---|---|
| | رند خراب حال کو زاہد نہ چھیڑ تو | | تجھ کو پرائی کیا پڑی اپنی نبیڑ تو |
| | | ؎ | |
| | ہر کے ناصح برائے دیگراں | | ناصح خود یافتم کم در جہاں |

؎ اور آپس میں جھگڑا نہ کرو کہ (آپس میں جھگڑا کرنے سے) تم ہمت ہار دو گے اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی۔ اور سب مل کر خوب مضبوطی سے اللہ کا ذریعہ پکڑے رہو اور ایک دوسرے سے الگ نہ ہونا ۱۲

دوسری غلطی جو پہلی غلطی کی طرح عام ہو یہ ہو کہ ہر ایک مذہبی فرقہ تمام دوسرے فرقوں کو خیر جہنمی سمجھے تو سمجھے یہ کیسی بے انصافی اور ہیکڑی اور ہٹ دھرمی کی بات ہو کہ وہ دوسرے فرقوں کے لوگوں کو مطلقاً نیکی سے بے نصیب اور تمام قسم کی بدیوں کا جامع سمجھ لیتا ہو۔ ایک ہندو ہر ایک مسلمان کو جھوٹا دغاباز۔ بے رحم۔ مردم آزار۔ چور۔ خائن۔ کشتنی۔ گردن زدنی فرض کر لیتا ہو۔ صرف اس لیے کہ وہ مسلمان ہو اور یہی حال ہو مسلمانوں کا ہندوؤں کی نسبت۔ تو ان میں میل ہو چکا اور اسی سے تو فرماتا ہو۔ وَلَا یَزَالُوْنَ مُخْتَلِفِیْنَ [۱۵] کہ اختلافِ مذہب لوگوں میں کبھی التیام ہونے دینے کا ہی نہیں۔ قرآن کی اور بہت سی پیشین گوئیوں میں تو ایک یہی پیشین گوئی ہو جو حرف بحرف ہر جگہ پوری ہو رہی ہو۔ مذہب کے بارے میں لوگوں کی غلطیاں گنوانے پر آؤں تو گنواتے گنواتے صبح کر دوں۔ مگر وہ جو میں نے کہا تھا کہ خود مسلمان اسلام اور ایمان میں فرق نہیں کرتے۔ اسی کی ذری سی توضیح اور سہی کہ بات کو اگر منطق کے ضلع میں لا ڈالیں تو اسلام اور ایمان میں عموم اور خصوص مِن وجہٍ کی نسبت ہو۔ جس میں دو مادے افتراق کے ہوتے ہیں اور ایک مادہ اجتماع کا یعنی بعض شخص ایمان بھی رکھتے ہیں اور مسلمان بھی ہیں جیسے میں۔ دوسروں کو میں اپنے ساتھ شامل نہیں کرتا۔ کیونکہ ہر چند اسلام ظاہر سے متعلق ہو اور آپ لوگوں کا ظاہر حال مسلمانوں کا سا ہو الا ماشاء اللہ۔ مگر ایمان دلی خیال کا نام ہو اور اس کو صاحبِ خیال اور خدائے تعالیٰ کے سوا اور کوئی جان نہیں سکتا۔ اگرچہ یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا کَثِیْرًا مِّنَ الظَّنِّ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ [۱۶] کی رو سے کسی کو کسی کی نسبت بدگمانی کرنے کا حق نہیں اور میں سب ہی کو اپنے سے بہتر ایمان دار سمجھتا ہوں مگر پھر بھی کسی کے دل کے بارے میں حتماً برا یا بھلا کوئی حکم نہیں لگا سکتا۔ اگر کسی صاحب کو میرا یہ کہنا ناگوار ہو ان کو میری نسبت ایسا ہی خیال کرنے کا اختیار ہو۔ میں ذرا بھی برا نہیں مانتا میرا عقیدہ یہ ہو کہ ایمان کا معاملہ خدا اور بندے کا معاملہ ہو۔ کسی دوسرے بندے کو اس میں دخل دینا

---

[۱۵] لیکن لوگ ہمیشہ (آپس میں) اختلاف کرتے رہیں گے ۱۲ [۱۶] مسلمانو! (لوگوں کی نسبت) بہت شک کرنے سے بچتے رہو کیونکہ بعض شک (داخل) گناہ ہیں ۱۲

نہیں چاہیئے - بہرکیف ایمان اور اسلام میں عموم اور خصوص من وجہ کی نسبت ہے - دو مادے افتراق کے ہیں اور ایک مادہ اجتماع کا - تو بعضے مومن بھی ہیں اور مسلمان بھی ہیں - یہ تو اجتماع کا مادہ ہوا - اور بعض مومن ہیں مسلمان نہیں - یعنی اُن کے دل میں ایمان ہے مگر بظاہر مسلمانوں کے گروہ سے الگ ہیں - اور بعض مسلمان ہیں مومن نہیں - یعنی اُن کا ظاہر مسلمان ہے اور دل میں ایمان نہیں ہم ایک شخص خاص کی نسبت تو یہ کہہ سکتے ہیں کہ مسلمان نہیں جب کہ اُس کا ظاہر مسلمانوں کا سا نہ ہو - اور جب کسی کی نسبت کفر کا حکم لگایا جائے اُس کا یہی مطلب ہوتا ہے مگر کوئی شخص کسی شخص کی نسبت نہیں کہہ سکتا کہ وہ مومن نہیں - اگر یہ تفرقہ ملحوظ خاطر رہے تو مذہبی عداوتوں کی شورش بہت کچھ فرو ہو جائے - مگر افسوس بہت تھوڑے لوگ اس بھید سے واقف ہیں کہتے ہیں کہ تین چیزیں دنیا میں بنائے فساد ہیں - زر - زمین - زن - بے شک اکثر فسادات زر - زمین - زن سے پیدا ہوتے ہیں - لیکن جس نے فسادات کو ان تین چیزوں میں محصور کیا - اُس سے بڑی فروگذاشت ہوئی کہ اُس نے مذہب سے ذہول کیا - حالانکہ سب سے زیادہ بنائے فساد مذہب ہے - لوگوں کے ظرف متحمل نہیں - ورنہ مجھ کو ایسی بہت سی باتیں معلوم ہیں کہ اگر معلوم کرا دوں تو تم کو دنیا میں اپنے سوائے کوئی کافر ہی نہ دکھائی دے ؎

| | | | |
|---|---|---|---|
| گرت چشم خدا بینی بہ بخشد | | نہ بینی ہیچکس عاجز تر از خویش | |
| | ؎ | | |
| مصلحت نیست کہ از پردہ بروں افتد راز | | ورنہ در مجلس رنداں خبرے ہست کہ نیست | |

# اُنتیسواں لکچر

یہ نظم مدرسہ طبیہ دہلی کے آٹھویں سالانہ جلسے منعقدہ (۲۷) مارچ سنہ ۱۸۹۷ء کو پڑھی گئی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اگرچہ دیر سے ہیں مجتمع خواص و عوام
پر اس میں شک نہیں جلسہ ہوا کب بے ہنگام

کسی طرف سے بھی آوازِ خوش نہیں آتی
کچھ ایسا بگڑا ہے نظمِ لیالی و ایام

وہ بمبئی کہ جو تھا مرکزِ تجارتِ ہند
وبا نے کر دیا گویا کہ اُس کا کام تمام

مکان رت جگے رہتے تھے جن میں ساری رات
وہ کر رہے ہیں پڑے بھائیں بھائیں اول شام

حکایتیں جو مصائب کی اُن کی سنتے ہیں
تو دونوں ہاتھوں سے لیتے ہیں ہم کلیجہ تھام

خدا ہی جانے ہوئیں کتنی عورتیں بیوہ
خدا ہی جانے ہوئے بچے کس قدر ایتام

جلا وطن ہوئے کتنے کہ جو نہ ٹھہر سکے
کوئی سلون کو بھاگا کوئی گیا آسام

مگر پناہ نہیں آہوئے حرم کو بھی
کہیں۔ جہاں میں جب دمِ قضا بچھائے دام

مرا تو کرتے ہیں لیکن نہ یوں مفاجاۃً
تپ آئی صبح کو دن چڑھتے ہو گیا سرسام

ہوئی دوپہر تو دنیا سے ہو گئے رخصت
کہ تپ کے ساتھ ہی آیا تھا مرگ کا پیغام

ہزاروں آدمی گر جاں بحق ہوئے تو ہوئے
یہ کیا غضب ہی ہوئی طب رہی سہی بدنام

علاج جتنے کئے سب کے سب گئے بے سود
بتائیں جتنی تدابیر سب رہیں ناکام

بس اب کھلا کہ طبابت کی اتنی ہستی ہے
کہ جھٹ سے لکھ دیا خیسانده از برائے زکام

سکنجبین کو فرمایا قاطعِ صفرا
مریضِ حبس[۱] کو بتلایا روغنِ بادام

بنی جب آن کے جانوں پہ اور رہی عاجز
تو ایسی طب کو سلام اور سلام اور سلام

[۱] حبس خشکی ۱۲

دوا کا حیلہ ہی گر وقت ابھی نہیں آیا
تو ہوتے دیکھا ہی تنگی سے خاک کی آرام

اور آن پونہچا ہی وعدہ تو بس سمجھ رکھو
دعا دوا کوئی تدبیر بھی نہ آئے کام

ادہر وبا نہیں پر قحط اور گرانی سے
مچا ہوا ہی ہر اک گھر میں رات دن کہرام

غلط کہ عید ہوئی ہم کو کوئی سمجھا دے
یہ فاقے کیسے اگر ہو چکا ہی ماہِ صیام

ہمیں تو بے زری اور مفلسی نے مار دیا
وگر نہ کیا تھا جو ہوتے گرہ میں اپنی دام

وبا و قحط سے باقی تھا کیا اُجڑنے میں
مگر بھلے کو نگہبانِ خلق تھے حکام

کجا فراغ خوشی کیسی۔ کس کا اطمینان
ان آفتوں کے سبب ہو رہی ہی زیست حرام

یہ قحط دور ہو تب لکچروں کی بات سو بات
سُنا تو ہوگا کہ اول طعام بعد کلام

پھری ہوئی ہی خدا کی نظر کچھ ان روزوں
کہ ہم نے توڑے ہیں اس کے ضوابط و احکام

بساط یہ ہی اور اس پہ گناہ کی جرأت
نمود یہ ہی اور اس پہ قصور کا اقدام

کیا ہی دین و شریعت کا ہم نے استخفاف
مگر خدا کو بھی سمجھا ہی داخلِ اوہام

اُسی سے ہو سکے ہم سے بدوں کے تھے سلوک
اُسی سے بن پڑے نالائقوں کو دے انعام

سوائے توبہ نہیں کچھ علاج قہرِ خدا
طبیب ہو کہ طبابت کسی پہ کیا الزام

وہ چاہے مار دے ہم سب کو بے وبا بے قحط
بقا تجھی کو ہی اے ذوالجلال والاکرام

گناہ گار ہیں پر معترف قصور کے ہیں
وسیع ہی تری رحمت کرم ہی تیرا عام

جئیں تو خوش جئیں اور امن و عافیت سے جئیں
جب آئے موت تو سب کا بخیر ہو انجام

کبھی آپ صاحبوں نے اس بات پر بھی غور کیا ہی کہ اہلِ یورپ خاصکر انگریزوں کی دنیاوی ترقی کا اصل گُر کیا ہی۔ میں انگریزوں کو اس لئے خاص کرتا ہوں کہ اول تو ہم کو ان ہی لوگوں سے قوی تعلق ہی کہ یہ ہمارے حاکم ہیں ہم محکوم یہ بادشاہ ہیں ہم رعیت دوسرے کیا وسعتِ رقبہ کے اعتبار سے اور کیا مردم شماری کے اعتبار سے اور کیا ملک کی زرخیزی اور رعایا کی خوش حالی کے اعتبار سے اِن کی سلطنت روئے زمین کی تمام سلطنتوں سے بیش بیش اور زبردست اور مطمئن تر ہی۔ کہتے ہیں

اور سچ کہتے ہیں اور بالکل سچ کہتے ہیں کہ کوئین وکٹوریا امپرس آف انڈیا کی سلطنت میں کسی وقت آفتاب غروب نہیں ہوتا اس کے یہ معنی ہیں کہ زمین گول ہی اور اپنے اوپر پلٹے کھاتی ہوئی آفتاب کے گرد گھومتی ہی جس سے رات دن پیدا ہوتے ہیں تو کسی وقت آفتاب کے غروب نہ ہونے کا یہ مطلب ہی کہ کوئین وکٹوریا امپرس آف انڈیا کی سلطنت اس قدر وسیع ہی کہ اس کا کوئی نہ کوئی حصہ ہمہ وقت محاذیِ آفتاب رہتا ہی اگر امپرس وکٹوریا کی سلطنت میں کسی وقت آفتاب نہ ڈوبنے کے یہی معنی ہیں تو ان میں بھی شاعرانہ مبالغہ نہیں ہی بلکہ حکایتِ واقعی اور نفس الامری ہی۔ روئے زمین کا ایک کرہ لو اور جغرافیہ کے نقشوں کی رو سے اُس پر جابجا ملکہ کی عملداری کے نشان کرو تو پاؤگے کہ جابجا ملکہ کی عملداری اس کثرت سے ہی کہ گویا ایک چپہ بھر جگہ ملکہ کی عملداری سے خالی نہیں۔ لیکن کرہ لو اور اُس پر نشانات کرو تب تم کو اس کا یقین آئے۔ مگر ملکہ کی عملداری میں کسی وقت آفتاب کے نہ ڈوبنے کے ایک اور بھی معنی ہیں جس کو آپ لوگ بے کُرے اور بے نشان باور کر سکتے ہیں وہ یہ کہ ظلم اور بے انصافی کو اندھیرے سے اور عدل و انصاف کو نور سے تعبیر کرتے ہیں۔ کسی ہائی کورٹ کی ایک حکایت سُنی تھی کہ کوئی حق دار بارسٹروں اور وکیلوں کے قانونی ارٹنگوں کی وجہ سے اپنے حق واجب سے محروم ہو گیا جب اُس کو کوئی چارۂ کار باقی نہ رہا تو اِذَا یَئِسَ الْاِنْسَانُ[۵۱] طَالَ لِسَانُہٗ وہ ایک آخری درخواست ججوں کے پاس لے گیا۔ ایک ہاتھ میں درخواست اور دوسرے میں مشعل۔ روزِ روشن میں مشعل کی وجہ پوچھی گئی تو اُس نے کہا کہ اس عدالت میں اندھیر ہی اس سے میں مشعل لے کر آیا ہوں علاوہ اس کے ظلم و ظلمت کا مادہ بھی ایک ہی تو ملکہ کی عملداری میں کسی وقت آفتاب کے غروب نہ ہونے کا یہ مطلب ہوا کہ اس عملداری میں آفتابِ عدل و انصاف ہمہ وقت تاباں و درخشاں رہتا ہی اور یہ ایک ایسی بات ہی کہ کوئی متنفس انکار نہیں کر سکتا۔ اچھا پھر انگریز ایک چھوٹے سے جزیرے انگلستان کے رہنے والے کس کمال کے بنے ہوئے ہیں کہ ربعِ مسکون کے اکثر حصے پر پھیل گئے۔ اور پھیلنا بھی بادشاہوں کا سا پھیلنا کہ اپنے سے دس گنے بچاس گنے سو گنے ہزار گنے بلکہ زیادہ گنے باشندوں کو زیر کر کے ان پر حکمرانی کر رہے ہیں۔ یہ کیوں۔ آیا اس لئے

[۵۱] جب آدمی نا امید ہوتا ہی تو زبان درازی کرنے لگتا ہی۔

کہ سرد ملک کے رہنے والے ہیں۔ نہیں۔ یا اس لیے کہ رنگتیں گوری ہیں۔ نہیں۔ یا اس لیے کہ عیسائی ہیں۔ نہیں نہیں نہیں۔ اچھا میں ان کی ترقی کا اصلی گُر بتاؤں۔ سائنس۔ سائنس کہو فلسفہ کہو علم کہو ایک ہی بات ہے۔ بات تو ایک ہی ہے مگر جس کو ہم علم سمجھتے ہیں وہ علم نہیں بلکہ دوسرے دوسرے علوم جس میں اُنھوں نے ترقی کی یا اُنھوں نے نئے نئے ایجاد کیے ہمارے ہاں تو علم الفاظی اور خیالی مفروضات کا نام تھا۔ خیالی مفروضات کے سمجھانے کے لیے ایک نقل بیان کرتا ہوں کہ دو حقیقی بھائی تھے ایک ماں ایک باپ دونوں نے پڑھی منطق اتفاقاً ان میں کسی بات پر لڑائی ہوئی اور وہ مناظرے سے بڑھ کر حد مشاتمہ یعنی گالی گلوچ تک پہنچی اور مناظرے کا انجام اکثر یہی ہوا کرتا ہے تو ایک بھائی دوسرے بھائی کو ماں کی گالی دیتا تھا مگر اس حیثیت سے کہ وہ دوسرے کی ماں ہے اور اسی سے تو کہا ہے کہ لَوْلَا الْاِعْتِبَارَاتُ لَبَطَلَتِ الْحِکْمَۃُ [۵۱] لیکن اب علم کی شان بدل گئی ہے اس کا دائرہ نہایت وسیع ہو گیا ہے۔ کوئین وکٹوریہ امپرس آف انڈیا کی سلطنت سے بھی اضعافاً مضاعفۃ۔ اب خیالی مفروضات کی جگہ واقعات ہیں اور تمام موجوداتِ عالم۔ اور ان کے تمام حالات میں سے ایک ایک موجود اور اس کا ایک ایک حال علمِ جداگانہ کا موضوع ہے علوم میں ایسی موشگافیاں ہو رہی ہیں کہ ایک ایک علم میں سے کتنی شاخیں پھوٹتی چلی آتی ہیں اور ہر شاخ بجائے خود ایک علمِ جداگانہ ہے۔ یہ نہیں کہ جیسے ہمارے یہاں کے حکیم کہ جتنے عوارض انسان کو از سرتا پا لاحق ہوتے ہیں وہی سب کی تشخیص کریں وہی علاج کریں وہی دوا بتائیں وہی دوا بنائیں وہی چیر پھاڑ کریں وہی فصد لیں وہی دایہ گری کا کام دیں وہی بیمار دار ہوں۔ بے شک ان میں سے کئی کام ہیں جو حکیم نہیں کرتے مگر جس کو حکیم نہیں کرتے وہی جیسا چاہیئے ہوتا بھی نہیں۔ ہمارے ہاں کی طبابت کا حال تقریب قریب پولیس کا سا ہے۔ کہ ہمارے دیکھتے وہی لوگ پریونٹو [۵۲] تھے۔ وہی لوگ پروٹکٹو [۵۳] وہی ڈٹیکٹو [۵۴] وہی گرفتار کرنے والے وہی اکثر حالتوں میں مجسٹریٹ تجویز کرنے والے اب ان سے تجویز کے اختیارات نکال لیے گئے ہیں اور ہاں کہیں کہیں ڈٹیکٹو پولیس بھی الگ الگ ہے مگر اور

[۵۱] اگر حیثیت کا لحاظ نہ ہو تو حکمت کوئی چیز نہیں ۱۲ [۵۲] انسدادی [۵۳] محافظ۔ [۵۴] تفتیشی۔ ۱۲

سب خدمتیں بدستور ہیں۔ ہمارے یہاں کی طب میں تو نہیں مگر انگریزی طب میں تفریق ہو چلی ہی اکثر اسپشلسٹ ہوتے ہیں جیسے ڈِنٹسٹ[52] کہ وہ صرف دانتوں کا طبیب ہی۔ کوئی صرف بال لیے ہوئے بیٹھا ہی۔ کوئی صرف حلق۔ کوئی صرف جلد بدن کوئی آنکھ پھر دواساز الگ ہیں چیر پھاڑ کرنے والے الگ۔ دائیاں الگ۔ بیمار دار نرسز[53] الگ۔ ہم اپنے جو یہاں کی طبابت کی حالت خراب دیکھتے ہیں تو ایسا معلوم ہوتا ہی کہ ہم بھی اپنی خوشی جی رہے ہیں۔ تعجب ہی کہ ہم کیوں تن درست رہتے ہیں اور کیوں بیمار پڑے پیچھے ہمیشہ مر نہیں جاتے۔ طب کی یہی خرابیاں تو ہیں جن کے دور کرنے کو حکیم **عبدالمجید خاں** صاحب نے یہ مدرسہ جاری کیا ہی۔ مگر اس کو حکیم صاحب کی مرضی کے مطابق درجۂ تکمیل کو پونہچنے کے لیے ایک عمر چاہیے۔ پبلک حقِ قدرِہ قدر نہیں کرتی اور ہم پیشہ نظرِ استحسان سے نہیں دیکھتے۔ نیز یہ رونا تو ہمارے جیتے جی ہندوستان سے جاتا نہیں۔ لاؤ وہ سائنس والی بات پوری کریں۔ سائنس کی ترقی کے نہ صرف یہ معنی ہیں کہ اہلِ یورپ نے سینکڑوں ہزاروں نئی باتیں دریافت اور ایجاد کی ہیں جو یونانیوں کے خواب و خیال میں بھی نہ تھیں بلکہ ایسٹرانمی (علمِ ہئیت) کیمسٹری (کیمیا) نیچرل فلاسفی (طبعیات) جیالوجی (طبقات الارض) باٹنی (علمِ فلاحت) ہسٹری (تاریخ) جیاگرفی (جغرافیہ) شاید ہی کوئی علم ہوگا جس میں فلاسفۂ یورپ نے یونانیوں کی غلطیاں نہ پکڑی ہوں۔ میں شمس العلماء خان بہادر مولوی ذکاء اللہ کی طرح سائنٹفک[53] مین تو ہوں نہیں پھر بھی مجکو یوروپین سائنس کے بتانے سے کہ میں نے اس کو کھایا نہیں مگر اس کا ذائقہ چکھا ہی۔ غرض یوروپین سائنس کے بتانے سے مجکو یونانیوں کی کئی غلطیاں معلوم ہوئیں۔ اگرچہ میں جانتا ہوں اور خوب اچھی طرح جانتا ہوں کہ یونانیوں کے مسلّمات کو غلط کہنا بعض مسلمانوں کے نزدیک کفر ہی کہ انھوں نے یونانیوں کے مسلمات کو معتقدات مذہبی میں داخل کر رکھا ہی۔ مگر میں اس کفر سے کہاں بچ سکتا ہوں۔ ان لوگوں کے اسلام کی رو سے تو میری جتنی ادائیں ہیں کفر ہی کفر ہیں۔ میں نے دہلی گورمنٹ کالج میں گو عربی پڑھی مگر گورمنٹ کالج میں پڑھا۔ ایک کفر اور عربی

۵۱ کسی فن کا معالج خاص۔ ۵۲ دندان ساز۔ ۵۳ تیمار دار دایہ۔ ۱۲

کے ساتھ انگریزی سائنس کا تھوڑا ترجمہ پڑھا۔ دوسرا کفر۔ انگریزی نوکری کی۔ تیسرا کفر اور نوکری کی بھی تو من لم یحکم بما انزل اللہ الخ[۱] کے خلاف۔ چور کا ہاتھ نہیں کاٹا۔ زانی کو سنگسار نہیں کیا۔ دعووں کی سماعت میں قانونِ اسٹامپ اور لا آف لیمٹیشن یعنی (قانونِ میعاد سماعت) لا آف ایوی ڈنس (قانونِ شہادت) پر عمل کیا۔ مسلمانوں کے مقابلے میں غیر مذہب کے لوگوں کی شہادت قبول کی۔ بلکہ بعض دفعے مسلمانوں کی شہادت پر کافروں کی شہادت کو ترجیح دی۔ ۱۸۵۷ء کے غدر میں مسٹر لیمین کی جان بچانے میں شریک و معین رہا ساری عمر انگریزی عملداری کو اچھا سمجھا اور برٹش گورمنٹ کی خیر خواہی کا دم بھرتا رہا۔ بلا ضرورت انگریزی پڑھی۔ سید احمد خاں نیچری کے کالج کا ٹرسٹی اور کانفرنس کا لکچرار بنا۔ اور وہی[؟] لاسٹ دو ناٹ دی لیسٹ۔ مولوی شاہ رفیع الدین صاحب و مولوی شاہ عبدالقادر صاحب کے ایک چھوڑ دو دو ترجمے ہوتے ساتے قرآن کا اُردو ترجمہ کیا۔ یہ سب کتنے کفر ہوئے۔ اس حساب سے تو میرے روئیں روئیں میں کفر ہے۔ اچھا تو این ہم اندر عاشقی بالائے غمہائے دگر۔ جہاں اتنے سارے کفر ہیں وہاں ایک کفر یہ بھی سہی کہ میں انگریزی سائنس کے بتانے بلکہ یوں کہو بہکانے سے یونانیوں کے بعض مسلمات کو غلط سمجھتا ہوں۔ اس وقت میں صرف ایک ہی بات کہنی چاہتا ہوں کہ یونانیوں کے سکھانے سے ہم لوگ اَبًا عن جدٍ مانتے چلے آتے ہیں کہ دنیا چار عناصر سے بنی ہے باد و خاک و آب و آتش۔ اور یہ چاروں بسیط ہیں کہ ان میں ترکیب نہیں۔ اہلِ یورپ نے کیا کفر پھیلایا کہ ہوا میں ترکیب ثابت کی اور علم کیمیا کے زور سے آکسیجن۔ ہیڈروجن۔ نائٹروجن۔ تین قسم کی مختلف الخواص ہوائیں الگ الگ کر کے دکھا دیں۔ اسی تحقیقات میں منکشف ہوا کہ آکسیجن کے بدون آگ نہیں جل سکتی۔ نباتات کو نمو نہیں ہو سکتا۔ جب تک ایک خاص پروپورشن یعنی نسبت کے ساتھ آکسیجن اور ہیڈروجن کا امتزاج نہ ہو پانی نہیں بن

[۱] جو شخص خدا کے اُتارے ہوئے احکام کے مطابق فصل خصومات نہ کرے تو ایسے ہی لوگ کافر اور ظالم اور فاسق ہیں ۱۲ اللہ گو سب سے اخیر مگر کسی سے کم نہیں۔ ۱۲۔

سکتا۔ انسان کو خلیفۃ اللہ کہا جاتا ہی اور اس خلافت کے یہی معنی ہیں کہ خدا نے انسان کو عقل دی ہی جس کی مدد سے وہ مخلوقات کے خواص اور اُن کی تاثیرات اور علت و معلول کے تعلقات کو دریافت کرے اور دریافت کیئے پیچھے مخلوقات میں تصرفات کرے۔ جو اس کے لیے بکار آمد ثابت ہوں انسان ایسا کرے تو حقیقت میں وہ اپنا فرض انسانیت ادا کرتا ہی اور اسی لیے وہ پیدا کیا گیا ہی۔ لیکن اس کی تحقیقات کسی درجہ تک اور اس کے تصرفات کسی حد تک پونہچیں اسکو چاہیئے کہ دائرہ عبودیت سے قدم باہر نہ رکھے۔ سر آئزک نیوٹن جس کو یورپ کے فلسفیوں کا جدّ امجد کہنا چاہیئے اور یورپ کے فلسفیوں کا جدِ امجد ہوا تو ہندوستان کے نئے فلسفیوں کا پردادا۔ بہرکیف نیوٹن بایں رسائی ذہن کہ اُس نے لاآف[51] گرے ویٹیشن اور اٹریکشن[52] دریافت کرکے زمین و آسمان کے قلابے ملا دیے۔ کہا کرتا تھا کہ میں جو اسرار نیچر کی ٹوہ میں لگا رہتا ہوں میری مثال اُس بچے کی سی ہی جو سمندر کے کنارے بیٹھا ہوا گھونگھے اور سیپیاں جمع کر رہا ہو اور قعر دریا میں جو موتیوں کا ذخیرہ ہی اُس کی اُس کو خبر تک نہیں۔ سچ ہی وَمَآ[53] اُوتِیتُم مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِیلًا۔ جو شخص کوئی مفید چیز ایجاد یا دریافت کرتا ہی۔ اُس کو وہیں تک فخر کرنے کا حق ہی جیسے رمضان کے بعد ہلال عید کے لیے لوگ سخت بے قرار ہوتے ہیں وہ نہ جنتری کو مانتے ہیں نہ پترے کو نہ دوج کو۔ اور نہ مطلع کے صاف یا نا صاف ہونے کی پروا کرتے بلکہ انتیسویں ۲۹ تاریخ کچھ دن رہے سے میدانوں میں نکل جاتے یا بلندیوں پر جا بیٹھتے ہیں۔ ایک بھیڑ کی بھیڑ چاند دیکھتی ہوتی ہی۔ اور اُن میں سب سے پہلے چاند ایک شخص کی نظر چڑھ جاتا ہی اور وہ خوش ہوتا ہی پس ایسی ہی خوشی اور اتنی ہی خوشی ایک موجد اور مخترع کو ہونی چاہیئے۔ چاند کے دیکھنے والے نے اتنا ہی کیا کہ سب سے پہلے چاند دیکھا۔ نہ یہ کہ چاند بنایا۔ یا اُس نے اپنی آنکھ بنائی اور اُس کو قوتِ بصارت دی۔ اسی طرح جس نے سب سے پہلے مثلاً سٹیم کی طاقت دریافت کی اُس نے نہ پانی کو پیدا کیا نہ آگ کو اور نہ پانی اور آگ کی اُس خاصیت کو کہ آگ کی حرارت

۵۱ قانون کشش ثقل۔ ۵۲ کشش۔ ۵۳ تم لوگوں کو بس تھوڑا سا ہی علم دیا گیا ہی ۱۲

پاکر پانی کی سٹیم بنے۔ اور نہ اُس نے سٹیم میں یہ زور ڈالا کہ وہ روکے نہ رُکے دبائے نہ دبے۔ جب یہ بات دریافت ہوئی کہ آکسیجن اور ہائیڈروجن کے اتنے پروپورشن سے پانی برستا ہی تو دہری فلسفی لگے اُچھلنے اور بغلیں بجانے کہ بس اب کیا تھا ہوا میں آکسیجن اور ہائیڈروجن کا یہ پروپورشن پیدا کرنا کون سی بڑی بات ہی۔ جا بجا اکسپرمنیٹ (تجربے) ہونے لگے۔ چار یا پانچ برس ہوئے میں نے کسی انگریزی اخبار میں پڑھا تھا۔ کہ مدراس پریزیڈنسی میں بھی کوئی بلند مقام تجویز کر کے گولے چلائے گئے اور اتفاق سے کسی محدود مقام میں کچھ یوں ہی سی بوندا باندی بھی ہو گئی تھی شیخ ابراہیم ذوق کیا خوب فرماتے ہیں ؎

| | |
|---|---|
| اس جبر پر تو ذوق بشر کا یہ حال ہی | کیا جانے کیا کرے جو خدا اختیار دے |

سب تو سر آئزک نیوٹن کا سا ظرف نہیں رکھتے۔ عجب نہیں ان فلسفی گولہ اندازوں کے ذہن میں یہ قیاس سمایا ہو کہ اب ہم خدا کے بڑے اختیار پر قابو پا گئے ہیں۔ اسی طرح طبابت بھی ترقی کی بڑی بڑی لیپیس اینڈ بونڈز (چھلانگیں) مار رہی ہی۔ ایک تازہ ایجاد تو یہ ہی کہ بے چیرے پھاڑے احشار یعنی اعضار اندرونی کی ہو بہو تصویر اُتارتے۔ اور آنکھوں سے دیکھ لیتے ہیں کہ کس جگہ کیا آفت ہی۔ اس فن میں بھی کمال پیدا کر کے حدِ بشری میں رہنا اور اپنے تئیں بندۂ عاجز اور خادمِ نیچر سمجھنا بڑے حوصلے والوں کا کام ہی۔ آدمی عالمِ اسباب میں پیدا کیا گیا ہی اور اُس کا جینا۔ مرنا چلنا پھرنا۔ کھانا۔ پینا۔ سونا۔ جاگنا۔ یعنی وہ خود اور اُس کے تمام حرکات و سکنات اور تمام عوارض و حالات محکوم قاعدۂ اسباب ہیں۔ باایں ہمہ اُس سے اکثر ایسی غلطی ہوتی ہی۔ کہ وہ تعیین سبب میں دھوکا کھاتا ہی اور چوں کہ وہ اسباب مرئی اور مشاہدہ کا خوگر ہی۔ سببِ اصلی یعنی خدا کو بھلا دیتا ہی۔ میں اس کی ایک مثال کلامِ الٰہی سے دیتا ہوں۔ اِنَّ قَارُوْنَ كَانَ مِنْ قَوْمِ مُوْسٰى فَبَغٰى عَلَيْهِمْ ۖ وَاٰتَيْنٰهُ مِنَ الْكُنُوْزِ مَآ اِنَّ مَفَاتِحَهٗ لَتَنُوْٓاُ بِالْعُصْبَةِ اُولِى الْقُوَّةِ ۤ اِذْ قَالَ لَهٗ قَوْمُهٗ لَا تَفْرَحْ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْفَرِحِيْنَ ۝ وَابْتَغِ فِيْمَآ اٰتٰىكَ اللّٰهُ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ وَلَا تَنْسَ نَصِيْبَكَ

؎ ترجمہ تا سبب ۵۲ قارون موسیٰ کی قوم (یعنی بنی اسرائیل) میں سے تھا پھر وہ اُن پر ظلم کرنے لگا۔ اور ہم نے اُس کو اتنے خزانے دے

مِنَ الدُّنْيَا وَأَحْسِنْ كَمَا أَحْسَنَ اللّٰهُ إِلَيْكَ وَلَا تَبْغِ الْفَسَادَ فِي الْأَرْضِ إِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِيْنَ قَالَ إِنَّمَا أُوْتِيْتُهُ عَلٰى عِلْمٍ عِنْدِيْ اور دوسری جگہ فرماتے ہیں۔ فَإِذَا مَسَّ الْإِنْسَانَ ضُرٌّ دَعَانَا ثُمَّ إِذَا خَوَّلْنَاهُ نِعْمَةً مِّنَّا قَالَ إِنَّمَا أُوْتِيْتُهُ عَلٰى عِلْمٍ اب میں پوچھتا ہوں کہ گو مُونہ سے نہ کہیں مگر کیا ہم بنی آدم اپنی تمام کامیابیوں اور خوش حالیوں کو اپنی تدبیر اور صرف اپنی تدبیر کی طرف منسوب نہیں کیا کرتے ؎

| | |
|---|---|
| ہیچ کس از ما کم از فرعون نیست | لیکن او را عون ما را عون نیست |
| کیست از خواہش پرستی ہا بری | عصمتِ بی بی ست از بے چادری |

فرعون کی نسبت لکھا ہے کہ وہ بڑا فلسفی تھا اور ریاضی میں اُس کو ایک خاص دستگاہ تھی فلسفیانہ عقل اور ریاضی کی دستگاہ رکھ کر جو وہ أَنَا رَبُّكُمُ الْأَعْلٰى کہتا تھا تو اُس کی کوئی وجہ ہوگی۔ اور وہ وجہ نہیں تھی مگر یہ کہ وہ اپنی حالت پر مغرور تھا اور موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ اپنا مقابلہ کرکے لوگوں سے کہتا تھا کہ أَلَيْسَ لِيْ مُلْكُ مِصْرَ وَهٰذِهِ الْأَنْهَارُ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِيْ أَفَلَا تُبْصِرُوْنَ ۔ أَمْ

بقیہ نوٹ صفحہ ۱۷۴ ۔ رکھے تھے کہ کئی زور آور مرد اُس کی کنجیاں بمشکل اُٹھاتے۔ ایک بار اُس کی قوم (کے لوگوں) نے اُس سے کہا کہ اترا مت۔ کیوں کہ اللہ اترانے والوں کو پسند نہیں کرتا اور (یہ) جو (ساز و سامان دنیا) تجکو خدا نے دے رکھا ہے اُس میں (سے کچھ) آخرت کے گھر کا (بھی) فکر کرتا رہ اور دنیا سے جو تیرا حصہ ہے اُس کو فراموش نہ کر۔ اور جس طرح اللہ نے تیرے ساتھ احسان کیا ہے تو بھی (اوروں کے ساتھ) احسان کر اور ملک میں فساد کا خواہاں نہ ہو (کیوں کہ) اللہ مفسدوں کو پسند نہیں کرتا (قارون) بولا یہ (مال اور دولت) تو مجکو اپنی لیاقت سے حاصل ہوا ہے) ۱۲ ؎۵۱ تو انسان (کی عادت ہے کہ اُس) کو جب کوئی تکلیف پونہچتی ہے تو ہم کو پکارتا ہے۔ پھر جب ہم اُس کو اپنی طرف سے کوئی نعمت عطا فرماتے ہیں تو کہنے لگتا ہے کہ یہ تو مجکو بس (میری) لیاقت کی وجہ سے ملی ہے ۱۲ ؎۵۲ کیا ملکِ مصر ہمارا نہیں ہے (ضرور ہے) اور یہ نہریں ہمارے (ایوانِ شاہی کے) تلے بڑی بہ رہی ہیں کیا تم کو نہیں سوجھتا۔ ضرور میں اس (موسیٰ) سے بہت بہتر ہوں کہ وہ ایک ذلیل (آدمی) ہے اور اداے مافی الضمیر بھی نہیں کر سکتا۔ تو اس پر سونے کے کنگن (خدا کی طرف سے) کیوں نہیں اُترے (کہ وہ اُن کو زیب تن کرتا) یا فرشتے اکھٹے ہو کر (اُس کی تصدیق کو) اُس کے ساتھ آئے ہوتے ۔ ۱۲

اَمْ اَنَا خَیْرٌ مِّنْ ھٰذَا الَّذِیْ ھُوَ مَھِیْنٌ وَّلَا یَکَادُ یُبِیْنُ فَلَوْلَآ اُلْقِیَ عَلَیْہِ اَسْوِرَۃٌ مِّنْ ذَھَبٍ اَوْ جَآءَ مَعَہُ الْمَلٰٓئِکَۃُ مُقْتَرِنِیْنَ میں سے دنیاوی دولت کا ایک نمونہ حیدرآباد میں دیکھا ہی کہ بعض اُمراسن طفولیت سے ایسے ناز و نعم میں پرورش پاتے ہیں کہ ساری عمر اُن کو آوازِ مخالف سننے کا اتفاق نہیں ہوتا۔ ہم متوسط الحال لوگوں کے لڑکے بات بات میں جھڑکے اور ملامت کیے جاتے ہیں اس پر بھی رو براہ نہیں ہوتے وائے اُن لوگوں کے حال پر جنہوں نے جھڑکی اور ملامت کیسی آوازِ مخالف بھی کبھی نہیں سُنی۔ مدت کی بات ہی جن دنوں میں سلطنتِ اودھ منتزع ہونے کو تھی میں اُس سے کچھ پہلے قیصر باغ کے میلۂ رہس میں شریک ہوا تھا۔ میں نے جو جو سامان وہاں دیکھا اُس کا اثر مجھ پر یہ ہوا تھا کہ اُس کے بعد جو کوئی واجد علی شاہ کو بُرا کہتا تھا مجکو ناگوار گزرتا تھا۔ اور میں کہتا تھا کہ اُس صحبت میں رہ کر اور ویسے سامان رکھ کر دوسرے واجد علی شاہ نہ بن جاؤ تو تم آدمی نہیں بلکہ فرشتے ہو۔ دنیا کی خوش حالی آدمی کی طبیعت پر بہت سے بُرے اثر کرتی ہی اور اسی وجہ سے دین دار لوگ دنیا کی مذمت کرتے ہیں۔ اُس کے آثار بد میں سے ایک اثر بد ہی غرور جو تمہید ہی اَنَا رَبُّکُمُ الْاَعْلٰی کی۔ ہمارے ملک میں اُمرا کے خطاب کیوان جاہ۔ فلک شکوہ وغیرہ بھی اسی قبیل سے ہیں غرض کامیابی اور خوش حالی کی صورت میں حدِ عبودیت کے اندر رہنا بڑے مرد کا کام ہی ع

گر بدولت برسی مست نگردی مردی

تو جس طرح ہر ایک آدمی کامیابی اور خوش حالی میں از خود رفتہ ہوتا ہی اسی طرح گو لنداز فلسفیوں نے یمنہ کو۔ اسی طرح طبیبوں اور ڈاکٹروں نے زندگی اور موت کو اپنی اختیاری بات سمجھہ لیا ہو تو اُنھوں نے وہی غلطی کی جو ہم سب کرتے ہیں مگر خدا کو تو ہمیں اس غلطی پر متنبہ کرنا تھا۔ اس لیے اُس نے وبا اور قحط کو بھیجا تاکہ ہم لوگ اُس کی طرف رجوع ہوں۔ عجب نہیں اس خیال کو لوگ اضحوکہ اور سوپرسٹشن[1] سمجھیں۔ لیکن دنیا ہی تو خدا ہی اور خدا ہی تو اُس کی قدرتیں ہیں اُس کے انتظام ہیں اور

---

[1] تو ہم ضعیف الاعتقادی ۱۲

اُس کی مصلحتیں ہیں جن کو وہی خوب جانتا ہے ۵

| | |
|---|---|
| آنکہ در آدم دمیدہ روح را | داد از طوفاں نجاتے نوح را |
| آنکہ فرماں کرد قہرش باد را | تا سزائے داد قوم عاد را |

ہم کو تو دین کی تعلیم یہی ہے مَآ اَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ وَمَآ اَصَابَكَ مِنْ سَيِّئَةٍ فَمِنْ نَّفْسِكَ ۔ حکیم عبدالمجید خاں صاحب نے جو مدرسہ طبیہ کی رپورٹ پڑھ کر سنائی ہے وہ اس قابل ہے کہ ہر ہر بات پر اُن کو مبارک باد دی جائے۔ لیکن میری طبیعت واقع ہوئی ہے مشکل پسند میں دوسرے پہلوؤں سے اس مدرسہ کو دیکھتا ہوں۔ اور اسی وجہ سے حکیم عبدالمجید خان کو مبارک باد دینے میں مضایقہ کرتا ہوں بے شک مدرسہ کی حالت نے امسال ہز ہائنس نواب صاحب رام پور کی امداد سے نمایاں ترقی کی ہے مگر وہ حکیم عبدالمجید خاں کا ذاتی انفلوئنس ہے کہ یہ نواب صاحب کے مزاج میں دخل پا گئے ہیں تو یہ امداد شخصی امداد ہوئی۔ امداد اس سے کم اور بہت کم ہوتی مگر پبلک کی طرف سے ہوتی تو میں اس کی زیادہ قدر کرتا۔ پبلک کو دیکھتا ہوں تو وہ اس مدرسے سے ویسے ہی الگ تھلگ جیسے پچھلے برسوں میں رہے ہیں اور جیسے شاید وہ آیندہ بھی رہیں گے۔ میں دیکھتا ہوں کہ حکیم عبدالمجید خاں صاحب کے ہم پیشہ طبیبوں میں بھی کوئی ہاتھ نہیں دھرتا مولوی وکیل احمد صاحب مدرسہ کے موروثی ممتحن ہیں۔ اُن کے علاوہ حکیم محمد واصل خاں صاحب وہ حکیم عبدالمجید خاں صاحب کے بھائی نمبر ۱ حکیم حافظ محمد اجمل خاں صاحب نمبر ۲ حکیم احمد سعید خاں صاحب نمبر ۳ گیا یہ کوئی خوشی کی بات ہے کہ سارا چھپّر ایک ہی خاندان پر ڈال دیا جائے۔ غرض ہم کو شکایت ہے پبلک سے ہم کو شکایت ہے طبیبوں سے ہم کو شکایت ہے سر سیّد سے۔ جو حسنِ اتفاق سے اس وقت تشریف رکھتے ہیں کہ انھوں نے علی گڈھ کالج میں لا کلاس کھولی جس میں قانون پڑھایا جاتا ہے اور ایک

۵ (اے شخص) جو تجکو بھلائی پونہچ جائے تو (اُس کو سمجھ کہ) خدا کی طرف سے ہے اور جو تجکو کچھ بُرائی پونہچے تو (جان کہ) تیری ذات سے ہے ۱۲

شاخ قواعد اور سواری سکھانے کے لئے خاص کی مگر فن طب کو اس قابل بھی نہ سمجھا کہ اس مدرسے کو اپنے کالج کے ساتھ الحاق یا ایٹ کر لیتے جیسے مارہرہ اسکول اٹاوہ اسکول مثلہ اسکول پھر وہی لاسٹ وو ناٹ وی لیسٹ۔ ہم کو شکایت ہے گورنمنٹ سے کہ لوگوں کی جان بچانے کے لئے کیسی مضبوطی اور استحکام کے ساتھ وبا اور قحط کا مقابلہ کیا جارہا ہے اور سرکار نے اپنے اوپر لازم کرلیا ہے کہ کسی جان کو فاقے سے ضائع نہ ہونے دے لیکن یہ منطق ہماری سمجھ میں نہیں آتی کہ لوگوں کو تو فاقے سے نہ مرنے دیں اور بیماریوں سے مرنے دیں۔ اے صاحب کمشنر صاحب بہادر یہ تو ہمارے درد کا علاج نہیں ہے کہ آپ جلسہ سالانہ کی پریسیڈنٹی کر دیا کریں اور بس۔ ہم ایسے نہیں بیٹھے کہ اُنگلی پکڑا دینے کے سہارے سے کھڑے ہو جائیں۔ ہم کو تو گود لیجے۔ لاد دولدا دولادنے والا ساتھ دو تب ہم کچھ سنبھلیں تو سنبھلیں۔ فقط۔

## متفرق نظمیں جو وقتاً فوقتاً جلسوں میں پڑھی گئیں

### بہ تقریب جلسہ عام دہلی ڈائمنڈ جوبلی شصت سالہ حضور ملکہ معظمہ قیصرہ ہند

بعد مدت ہوئی خوشی غم میں
کہ پڑی جوبلی محرّم میں

ایسی تقریب میں نہ خوش ہوں تو پھر
کیا تفاوت دو اب میں ہم میں

ہیں مسلماں رعیت انگریز
ایک طرح پر حروفِ مدغم میں

روئے اک آنکھ اور ہنسے ایک آنکھ
رقص کی شان نکلے ماتم میں

دل میں ہو آہ مونھ سے نکلے واہ
نفی و اثبات دونوں ایک دم میں

زمزمے سے اگر ہو شادیِ مرگ
ڈوب جائیں گے آب زمزم میں

قحط ہو یا وبا ہو یا افلاس
جائیں سب ایک دم جہنم میں

اُٹھو گت بھر کے ہم کو دکھلاؤ
پر رعایت اُصول کی رکھنا
ملکہ کو دعائیں دو دل سے
آفتاب ان کے عدل کا تاباں
پرورش پائے اُن کی ہیبت سے
وہ شہنشاہِ روم کی ہوں رفیق
اور کبھی کشمکش نہ ہو واقع
کاش اُڑتا ہوا دکھائی دے

وہ نہیں ہم کہ شاد ہوں کم میں
زیر میں بم میں تال میں سم میں
کہ رہیں تا بدیر عالم میں
جیسے پورب میں ویسے پچھم میں
برّہ بزکنار ضیغم میں
بحر مواج و برّ اعظم میں
دونوں کے ارتباطِ باہم میں
یونین جیک[۵] جیش ادہم میں

## نظم بہ تقریب جلسۂ ڈائمنڈ جوبلی دہلی

عجب زمانے کی حالت ہے اِن دنوں ابتر
کہ کوئی خیر نہیں جس میں شر نہ ہو مضمر
کیا ہے روم پہ یورپ نے اس طرح زغنہ
کہ دست رس ہو تو کر ڈالیں اُس کو زیر و زبر
باایں قصور کہ اس سلطنت کے صوبے چند
یہ چاہتے ہیں کہ ہو جائیں حاکمِ خودسر
وہ دیکھتے ہیں کہ اور اُن کے بھائی عیسائی
ہوئے ہیں مالکِ روئے زمیں چہ بحر و چہ بر
انھیں کے ہاتھ میں ہے مدعا چہ نیک و چہ بد
انھیں کے قبضۂ قدرت میں ہے چہ خشک و چہ تر
اب ان سے اُٹھ نہیں سکتا جُوا حکومت کا
علی الخصوص مسلّط ہو غیر گر اُن پر
خراج مانگیں تو چلّا اُٹھیں کہ لوٹ لیا
ہے ان سے بات کا کہنا بھی مارنا پتھر
یہ اونٹ دیکھیے اب بیٹھتا ہے کس کروٹ
کہ بات آن پڑی اختلافِ مذہب پر
ادھر عساکرِ مصری ہیں عازمِ خرطوم
مقابلے میں ہیں درویش ہو کے سینہ سپر
رُکے یہ وہ نہیں طوفاں کسی کے روکے سے
بجھے کسی کے بجھائے یہ وہ نہیں اخگر

۵ انگریزوں کا جھنڈا ۱۲

بہائے خون کے دریا یہ سیل ملکوں میں
یہ آگ کر دے علاقے جلا کے خاکستر

ہو جب مخاصمتِ مذہبی فریقوں میں
تو صلح کیسے ہو اور التیام ہو کیونکر

نہ وہ مسیح کے قائل کہ تھے وہ ابن اللہ
نہ یہ رسولِ عرب کا کہا کریں باور

وہ ان کو سمجھیں بد و بدترین مخلوقات
یہ اُن کو جانیں ملاعین مستحقِ سقر

عجیب کشمکشوں میں ہے ملکِ افریقہ
لٹک رہا ہے پڑا بیچ میں ادھر نہ اُدھر

اٹالینز[۵۱] ہیں شاہِ حبش سے برسرکیں
ہے دو فریق میں دائر شکست و فتح و ظفر

ابھی کبھی ہے چین سے رہنا اسے نصیب نہیں
اگرچہ چین نے جاپان سے صلح کی دب کر

وہی مثل ہے جو پڑھتے ہوئے سنی ہوگی
کسی سکول کے لڑکے کو آپ نے ریڈر

شکار گرگ نے مارا اور اُس پہ ٹوٹ پڑے
براہِ حرص شغال و پلنگ و شیر ببر

اگر نہ ہو خبر خوش تو کیا کرے مخبر
توقعات پہ بدنام ہے عبث روٹر[۵۲]

جدھر نگاہ اُٹھاؤ اُدھر فساد فساد
مگر نظامِ تمدن ہے کُل بُوم بتر

نہیں کہ ہند ہے آفاتِ دہر سے محفوظ
بلائے قحط ہے اور مرگ بے اماں فیتور[۵۳]

صفائی ہوتی گئی جس قدر صفائی کی
تھے آدمی خس و خاشاک موت تھی مہتر

ڈرے بلا سے ہماری بلا کہ ہم کو نہیں
کسی گزند سے بیم و ہراس و خوف و خطر

ہمیں پناہ ہے وکٹوریہ کی شفقت کی
ہم اُسکے بچے وہ ہم سب کی مہرباں مادر

گر آسماں نے کیا بخل اور نہ برسا مینہ
کی اُس کے فیض نے باراں سے بڑھ کے بارشِ زر

جہاں کہیں ہے کوئی شے زقسمِ ماکولات
ہمارے پاس چلی آ رہی ہے لد لد کر

پلیگ آتے تو آئی پر اُس نے کیا دیکھا
کہ اُس کے دفع کی خاطر ہے مستعد لشکر

ہے ایک محکمہ حفظانِ تن درستی کا
ہزاروں آدمی از زیر دست تا افسر

جہان دیکھے ہوئے ڈاکٹر گروہ گروہ
یہ کر کے چھوڑیں گے طاعون کو کوئی دن میں بدر

[۵۱] اٹلی والے ۔ [۵۲] یورپ سے تار برقی ہو پہنچانے کی بڑی بھاری ایجنسی ۔ ۱۲ [۵۳] تپ ۔ ۱۲

غرض کہ جو ہوا جو ہو رہا ہے اُس سے سوا
جہاں میں کر نہیں سکتا ہے کوئی فرد بشر

دعائیں کیسے نہ دیں شرطِ آدمیت ہے
کبھی ہوا ہے کہیں ایسا شاہِ نیک سِیَر

کوئین زندہ سلامت بخیر و با اقبال
یہی دعا ہے ہماری خدا سے آٹھ پہر

وہ ہم نہیں کہ شکایت زبان پر لائیں
اگرچہ سیلِ بلا سر سے کیوں نہ جائے گزر

ہمارا شیوہ دیں ہے اطاعتِ حاکم
یہی بلا ہمیں حکمِ خدا و پیغمبر

جُز امتثال نہیں کوئی ہم کو چارۂ کار
جز انقیاد نہیں ہم کو کچھ گریز و مفر

کریں خلاف تو اسلام سے ہوئے خارج
کریں عدول تو جانو کہ ہو گئے کافر

پر اپنا حال نہ تم سے کہیں تو کس سے کہیں
کہ تم ہو اہلِ دول ہم فقیرِ دست نگر

ہوئے ہیں ہم ہدفِ حادثات مدت سے
تمہیں پناہ ہماری تمہیں ہماری سپر

ہمارا حال ہے از بسکہ قابلِ عبرت
بیان کیجے تو بہ جائے خون ہو کے جگر

وہی ہیں ہم کہ کبھی افسری کے شایاں تھے
وہی ہیں ہم نہیں رکھتا ہمیں کوئی نوکر

وہی تو ہم ہیں کہ ہیں کوڑیوں کو اب محتاج
وہی تو ہم ہیں کہ تھے مالکِ زر و گوہر

وہی تو ہم ہیں کہ تھے بانیِ حصون[1] و قصور
وہی تو ہم ہیں کہ کھپریل بھی نہیں چھپر

وہی تو ہم ہیں کہ تھے مسندوں پہ جا گزیں
وہی تو ہم ہیں کہ اب فرشِ خاک ہے بستر

وہی تو ہم ہیں کہ باغِ جہاں کی رونق تھے
وہی ہیں ہم خس و خاشاک سے کہیں بدتر

وہی تو ہم ہیں کہ اب سب سے ہیں گئے گزرے
وہی تو ہم ہیں کہ اپنا نہ تھا کوئی ہم سر

وہی تو ہم ہیں کہ تھے مالکِ رکابِ اُمم
وہی تو ہم ہیں کہ اب سب کے ہیں خریدۂ زر

وہی تو ہم ہیں کہ ہے جاہلوں میں اپنا شمار
وہی تو ہم ہیں کہ تھے سب علوم مستحضر

وہی تو ہم ہیں کہ اب پاشکستہ بیٹھے ہیں
وہی تو ہم ہیں کہ سیر و سفر کے تھے خوگر

وہی تو ہم ہیں کہ سب ایک سمجھے جاتے تھے
وہی تو ہم ہیں کہ بہتر[2] ہیں بلکہ دو دو پر

[1] قلعوں اور محلات ۱۲ [2] مسلمانوں کے بہتر فرقے مشہور ہیں ۱۲

وہی ہیں ہم کہ کبھی ملک واریاں کیں ہیں
وہی ہیں ہم کہ سنبھالے نہیں سنبھلتا گھر

وہی تو ہم ہیں کہ اپنا بھی کچھ شعور نہیں
وہی تو ہم ہیں کہ رکھتے تھے غیب تک کی خبر

وہی تو ہم ہیں کہ جادو اُتارے کتنوں کے
وہی تو ہم ہیں کہ اب ہم کو کھا گئی ہے نظر

وہی تو ہم ہیں کہ جس امتحاں میں دیکھو فیل
وہی تو ہم ہیں کہ تھے پاس اولیں نمبر

لیئے بہت مگر ایسے بھی کم لیئے ہوں گے
کہ جن کے پاس نہ دولت رہی نہ علم و ہنر

ہم اپنے مونہ سے کہیں کیا کہ ایں کمن آں کن
جو جی میں آئے کرو رکھو پر کرم کی نظر

## قطعہ

جس کو مولوی صاحب موصوف نے طلائی کاغذ پر لکھوا کر اور سنہری چوکھٹے میں نصب کرا کر مع ایک جلد قرآن مجید مترجمہ بخود جناب سر میکورتھ ینگ صاحب بہادر لفٹنٹ گورنر پنجاب کی خدمت میں ۱۸۸۹ء میں پیش کیا اور قطعہ خود پڑھ کر سُنایا ہز آنر نے بڑی خوشی کے ساتھ مولوی صاحب کے تحفہ کو قبول فرمایا

بدلے گا اب بہار سے قطعاً خزاں کا رنگ
حاکم ہوئے ہیں صوبہ کے سر میکورتھ ینگ

کیا حسنِ انتظام ہے بسمارک[لہ] بھی اگر
جرمن سے آگے دیکھے تو ہو جائے عقل دنگ

ایک نصف درجن آنکھوں سے گزرے ہیں لفٹننٹ
پران کے انتظام کے بالکل نئے ہیں ڈھنگ

انصاف اس کو کہتے ہیں عدل اس کا نام ہے
ایک گھاٹ پانی پیتے ہیں بز غالہ و پلنگ

ہیبت تمھاری لشکرِ اعدا کو دے شکست
ظاہر کا ایک حیلہ ہے کیا توپ کیا تفنگ

منظور ہو جسے کہ ہو ہر طرح کامیاب
بس تم سے آکے سیکھ لے تدبیرِ صلح و جنگ

قائل نہ تھے کسی کے مگر تم کو دیکھ کر
ہم ہو گئے ہیں معتقدِ دانشِ فرنگ

اب سُن کے تم کو حاکمِ پنجاب خوش ہوئے
تھے اس سے پہلے اہلِ ہنر زندگی سے تنگ

مجکو ملا خطاب تو ہے مجکو اُس سے مفتخر
گو ہے خطاب کو میری نسبت سے عار و ننگ

لہ وزیر جرمن کا نام ہے جو بڑا لائق اور مدبر ضرب المثل تھا۔ ۱۲

ہر چند ہوں کمال و فضیلت سے بے نصیب
کہتا نہیں مگر مجھے قدرت ہے نظم پر
لوہا نہیں ہے ذہن کی تلوار کا خراب
الماس ہے نتیجۂ فیضانِ تربیت
تم پرورش کرو تو کرے مات برق کو
عہدِ حکومت آپ کا یوں ہو مفید ملک

پر شکر ہے کہ طبع میں جودت ہے اور اُمنگ
لیکن نہیں ہوں دوسروں کی طرح سے دبنگ
ہاں بے مہارتی کے سبب سے چڑھا ہے زنگ
ہے ورنہ اصل وضع میں اس کی سرشت سنگ
عند السباق سرعتِ رفتارِ اسپِ لنگ
سیراب جیسے کرتا ہے کھیتوں کو آبِ گنگ

خلعت اور خطاب شمس العلما یہ دونوں چیزیں میونسپل ہال دہلی کے دربار عام منعقدہ ۲۲ جون سنہ ۱۸۹۷ء میں کپتان ڈیوس صاحب بہادر ڈپٹی کمشنر کے ہاتھ سے ملیں اُس وقت اشعار ذیل پڑھے گئے۔

کیوں گر کہیں کس سے کہیں ہم کون ہیں کیا ہیں
انسان کو کہتے ہیں کہ ہے بندۂ احساں
گر شاہ کرے لطف و عنایت تو رعایا
خود تم کو نہیں مال و زر و سیم کی پروا
لیکن دل و جاں رکھتے ہیں اور دونوں کے دونوں
کیا ہو سکے احسانِ گورمنٹ کا بدلہ
جس عہد میں ہم امن سے بیٹھے ہیں الٰہی
ڈیوس کو خدا لاٹ کرے سب کہو آمین

ایک ذرہ ہیں اور نام کے شمس العلما ہیں
یعنی کہ ہم آوازۂ گنبد کی صدا ہیں
تسلیم و اطاعت میں غلاموں سے سوا ہیں
اور ہم بھی ادھر مفلس و بے برگ و نوا ہیں
سچ مانا قربان ہیں تم پر سے فدا ہیں
بس جہدِ مقل یہ ہے کہ مصروفِ دعا ہیں
قائم رہے جس وقت تلک ارض و سما ہیں
اس کشتیِ طوفاں زدہ کے ناخدا ہیں

# متفرق نظمیں

## نظم

اغیار اگر ہم سے ہوں ناخوش تو عجب کیا
کرنے کے لیے قالبِ بے جان ہیں و لیکن

مدت ہوئی ہم آپ ہی اپنے سے خفا ہیں
گر کہنے پہ آجائیں تو آندھی سے سوا ہیں

ہفتاد و دو ملت میں کسی سے نہیں ملتے
اسلام میں شامل ہیں اور ان سب سے جدا ہیں

ڈیڑھ اینٹ کی مسجد ہو امام اس کے ہیں ہم آپ
ہم آپ ہی آواز بھی اپنی صدا ہیں

ہر مرتبہ شرمندہ ہیں ماہِ رمضاں سے
اور ہائے نمازیں ہیں کہ ہر روز قضا ہیں

دنیا ہمہ تن درد ہو ہونے دو ہمیں کیا
ایسا بھی مرض ہو کوئی ہم جس کی دوا ہیں

یوں دیکھنے میں ایک نہیں آنکھیں ہیں دو دو
اور پھر بھی پس پردہ کوری و عمیٰ ہیں

ہونا متعرض نہ مسلماں سے کہ یہ لوگ
دُردی کشِ میخانۂ تسلیم و رضا ہیں

پس پہنچ چکی منزلِ مقصود کو وہ قوم
جن میں وہی گمراہ ہیں جو راہنما ہیں

ہر چند تہی دست ہیں بے برگ و نوا ہیں
جو دل کے غنی ہیں وہ امیر الامرا ہیں

معلوم مسلّم ہو کہ اسبابِ تکلف
اکثر سببِ زحمت و تکلیف و عنا ہیں

بے ان کے بھی جی سکتے ہیں اور جیتے ہیں کتنے
دنیا میں غنی کم ہیں اور اکثر غربا ہیں

ہستی بھی ہو ایک قید مسلماں کے حق میں
فرمانِ اجل آتے ہی مجلس سے رہا ہیں

کس دن کے لیے دردِ سرِ جمع زر و سیم
سب ہیچ ہو جب ہم ہی سرِ راہِ فنا ہیں

تقدیر پہ شاکر ہیں توکل پہ ہیں قانع
کاہل کے سبھی کار حوالت بخدا ہیں

سیّد کے عقائد کسی تو کہتے نہیں لیکن
امت پہ محمد کی دل و جاں سے فدا ہیں

یہ عمر کہ ہی بیٹھ کے اٹھنا متعذّر
اور قوم کی خدمت میں لگے صبح و مسا ہیں

بد سنتے ہیں اور کرتے چلے جاتے ہیں نیکی
گویا بشر او صفتِ ملک زیرِ سما ہیں

سادات کی عادات ہیں عادات کے سادات
یہ لوگ مجسم کرم و جود و سخا ہیں

قوم ان کے بزرگوں نے بنائی تھی اور اب بھی
سادات ہی تسکیں دہِ امید و رجا ہیں

گر ان کو نہ ہو درد ہمارا تو کسے ہو
آخر تو یہ اولادِ شہِ ہر دو سرا ہیں

چند ان کے حواری ہیں مگر ساتھ میں وہ بھی
مطعون ہیں بدنام ہیں انگشت نما ہیں

ایک قوم کی قسمت ہی بری ہو تو کریں کیا
ہاں جتنی تدابیر ہیں محکومِ قضا ہیں

بیمار ہو اور اُس کے معالج بھی ہیں حاذق
اور نسخے بھی تاثیر میں معجونِ شفا ہیں
لیکن یہ مصیبت ہو کہ بیمار ہو ضدّی
جس سے کہ طبیبوں کے بھی اوسان خطا ہیں
جو چیزیں کہ اُس کے لیئے ہیں زہرِ ہلاہل
اِس کو وہی مرغوب ہیں اور اس کی غذا ہیں
پس اس کا تو مرنا متیقن ہو عزیزو
اَب صبر کریں صبر جو اُس کے ورثا ہیں

## نظم دیگر

نکل جائے ارمان گل کی ہوس کا
جو ہو جائے قسمت سے وا دَرِ قفس کا
اگر موت سے ابنِ آدم ہے عاجز
وگرنہ نہ تھا یہ کسی کے بھی بس کا
ہو انسان کیا ایسی ہستی پہ نازاں
کہ مہماں ہو دنیا میں چندیں نفس کا
کس آہستگی سے رواں ہیں قوافل
نہ بانگِ حُدی ہو نہ نالہ جرس کا
الٰہی وہ کیا ہو گیا زورِ بازو
کہ ہم میں کا ایک ایک مقابل تھا دس کا
اگر اس کا فیضانِ حکمت ہو شامل
تو ہو شہدِ صافی اُگال ایک مگس کا
جو کچھ تم کو کرنا ہو کر لو عزیزو!
کہ اب وقت باقی نہیں پیش و پس کا
بچاتے رہو حرص سے دامانِ تقویٰ
نہ لگ جائے دھبہ کہیں اس نجس کا
عجب کس تھا جو منّ و سلویٰ کے ہوتے
تھا مشتاق قثّار و فوم و عدس کا
وہ ہم ہیں اُٹھا لائے بارِ امانت
یہ زہرہ نہیں ہو کسی بو الہوس کا
ہنر ہو تو عزت کو پوچھو ہی پوچھو
ملا کیا نہ ہو گا کبھی عطر خس کا
نہ کرنا مساکین سے بد دماغی
سنا کیا نہیں تم نے مضمونِ عبس کا
فراغ و سبک دوشی و بے نوائی
نہ دربان کی منت نہ احسان عسس کا
اب آگے کو چلنے کا ہو موُنہ چڑانا
ہوا جب کہ سِن ساٹھ اکسٹھ برس کا
کھڑا کھائے عار اور جگہ سے نہ کھسکے
قدم اُٹھ چکا راہ میں ایسے مٹس کا

تمدن میں داخل ہوئی وضعِ یورپ
چلن ہو چلا سگ ملتبس کا
کہیں اب کے جلسے میں ایسا نہ کرنا
کہ ناغہ ہو معمول برسا برس کا

## نظم دیگر

عزیزو! کبھی تم نے یہ بات سوچی
رہے کیوں مسلمان موچی کے موچی
عجب لے کے آئے تھے قسمت خدا سے
سرِ چشمۂ آبِ حیواں پیاسے
زمانے کے آخر میں پیدا کیا تھا
خدا نے مگر اُن کو سب کچھ دیا تھا
موقر تھے مقبول تھے محترم تھے
بہر کیف ہر طرح خیر الامم تھے
وہ مذہب ہی قدرت سے ایسا ملا تھا
کہ فتح و ظفر اس کا عاجل صلہ تھا
تھے اسلام سے پہلے بدتر سے بدتر
مسلماں ہوئے ہو گئے خلق آخر
اسی واسطے اُس زمانے کے کافر
جنابِ پیمبر کو کہتے تھے ساحر
شیاطیں کی یک لخت گدی اُلٹ دی
جسے چھو گئے اُس کی کایا پلٹ دی
ادب قاعدہ سب کچھ اُن کو سکھایا
بہائم کو انسان و آدم بنایا

## نظم دیگر

آؤ دیکھو مشن کے لڑکوں نے
جھوٹے لتے جھوٹے بڑھائی پینگ
سب کو جلسے میں کھینچ بلوایا
اس کو شیخی قرار دو یا ڈینگ
یعنی بچھڑوں میں کتنے بوڑھے بیل
آن شامل ہوئے کٹا کر سینگ
یہ جو لکچر ہیں - اپنے گھر جا کر
اس کو چاٹا کرو لگا کر ہینگ

## یہ رقعہ حسب فرمایش منشی احمد حسین صاحب بہ تقریب شادی انور حسین سنہ ۱۳۰۹ھ میں لکھا گیا

للہ الحمد ہر آں چیز کہ خاطر می خواست
آخر آمد زپسِ پردۂ تقدیر پدید

نقدِ مطلب سے ہوئی جیب تمنا معمور
پُر ہے گلہائے فرح بخش سے داماں اُمید

شکر صد شکر کہ جی کھول کے نکلے ارماں
شکر صد شکر ملی قفل مسرت کی کلید

یعنی فرزندِ جگر بند عزیز د لہا
غازۂ روئے خرد خالِ رخِ بخت رشید

اُن کی عادات ستودہ ہمہ خوبی و صلاح
اُن کے اطوار پسندیدہ و اوصاف حمید

چشمِ بد دور ہی نام اُن کا محمد انور
جب کہ ہو نام ہمایونِ سے حسین اُس میں مزید

صبح اتوار کو عقد اُن کا ہی ماشاء اللہ
اِس مہینے کی ہی چوبیسویں اور روزِ سعید

ہمسرداں حامیِ دیں مولوی ابو المنصور
جن کے افضال سے آگاہ ہیں نزدیک و بعید

اُن کا دولت کدہ ہی بزم گہِ عقدِ نکاح
کہ وہ خود جائے مبارک ہی مگر قابلِ دید

نہ مزامیر نہ باجا نہ سرود اور نہ رقص
اور نہ بدعت کے مراسم سے کوئی امر جدید

سربسر خالصتہً حکمِ خدا کی تعمیل
مو بمو قاطبتہً شرعِ نبی کی تقلید

عقد کے دوسرے دن ہو گا ولیمے کا طعام
جو میسر ہو زنان و نمک و آش و ثرید

آپ اگر لائیں گے تشریف براہِ شفقت
میں یہ سمجھوں گا کہ بے دام لیا مجکو خرید

# لکچر نمبر ۳۱

## انجمن حمایت الاسلام لاہور کے تیرہویں سالانہ جلسے میں ۲۸ فروری ۱۸۹۸ء اور اُس کے ایک دن بعد دیا گیا

جوامع الکلم کی قسم کا ایک شعر ہی ؎

آسایشِ دو گیتی تفصیل ایں دو حرف است
با دوستاں تلطف با دشمناں مدارا

جوامع الکلم وہ قل اور دل مختصر جملے ہیں جن کو اصطلاح منطق میں کلیہ کہتے ہیں۔ یہ کلیے ہیں بڑے کام کی چیز جلیسے حساب میں گر اور اُن کے وضع کرنے کو بڑی عقل درکار ہی۔ بڑا وسیع تجربہ اور بڑی بلش میں نظر۔ چنانچہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم فخر کے طور پر فرمایا کرتے تھے۔ اُوتیتُ جَوامِعُ الکَلِمِ

جوامع الکلم ہونے کے لیے جملہ ہونا بھی ضرور نہیں۔ مفہوم کلی ہونا بس کرتا ہی۔ اور اسی لیے میں اسلام کو بھی جوامع الکلم کی ایک فرد سمجھتا ہوں کہ یوں کہنے کو ایک لفظ اسلام ہی اور اس کے تفصیلی معنے قرآن اور حدیث اور فقہ اور ان کے مالہ وما علیہ بجائے خود ایک کتاب خانہ ۔ اگر کسی سے اسلام کے معنی پوچھو تو وہ کہے گا مسلمان ہونا۔ لیکن یہ تعریف المجہول بالمجہول ہی مطلق لفظ مسلمان سے اُن باتوں کی طرف ذہن منتقل نہیں ہوتا جو مدلول اسلام ہی۔ جس طرح تجارت کے ذریعے سے ایک ملک کی پیداوار دوسرے دوسرے ملکوں میں پونہچتا ہی۔ اسی طرح مختلف ملکوں کے باشندوں کے اختلاط سے ایک زبان کے الفاظ بھی دوسرے دوسری زبانوں میں جا ملتے ہیں۔ اہل عرب دوسری زبان کا لفظ لیں تو اُس کو تعریب کہتے ہیں۔ اور لفظ کو معرب۔ تو میں لفظ مسلمان کو مفرس کہوں گا کہ اصل میں عربی کا مسلم تھا فارس میں جا کر مسلمان بن گیا۔ جب ایک زبان والے دوسری زبان کا لفظ لیتے ہیں تو اکثر اُس کو بے تصرف کیے نہیں چھوڑتے اور تصرف بھی کرتے ہیں تو ایسی آزادی کے ساتھ کہ اُس کے لیے کوئی قاعدہ منضبط نہیں۔ فارس والوں نے مسلم کو مسلمان کیا تو انگریزوں نے ماسلم چنانچہ ماسلم کرانیکل ایک انگریزی اخبار ہی نکلتا ہی اب ہم کو لفظ مسلمان کی تحقیقات کرنی ہو کہ مسلمان کو مسلمان کیوں کہتے ہیں تو ہم کو لفظ اسلام کی تحقیق کرنی چاہیے کہ اسلام کو اسلام کیوں کہتے ہیں۔

سو اسلام کے اصل معنی ہیں انقیاد گردن نہادن اور وہ نکلا ہی سلام سے جس کے معنی سلامتی کے ہیں سلام خدا کا بھی نام ہی کیوں کہ وہ اپنی ذات سے ہمیشہ سلامت ہی۔

اَللّٰھُمَّ اَنْتَ السَّلَامُ وَمِنْكَ السَّلَامُ وَاِلَيْكَ يَرْجِعُ السَّلَامُ سلام متعارف کو سلام اسی وجہ سے کہتے ہیں کہ وہ سلامتی کی دعا ہی۔ سلمہ پتھر کو کہتے ہیں کہ وہ ٹوٹ پھوٹ سے محفوظ رہتا ہی اور اسی سے حجر اسود کے چھونے اور بوسہ دینے کو استلام کہتے ہیں۔ بیع سلم مشہور ہی کہ اُس میں پہلے سے ایک نرخ کو محفوظ کر لیا جاتا ہی سلم صلح کہ اُس کے ذریعے سے مخالف کے شر سے محفوظ رہتے ہیں سُلَّم سیڑھی

۱؎ اور جب ان کے پاس خدا کی طرف سے رسول (یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم) آئے ۔ ۱۲

کہ وہ ایک ذریعہ ہی بلندی پر محفوظ پہنچنے کا۔ مار گزیدہ کو تفاؤلاً سلیم کہتے ہیں سَلمان۔ سُلیمان۔ سلمہ سَلِمہ۔ سلمیٰ۔ سُلیم۔ لوگوں کے دعائیہ نام ہیں جیسے عائشہ جس کا ترجمہ جیونی ہو۔ اور فاطمہ جس سے مراد ہی کہ خیریت و عافیت سے دودھ چھوٹے۔ جیسے تمھارے پنجاب میں اللہ جوایا۔ اللہ جوائی ست بھرائی۔ غرض سین لام میم کے مادّے میں سلامتی اصل ہو اور اُس کے کل مشتقات میں سلامتی کے معنی پائے جاتے ہیں۔ اسلام بھی اسی وجہ سے اسلام کہلایا کہ مطیع و منقاد ہو کر رہنا یعنی "با دوستاں تلطف با دشمناں مدارا" رکھنا دونوں جہان کی سلامتی کا موجب ہو۔ اگرچہ صفت اطاعت و انقیاد اسلام کی اصل وضع میں داخل ہو۔ مگر اب تو کوئی بھول کر بھی اس کا خیال نہیں کرتا۔ اور مسلمان کہنے سے قوم کی طرف تو ذہن منتقل ہوتا ہو مگر اطاعت و انقیاد کی طرف نہیں جو مسلمان کی وجہ تسمیہ تھی۔ ای کاش یہ بات مسلمانوں کو ہمہ وقت پیش نظر رہتی کہ ہم مسلمان کس لیئے مسلمان کہلائے۔ ہم مسلمان کہلائے اطاعت و انقیاد سے۔ اور جب یہ نہیں تو ہم مسلمان کہاں کے۔ برعکس نہند نام زنگی کافور۔ میں نے جو لفظ اسلام کی لغوی تحقیقات بیان کی تو لوگ تعجب کریں گے کہ اس مرتبہ تو لکچر کا اور ہی رنگ ہو۔ بات یہ ہو کہ جب سے مَیں نے قرآن مجید کا ترجمہ کیا تو میں نے اپنی باقی زندگی کو جیسی کچھ بھی ہو خدا اور رسول کے کلام کی خدمت کے لیئے وقف کر دیا ہو۔ قرآن کا ترجمہ شائع کیا وہ لوگوں کی نظر سے گزرا اور لوگ مجکو یقین دلاتے ہیں کہ اُس ترجمہ کے ذریعے سے قرآن کو آسانی کے ساتھ سمجھنے اور اُس کے پڑھنے میں اُن کا دل لگتا ہو۔ اب میں دو تفسیریں لکھ رہا ہوں ایک تفسیر کا یہی موضوع لہ ہو جو لفظ اسلام کی نسبت آپ نے سُنا۔ میں نے دیکھا کہ عموماً مسلمانوں نے قرآن کو چھوڑ رکھا ہو۔ یہود کے حق میں خدائے تعالیٰ فرماتا ہو[۱] وَلَمَّا جَاءَهُمْ رَسُولٌ مِّنْ عِندِ اللَّهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ نَبَذَ فَرِيقٌ مِّنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ كِتَابَ اللَّهِ وَرَاءَ ظُهُورِهِمْ كَأَنَّهُمْ لَا يَعْلَمُونَ۔ میں ڈرا کہ یہی حالت تو مسلمانوں کی بھی ہے۔ لفظوں کا مُنہ سے

---

[۱] اور وہ اس کتاب کی جو ان کے پاس ہو تصدیق بھی کرتے ہیں تو ان اہل کتاب میں سے ایک گروہ نے اللہ کی کتاب (توراۃ) کو (جس میں ان رسول کی پیشین گوئی بھی ہو ایسا) مونہ پیچھے پھینک دیا کہ گویا ان کو کچھ خبر ہی نہیں ۱۲

کھ لینا تو اَلَّذِینَ اٰتَیْنٰا ھُمُ الْکِتَابَ یَتْلُوْنَہٗ حَقَّ تِلَاوَتِہٖ میں محسوب نہیں ناچار ترجمہ کیا اُن لوگوں کے لیئے جو عربی نہیں جانتے اب رہے وہ لوگ جو عربی داں ہیں اُن کو بھی فہم قرآن سے سروکار نہیں علم ادب کے بدون فہم قرآن ہو نہیں سکتا اور ادب ان کے درس سے خارج۔ انگریزوں نے ادب کو کورس میں رکھا ہی مگر قرآن جو ادبیت کے اعتبار سے بہترین کتب ہی۔ نہ اُن کو اُس کے کورس میں رکھنے کی ضرورت تھی اور نہ وہ کورس میں ہی۔ اور نہ ہم کو یہ منصب ہی کہ انگریزوں کو الٹا پہنا دیں۔ پس میں نے ادب کی حیثیت سے قرآن کی تفسیر لکھنے کا ارادہ کیا اور ادب میں بھی خاص کر اشتقاق کو پکڑا۔ اشتقاق کی تھوڑی صراحت تو لفظِ اسلام میں سُن چکے مزید توضیح کے لیئے ایک مثال اور سہی۔ مثلاً جنت (باغ) جنون (دیوانگی) جُنّہ (سپر) جَنین (بچہ جو شکمِ مادر میں ہو) جان (سانپ اور شیطان) جنان (دل) چند الفاظ ہیں ان کی ساخت ایک دوسرے سے ملتی ہوئی ہی اور معلوم ہوتا ہی کہ ایک اصل کی فرع ہیں مگر معانی میں ظاہرا ایک دوسرے سے کچھ مناسبت نہیں۔ میں نے تتبّع کر کے ان معانی میں ایک وجہ اشتراک پیدا کی۔ کہ منقول کو معقول کا پیرایہ دینے سے لغات کا یاد رکھنا آسان ہوگا۔ مثلاً الفاظ مذکورہ میں ستر کو مشترک پایا جس کے معنی ڈھانکنے کے ہیں۔ بس اب ایک یہ بات یاد کر لو۔ اور سب لفظوں کو اسی پر ڈھال لو کہ باغ کو جنت کہتے ہیں اس لیئے کہ درخت زمین کو ڈھانکے ہوتے ہیں ایک جنت بہشت ہی کہ اُس میں باغات ہونگے۔ جُنّہ ڈھال کہ وہ چھپاتی اور ڈھانکتی ہی۔ جنون عقل کو چھپا لیتا ہی۔ جنین بطنِ مادر میں چھپا ہوتا ہی۔ جان سانپ بل میں چھپا رہتا ہی۔ جن دیو کہ وہ آنکھوں سے مخفی ہی۔ جنان دل کہ وہ سینے میں چھپا ہی۔ اب یہ سب الفاظ جداگانہ نہ رہے۔ کہ ان سب کا یاد رکھنا مشکل تھا۔ بلکہ ایک سلسلے میں آگئے خیر تو آؤ مسلمان کی بات سے پھر گرہ لگالیں۔ ہمارا نام مسلمان یعنی مسلم حضرت ابراھیم کا رکھا ہوا ہی مِلَّۃَ اَبِیْکُمْ اِبْرَاھِیْمَ ھُوَ سَمّٰکُمُ الْمُسْلِمِیْنَ مِنْ قَبْلُ وَفِیْ ھٰذَا اور حقیقت میں اِس سے

---

[۱] جن لوگوں کو ہم نے قرآن دیا ہی وہ اس کو پڑھتے رہتے ہیں جیسا اُس کے پڑھنے کا حق ہی [۲] تمہارے لیئے وہی) دین (تجویز کیا جو) تمہارے باپ (ابراہیم کا (تھا) اُس (خدا) نے (اگلی کتابوں میں) پہلے سے تمہارا نام مسلمان رکھا (یعنی فرماں بردار بندے) اور اس (قرآن) میں بھی ۱۲

بہتر مسلمان کا نام ہو نہیں سکتا کہ من وجہ مذہب اسلام کا خلاصہ اس کے معنی میں ہے۔ وہ کیا ہے ڈوسلٹی آدھینتا۔ غریبی۔ مسکنت۔ فروتنی۔ شایستگی۔ آدمیت۔ انسانیت۔ لیکن یہ صفتیں ہمہ وقت تو آدمی سے ظاہر نہیں ہوتیں۔ کسی کے ماتھے پر نہیں لکھا ہوتا کہ یہ شخص بھلا آدمی مسکین۔ ملنسار ہے۔ مدتوں کے برتاؤ سے معاملہ پڑے سے آدمی کے مزاج کا حال معلوم ہوتا ہے ۵

| | |
|---|---|
| تواں شناخت بہ یک روز از خصائل مرد | کہ تا کجاش رسیدست پایگاہِ علوم |
| ولے ز باطنش ایمن مباش غرّہ مشو | کہ خبثِ نفس نگردد بسالہا معلوم |

مگر ہندوستان میں مسلمان کی ایک ظاہری شناخت بھی تھی اور اگرچہ لوگوں کی سہل انگاری سے اُس شناخت میں فتور آگیا ہے تاہم وہ شناخت کلیۃً معدوم نہیں ہوئی۔ لوگ مسلمان کو اس سے پہچانتے تھے کہ مونہہ پر ڈاڑھی ہو موچھیں ترشی ہوئی اور اگر وہ انگرکھا پہنتا ہے تو بائیں طرف پردہ۔ اور ایک ظاہری شناخت قرآن میں خدا نے فرمائی ہے۔ [۵] سِیمَاهُمْ فِي وُجُوهِهِم مِّنْ أَثَرِ السُّجُودِ سو خیر سِیمَاهُمْ فِي وُجُوهِهِم مِّنْ أَثَرِ السُّجُودِ تو ہر ایک کو نصیب نہیں افسوس ہے کہ ڈاڑھی موچھ اور انگرکھے کا ظاہری امتیاز بھی اُٹھتا چلا جاتا ہے۔ اب بجائے اس کے کہ مسلمان ڈاڑھی بڑھائے اور موچھوں کو کتروائے بعض مسلمانوں نے اور خاص کر انگریزی داں مسلمانوں نے اُس کو بالکل اُلٹ دیا ہے تو ان کی مثال اُس سپاہی کی سی ہے جو اپنی پلٹن کی وردی نہیں پہنتا یا یوں کہو کہ اشرفی ہے مگر ٹکسال باہر ہی جیسا میر انیس نے اُن لوگوں کے حق میں کہا ہے جو غمِ حسنین رضی اللہ عنہما میں بہ تصنع روتے ہیں ع "اشک ان کے بھی موتی ہیں مگر جھوٹے ہیں" ہمارے اطراف میں شیعیت کے اعتبار سے لکھنو ہند کا ایران ہے اور وہاں کے شیعی عموماً ڈاڑھی منڈواتے یا خشخاشی کترواتے ہیں اور میں نے جناب امیر رضی اللہ عنہ کا حلیہ کتابوں میں پڑھا ہے۔ کانت لحیتہ تملأ صدرہ یعنی آپ کی ڈاڑھی تمام سینے کو گھیرے ہوئے تھی۔ پھر میں نہیں سمجھتا کہ یہ وضع شیعانِ لکھنو نے کہاں سے اخذ کی ہے۔ لکھنو والے چاہے کسی وجہ سے بھی ڈاڑھی نہ رکھتے ہوں مگر ہمارے انگریزی خواں بھائی

۵ ان کی شناخت یہ ہے کہ سجدے کے گٹے ان کی پیشانیوں پر ہیں ۱۲

تو اس کو انگریزی فیشن سمجھ کر اختیار کرتے ہیں۔ اس سے جوامع الکلم کی ایک دوسری فرد کی تصدیق ہوتی ہو اَلنَّاسُ عَلٰی دِیْنِ مُلُوْکِھِمْ [۱] انگریزوں کے ساتھ تشبیہ پیدا کرنے کے بہت سے پیرائے ہیں اور انگریزی خوان مسلمانوں کے زعم میں ان میں سے ایک پیرایہ ڈاڑھی کا منڈوانا اور مونچھوں کا بڑھانا بھی ہو۔ اب جو اس پیرائے کو اختیار کرتے ہیں اور جس غرض سے اختیار کرتے ہیں خود سمجھ لیں کہ انگریزوں کے ساتھ تشبیہ پیدا کرنا یعنی کوّوں کو ہنس کی چال چلنا کہاں تک ان کے حق میں مفید ثابت ہوا ہو۔ ایک قسم کا تشبّہ بعض ہندوستانی اخباروں نے بھی کیا تھا کہ لگے ولایت کے خاص اخباروں کی طرح زباندرازیاں کرنے تو انھوں نے اپنی غلطی کا خمیازہ بھگتا وَحَسِبُوْٓا اَنْ لَّا تَکُوْنَ فِتْنَۃٌ فَعَمُوْا وَصَمُّوْا [۲] میں تو ڈاڑھی موچھ کی بات کو اتنا طول نہ دیتا کیوں کہ میرے پاس ڈاڑھی کی قدرتی کوتاہی ہو مگر میں دیکھتا ہوں کہ ڈاڑھی مونچھ کے بارے میں ایک تو شارع اسلام کا حکم ہو قُصُّوا الشَّوَارِبَ وَاعْفُوا اللُّحْیَۃَ [۳] دوسرے شعار قومی ہو تیسرے تقاضائے فطرت ہو۔ تقاضائے فطرت کو بعض صاحبوں نے نہیں سمجھا ہو گا تو قرآن میں ابراہیم علیہ السلام کا ایک تذکرہ ہو۔ وَاِذِ ابْتَلٰٓی اِبْرٰھِیْمَ رَبُّہٗ بِکَلِمٰتٍ فَاَتَمَّھُنَّ قَالَ اِنِّیْ جَاعِلُکَ لِلنَّاسِ اِمَامًا یعنی خدا نے ابراہیم کو چند باتوں میں آزمایا اور ابراہیم امتحان میں پورے اُترے تو خدا نے خوشنود ہو کر فرمایا کہ بجا آوری حکم کے صلے میں ہم تم کو لوگوں کا پیشوا بنائیں گے سو ابراہیم علیہ السلام واقع میں ابو الانبیاء کہلاتے ہیں اور جتنے اہل کتاب ہیں یہود اور نصاریٰ اور مسلمان سبھی تو اُن کا ادب کرتے ہیں اور یہ نتیجہ ہو اُس دعا کی مقبولیت کا جو ابراہیم نے کی تھی وَاجْعَلْ لِّیْ لِسَانَ صِدْقٍ فِی الْاٰخِرِیْنَ [۵] مفسرین نے بکلمات کی تفسیر میں لکھا ہو کہ کلمات سے مراد قُصُّوا الشَّوَارِبَ وَاعْفُوا اللُّحْیَۃَ کے قسم کے احکام تھے طہارت جسمانی سے متعلق مقتضائے فطرت۔ غرض قُصُّوا الشَّوَارِبَ وَاعْفُوا اللُّحْیَۃَ کے پیرو (حمایتی) میں ایک تو حکم شارع ہو دوسرے شعار قومی تیسرے تقاضائے فطرت اور ان کے مقابلے

---

[۱] لوگوں کا دین وہی ہوتا ہو جو بادشاہ کا دین ہو۔ [۲] اور سمجھے کہ (ایسا کرنے سے) کوئی بلا نہیں آئے گی اور (اس خیال غلط کی وجہ سے) اندھے اور بہرے ہو گئے [۳] جب ابراہیم کو اُن کے پروردگار نے چند باتوں میں آزمایا اور انہوں نے ان کو پورا کر دکھایا (تو خدا نے رضامند ہو کر) فرمایا کہ ہم تم کو لوگوں کا امام (یعنی پیشوا) بنانے والے ہیں۔ [۵] اور آنے والی نسلوں میں میرا ذکر خیر جاری رکھ۔

میں صرف انگریزوں کا تشبہ ہو جس کے فائدے موہوم بلکہ معدوم ہیں تو جو لوگ ایسی ضعیف ترغیب کو زرسٹ (روک) نہ کرسکیں اُن سے کیا توقع کی جاسکتی ہو کہ وہ۔ اَمْ حَسِبْتُمْ[۱۵] اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَأْتِكُمْ مَثَلُ الَّذِينَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ مَسَّتْهُمُ الْبَاْسَاءُ وَالضَّرَّاءُ وَزُلْزِلُوا حَتّٰى يَقُولَ الرَّسُولُ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهٗ مَتٰى نَصْرُ اللّٰهِ کے امتحانِ سخت میں ٹھہر سکیں گے ایک طرف تو یہ لوگ مسلمانوں کی سی صورت بنانے کو عار سمجھتے ہیں اور دوسری طرف دعوی اسلام میں مگر زبانی دعوے میں ایسا جوش ظاہر کرتے ہیں کہ گویا قرنِ اول کے مسلمان ان میں حلول کرگئے ہیں۔ پس دین و مذہب کے اور وضع و لباس کے امتیاز سے الگ ہوکر اسلام گویا ایک امتیاز قومی رہ گیا ہو جیسے مسلمانوں میں شیخ۔ سید۔ مغل۔ پٹھان کا امتیاز۔ اصل میں مذہب نے مسلمانوں کی ایک قوم بنائی مگر اب مذہب کی جگہ قومیت رہ گئی۔ وہ جو میں نے مسلمانوں کے لیے ڈوسلیٹی۔ آدھینتا۔ غریبی۔ مسکنت۔ فروتنی۔ شائستگی۔ انسانیت۔ آدمیت۔ بہت سے الفاظ کہہ دیئے تھے۔ اپنا خیال ظاہر کرنے کے لیے کہہ دیئے تھے ورنہ میں تو صرف یہ کہنے کو تھا کہ اسلام آدمیت۔ انسانیت ہو اور مسلمان آدمی اور انسان اور اگر لفظ مسلمان ترجمہ بندۂ خدا بھی کرو تو بندۂ خدا اور آدمی۔ اور انسان کو میں مرادف یکدگر سمجھتا ہوں۔ میری یہ بات سُن کر نہ صرف دوسرے مذہب کے لوگ تعجب کریں گے اور شاید بُرا بھی مانیں گے یہ سمجھ کر کہ مسلمان کو آدمی اور اسلام کو آدمیت کہتا ہو تو اس کے نزدیک ہم آدمی نہیں یعنی جانور ہیں۔ مسلمان تعجب کریں گے اور شاید بُرا بھی مانیں گے اس خیال سے کہ مسلمان کو آدمی اور اسلام کو آدمیت بتاتا ہو تو اس کا یہ مطلب کہ بے تخصیص مذہب سب آدمی مسلمان ہیں۔ غیر مذہب والوں کو یا مسلمانوں کو میرا کہنا بُرا لگا ہو تو ان کی خفگی میری سر آنکھوں پر۔ مگر یہ قصور عبارت اور الفاظ کا ہو ورنہ میرا مقصد کسی کو ناراض کرنے

---

۱۵ (مسلمانو!) کیا تم ایسا خیال کرتے ہو کہ (مزے سے) بہشت میں جا داخل ہوگے اور ابھی تک تم کو اُن لوگوں کی سی حالت پیش نہیں آئی جو تم سے پہلے ہو گزرے ہیں کہ اُن کو سختیاں (بھی) پہنچیں اور تکلیفیں (بھی پہنچیں) اور جھڑجھڑائے (بھی) گئے یہاں تک کہ پیغمبر اور جو ایمان والے لوگ ان کے ساتھ تھے چلا اُٹھے کہ (آخر) خدا کی مدد (کے آنے) کا کوئی وقت بھی ہے؟[۱۲]

کا نہیں ۔ مصرعہ

شر جن سے ہو وہ بشر نہیں ہم

اس سے کہ میں نے مسلمان کو آدمی اور اسلام کو آدمیت کہا اور کسی نے یہ سمجھا کہ میں مسلمان کے سوائے کسی کو آدمی نہیں سمجھتا تو یہ آدمی نہ سمجھنا ویسا نہیں ہی جیسا کہ حافظِ شیراز نے کہا ہی ؎

| | |
|---|---|
| واعظِ شہر کہ مردم ملکش می نامند | قولِ ما نیز ہمین ست کہ او آدم نیست |

معلوم ہی کہ واعظ شہر کو آدمی نہ سمجھنے سے حافظ صاحب کی کیا مراد تھی ۔ مگر میں تو اس قاعدے پر چلتا ہوں جو علمِ معانی و بلاغت اور لغت اور اصولِ فقہ میں مسلم قرار پاچکا ہی کہ جب مطلق بولا جائے تو اُس سے فردِ اکمل مراد ہوتی ہی اور اس سے تو مسلم اور نامسلم کسی کو بھی انکار نہیں ہو سکتا کہ عنقا شاید ڈھونڈنے سے ہاتھ آجائے کیمیا عجب نہیں جستجو سے ملے مگر نہیں ہاتھ آتا اور نہیں ملتا تو انسانِ کامل اور ایسی ہی کم یابی مسلمان کامل کی بھی ہی ۔ عالم گیر کی ایک حکایت مشہور ہی کہ ایک دن نماز پڑھ کر بہت گڑگڑا گڑگڑا کر دعا مانگ رہا تھا ۔ کسی نے جو ایسی جرأت کر سکتا تھا پوچھا کہ اتنی وسیع سلطنت کے حاصل ہوئے پیچھے بھی کیا مانگا جا رہا ہی ۔ کہا آدمی اور شاید اُسی وقت یہ شعر پڑھا ؎

| | |
|---|---|
| آنچہ بر جستیم و کم دیدیم و بسیار ست و نیست | نیست جز انسان دریں عالم کہ بسیار ست و نیست |

یہی مطلب ایک ریختہ گو نے اس طرح پر ادا کیا ہی ؎

| | |
|---|---|
| بسکہ دشوار ہی ہر کام کا آساں ہونا | آدمی کو بھی میسّر نہیں انساں ہونا |

اب سمجھیے کہ لفظوں میں کیسے متضاد پہلو ہوتے ہیں ۔ حضرت علیؓ اور معاویہؓ میں لڑائی ہو رہی تھی تو حضرت علیؓ کے طرف داروں نے چاہا کہ ہم فریق ثانی کو قرآن سے جا کر قائل کریں فرمایا ۔ لِلقُرآنِ ظَهرٌ وَبَطنٌ[1] سچ ہی وَكَانَ الإِنسَانُ أَكثَرَ شَيءٍ جَدَلًا[2] یہ جھگڑنے پر اُتارو ہو تو اس کو کوئی کیا قائل کر سکتا ہی ۔ دور کیوں جاؤ صرف مسلمانوں کو لو کہ ان میں بہتر فرقے مشہور ہیں اور تمہارے پنجاب میں مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کا گروہ ملا کر تہتر ہوئے یا شاید یہ بھی بہتر میں کا ایک ہو خیر بہتر ہوں یا تہتر سب

[1] قرآن کا بھی ظاہر اور باطن ہی ۱۲ [2] مگر انسان تمام مخلوقات سے زیادہ جھگڑالو ہی ۱۲

اپنا ماخذ ایک قرآن کو بتاتے ہیں یہ بہتر یا بہتر الفاظ قرآنی کے اختلاف سے نہیں نکلے بلکہ لِلقُرآنِ ظَھرٌ وَّ بَطنٌ سے اور خیر حضرت علی نے تو لِلقُرآنِ ظَھرٌ وَّ بَطنٌ ہی پر بس کیا تھا مولوی روم کہتے ہیں ؎

| | |
|---|---|
| من ز قرآں مغز را برداشتم | استخواں پیشِ سگاں انداختم |

اور اسلام پر کیا موقوف ہے کون سا مذہب ہے جس میں فرقے نہیں اور ان کا ماخذ بھی اپنی جگہ ایک ہی ہوگا اور کوئی سا مذہب بھی ہو جتنا پرانا ہوتا جائے گا ضرور ہے کہ اس میں اختلاف بڑھتا جائے تاکہ خدا کی وہ پیشین گوئی پوری ہو اور وہ ضرور پوری ہو کر رہے گی جہاں فرماتا ہے۔ ؎[۱] وَلَوْ شَاءَ اللّٰهُ لَجَعَلَ النَّاسَ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلَا یَزَالُوْنَ مُخْتَلِفِیْنَ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ رَبُّكَ وَلِذٰلِكَ خَلَقَهُمْ اور مذہب کی کیا خصوصیت ہے دنیا میں جس قدر فساد ہے اور افسوس ہے کہ بہت ہے اور ترقی کر رہا ہے پیدا ہوتا ہے اختلاف سے اور اختلاف پیدا ہوتا ہے لفظوں سے ایک ظریف کا مقولہ ہے کہ خدا نے انسان کو اظہار مافی الضمیر کے لیے گویائی نہیں دی بلکہ گویائی کو اس کے مافی الضمیر کا پردہ دار بنایا ہے۔ اختلافِ لفظی کے متعلق مولانا روم نے ایک بہت ہی دل چسپ حکایت لکھی ہے وہ فرماتے ہیں ؎

| | |
|---|---|
| چار کس را داد مردے یک درم | ہر یکے از شہرے افتادہ بہم |
| فارسی و ترک و رومی و عرب | جملہ باہم در نزاع و در غضب |
| فارسی گفتہ ازیں چوں وارہیم | ہم بیا کیں را بہ انگورے دہیم |
| آں عرب گفتہ معاذ اللہ لا | من عنب خواہم نہ انگور اے دغا |
| آں یکے کز ترک بُد گفت اے گزم | من نمی خواہم عنب خواہم ازم |
| آں کہ رومی بود گفت ایں قیل را | ترک کن خواہم من استافیل را |
| در تنازع مشت بر ہم مے زدند | کہ ز سرِ نامہا غافل بُدند |

[۱] اور اگر تمہارا پروردگار چاہتا تو لوگوں کو ایک ہی امت کر دیتا لیکن لوگ ہمیشہ (آپس میں) اختلاف کرتے رہیں گے مگر جس پر تمہارا پروردگار فضل کرے اور اسی لیے تو ان کو پیدا کیا ہے ۱۲

مشت بر ہم مے زدند از ابلہی
صاحب سرّے عزیزے صد زباں
پس بگفتے او کہ من زیں یک درم
چونکہ بسپارید دل را بے دغل
یک درم تاں می شود چار المراد
گفت ہر یک تاں دہد جنگ و فراق
پس شما خاموش باشید انصتوا

پُر بُدند از جہل و ز دانش تہی
گر بُدے آنجا بدادے صلح شاں
آرزوئے جملہ تاں را می خرم
ایں درم تاں می کند چندیں عمل
چار دشمن می شود یک ز اتحاد
گفت من آرم شما را اتفاق
تا زباں تاں من شوم در گفتگو

اختلاف لفظی کی ایک مثال تو مولانائے روم نے بیان کی جو میں نے آپ کو اُن کی مثنوی میں سے پڑھ کر سنائی اور ایک مثال میں دیتا ہوں کہ آپ لوگ ہر روز دیکھتے ہوں گے کہ کسی حاکم کے روبرو ایک مقدمہ پیش ہوتا ہے فریقین اپنا اپنا وکیل لے جاکر کھڑا کرتے ہیں۔ قانون کی ایک خاص دفعہ مقدمہ سے متعلق ہوتی ہے اُس دفعے کا ایک کان وکیلِ مدعی کے ہاتھ میں ہوتا ہے اور دوسرا وکیلِ مدعا علیہ کے اور فرض کرو کہ جج کو فریقین کے وکیلوں سے اتفاق نہیں ہوتا تو وہ بے چاری اُس دفعہ کی ناک کو اپنی طرف پکڑ کے گھسیٹ لیتا ہے۔ جیسا ابھی چند روز ہوئے تلک کے مقدمے میں دیکھ چکے ہو کہ ایک لفظ ڈس افکشن کے معنوں میں اختلاف کا طوفان برپا ہوا یہاں تک کہ پریوی کونسل تک جا چڑھا۔ کہیں بمبئی ہائی کورٹ کے مسٹر جسٹس اسٹریچی کے قلم سے نکلا کہ ڈس افکشن کے معنی ہیں ایبسنس آف افکشن اور ایبسنس اف افکشن اور وانٹ افکشن اور ڈس لائلٹی اور ربیلین اور سڈیشن مرادف یک دگر ہیں۔ باوجودیکہ بمبئی۔ مدراس۔ الہ آباد۔ کلکتہ کی ہائی کورٹوں نے تھوڑے اختلاف کے ساتھ جسٹس اسٹریچی سے اتفاق کیا۔ مگر تلک کے طرفداروں کو تسلی نہ ہوئی اور پریوی کونسل پونہچے وہاں سے بھی جواب صاف ملا۔ گورمنٹ نے دیکھا کہ قانون کے لفظوں میں ابہام ضرور ہے اور لوگ چپ کرنے والے نہیں ناچار اُس کو ایک قانون بنانا پڑا اس سے زیادہ صاف جس کا مسودہ لیجس لیٹو کونسل میں پیش ہے۔ دیکھا لفظی

بحث و اختلاف کا انجام اور پھر کیا اس قانون کے الفاظ اس بحث سے محفوظ رہیں گے۔ خدا ہمارے بارسٹروں اور وکیلوں کے گروہ میں برکت دے اَللّٰھُمَّ زِدْ فَزِدْ۔ ایک ایک جملے اور ایک ایک حرف اور ایک ایک لفظ کی دھجیاں اُڑائیں تو سہی۔ بے شک گورمنٹ رفع اختلاف کے لئے قانون جاری کرتی ہو اور جاری کرنے سے پہلے قانون کے لفظ لفظ پر مباحثے ہوتے ہیں مگر نتیجہ کیا ہو کہ ایک رخنہ بند کیا جاتا ہو تو اُس کی جگہ دو رخنے نئے پیدا ہو جاتے ہیں خدا کو بھی ہم ہی لوگوں سے معاملہ کرنا ہو وہ بھی اپنے احکام پیغمبروں کے ذریعے سے ہماری ہی بولی میں ہم کو پونہچاتا ہو۔ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهٖ لِيُبَيِّنَ لَهُمْ مگر اس کے ساتھ یہ بھی ہو۔ فَيُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ویضل وہیدی اُسی اختلاف پر متفرع ہو جس کا رونا میں رو رہا ہوں۔ اگرچہ لوگوں میں طرح طرح کے اختلافات ہیں مگر سب سے زیادہ قابلِ افسوس مذہبی اختلافات ہیں۔ اور اس میں بھی ہم دیکھتے ہیں کہ لفظوں کو بہت بڑا دخل ہو ایک چھوٹا سا جملہ ہو لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ جس کے یہ معنی ہیں کہ اللہ کے سوا اور کوئی معبود نہیں یعنی اعلیٰ درجہ کی تعظیم جس کا دوسرا نام عبادت ہو اللہ ہی کو سزاوار ہو۔ یہ ایسا مضمون ہو کہ جہاں تک میں خیال کرتا ہوں آڈینس میں شاید کوئی متنفس نہیں جو اس کا قائل نہ ہو۔ مگر ہاں اللہ کو کوئی بھگوان کہہ کر پکارتا ہو کوئی گاڈ۔ کوئی خدا۔ الغرض میں جہاں تک خیال کرتا ہوں ایسا کوئی مذہب نہیں جس کا اصل الاصول یہ نہ ہو۔ اس پر بھی لوگ ہیں کہ صرف فروعی اور لفظی اختلافات کی وجہ سے ایک دوسرے کے ساتھ دشمنی کا کوئی دقیقہ اُٹھا نہیں رکھتے۔ لفظی اختلاف کی ایک مثال قرآن مجید میں بھی ہو کہ یہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم جو دیکھتے ہو اس کو اسلام نے رواج دیا ہو ورنہ عرب میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کی بِاسْمِكَ اللّٰهُمَّ لکھنے کا دستور تھا جب پیغمبر صاحب عمرہ کرنے مکہ تشریف لے جانے لگے اور قریش نے روکا اور پیغمبر صاحب حدیبیہ میں ٹھہر گئے اور آخر کار قریش کے ساتھ صلح ہوئی صلح نامہ لکھا جانے لگا تو مسلمانوں نے اپنے قاعدے سے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سے شروع کیا۔ قریش اڑے کہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کیسا وہی ہمارے یہاں کا بِاسْمِكَ اللّٰهُمَّ لکھو اور جب تک بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کو

۵۱ اور جب کبھی ہم نے کوئی پیغمبر بھیجا تو (اُس کو) اُسی کی قومی زبان میں (بات چیت) کرتا ہوا بھیجا) تاکہ وہ اُن کو (اچھی طرح) سمجھا سکے ۱۲

منوانا نہ لیا آگے کو چلنے ہی نہ دیا۔ اللہ کے نام کو تو متبرک سمجھیں اور جب اُس کے نام کے ساتھ رحمن ورحیم دو صفتیں بڑھالی جائیں تو مرنے اور مارنے کو تیار ہوں۔ وَاِذَا قِیْلَ لَھُمُ اسْجُدُوْا لِلرَّحْمٰنِ قَالُوْا وَمَا الرَّحْمٰنُ اَنَسْجُدُ لِمَا تَاْمُرُنَا وَزَادَھُمْ نُفُوْرًا[۵۱] بسم اللہ الرحمن الرحیم اور بِاسْمِكَ اللّٰھُمَّ پر لڑنا ایسی لغو اور بیہودہ اور مہمل لڑائی تھی کہ جو سُنے اُس کو ہنسی آئے مگر یہ ایک تاریخی واقعہ ہے۔ ہوا تھا اور ہم ہی جیسے آدمیوں سے ہوا تھا۔ اور اگر ہم اپنے افعال کا احتساب کریں تو پائیں گے کہ اس زمانے میں بھی اس قسم کی لڑائیاں مذہبوں میں بہت ہیں۔ ان لڑائیوں میں مذہبوں کا اتنا قصور نہیں جتنا مذہب والوں کا۔ جب دو فریق مذہبی مباحثہ کرتے ہیں شاذ و نادر ہی کسی کو احقاقِ حق منظور ہوتا ہوگا اور یہی وجہ ہے کہ کبھی کوئی مذہب مغلوبِ مباحثہ ہو کر معدوم نہیں ہوا۔ لوگوں نے مذہب کو شطرنج کی بساط بنا رکھا ہے اور شروع سے فریقِ مقابل کو بُرد و مات دینا چاہتے ہیں۔ یٰحَسْرَةً عَلَى الْعِبَادِ مَا يَاْتِيْهِمْ مِّنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ[۵۲] میں تو مطلق مذہب کی طرف سے ایسا خوش عقیدہ ہوں کہ دنیا میں کوئی مذہب ایسا نہیں چاہے وہ آدمی کا بنایا ہوا کیوں نہ ہو ٹائم اور لوکیلیٹی (وقت اور مقام) کے لحاظ سے انسان کی اصلاح اور بہتری کے لیے بانیِ مذہب نے اُس کو وضع نہ کیا ہو اور جو کچھ کھلی ہوئی خرابیاں کسی مذہب میں نظر آتی ہیں سو یا تو اُس مذہب کی اصلی حقیقت اُس سے کچھ سے کچھ ہوگئی ہے یا ویسے لوگ نہیں رہے جن کے مناسبِ حال اُن کے لیے مذہب بنایا گیا تھا۔ معلوم ہے کہ آدمی کے جتنے افعال ہیں معلل بالاغراض ہوتے ہیں۔ یعنی آدمی جو کام کرتا ہے اُس کی کوئی غرض و غایت ضرور ہوتی ہے اور مذہب کا اختیار کرنا بھی ایک فعل ہے تو اس کی بھی کوئی غرض و غایت ضرور ہوگی جس طرح لوگ مذہب میں اختلاف کرتے ہیں اسی طرح مذہب کی غرض و غایت میں اختلاف ہے۔ کوئی کہتا ہے حیاتِ ابدی۔ کوئی کہتا ہے نجات۔ کوئی کہتا ہے آسمانی بادشاہت

---

۵۱ اور جب کافروں سے کہا جاتا ہے کہ (خدائے) رحمن کو سجدہ کرو تو وہ کہتے ہیں رحمن کیا چیز ہے کیا جس کے آگے تم ہمیں (سجدہ کرنے کو) کہو اُسی کو سجدہ کرنے لگیں اور رحمن کا نام سُن کر ان کو اور زیادہ نفرت ہوتی ہے ۱۲۔ ۵۲ بندوں (کے حال) پر (بھی بڑا ہی) افسوس ہے کبھی ان کے پاس کوئی رسول نہیں آیا جس کی انھوں نے ہنسی نہ اُڑائی ہو ۱۲۔

کوئی کہتا ہی قطرہ جس طرح دریا میں مل کر دریا ہو جاتا ہی اسی طرح خدا سے جا ملنا یعنی خدا ہو جانا۔ مگر یہ اغراض جو لوگ بیان کرتے ہیں آخرت سے متعلق ہیں۔ مذہب کی ایک غرض و غایت دنیاوی بھی ہی وہ کیا ہی۔ آپ آرام سے رہنا اور دوسروں کو آرام سے رہنے دینا۔ پھر وہی بات آگئی جس سے میں نے لکچر شروع کیا تھا ؎

| آسایش دو گیتی تفسیر ایں دو حرف است | | با دوستاں تلطف با دشمناں مدارا | |
|---|---|---|---|

حدیث شریف میں آیا ہی اَلْخَلْقُ عِیَالُ اللّٰہِ لوگ اللہ کے بال بچے ہیں شفقت کے اعتبار سے خلق کو عیال اللہ کہا ورنہ خدا تو بال بچوں کے بکھیڑے سے پاک اور بے نیاز ہی اور غالباً اسی نظر سے عیسائی جناب مسیح کو ابن اللہ کہتے ہیں۔ تو جس طرح کثیر العیال باپ چاہتا ہی کہ اُس کے بچے ایک دوسرے سے لڑیں جھگڑیں نہیں۔ گھر میں شور و فساد غل غپاڑہ نہ ہو یہی خدا ہم لوگوں سے چاہتا ہی اُس نے یہ دنیا کا کارخانہ کسی مصلحت سے ایک وقت خاص تک کے لیے بنا کھڑا کیا ہی اور اُس کی پاک اور مقدس مرضی ہی کہ اس کو اسی طرح چلنے دیا جاوے اور خدائی کہنے میں انسان بڑا شریر ہی یہ شرارت پر آئے تو انتظام عالم کو درہم و برہم کر مارے دیکھو آج کل سرحد پر کیا کچھ ہو رہا ہی افریقہ میں کیا ہو رہا ہی۔ سوڈان میں کیا ہو رہا ہی۔ چین میں کیا ہو رہا ہی۔ ابھی کل کی بات ہی یونان و روم میں کیا ہوا تھا۔ غرض انسان کی تو بوٹی بوٹی میں شرارت ہی اور یہ مادر زاد ننگی ہی بے وضع قانون اپنی شرارت سے باز آنے والا نہ تھا۔ اس کی روک تھام کے لیے دین و مذہب ایجاد ہوا یہ ہی دین کی اصل حقیقت اور اسی سے دین کی غرض و غایت بھی معلوم ہوتی ہی۔ وہی با دوستاں تلطف با دشمناں مدارا۔ یہی با دوستاں تلطف با دشمناں مدارا جو دین کی غرض و غایت ہی یہی دین کی عمدگی اور صداقت کا معیار بھی ہی۔ یہ میرا مطلب نہیں ہی کہ مذہبوں میں محاکمہ کروں اگرچہ میں نے اپنی تسلی و تشفی کے لیے محاکمہ کر لیا ہی مگر بہت سے لوگوں کے ظرف ہیں جو میرے محاکمہ کے متحمل نہیں ہو سکتے اور اُس کو ایسے مجمع عام میں بیان کرنا گویا مناظرے کا پہلو اختیار کرنا ہی جس کا میں سخت مخالف ہوں۔ لیکن ہاں میں تھوڑی سی کوشش اس امر کی تو کروں گا کہ اسلام کو جس کا میں بڑے

استحکام کے ساتھ معتقد ہوں مصرعہ۔

با دوستاں تلطف با دشمناں مدارا

کی کسوٹی پر کس کر دکھاؤں تاکہ خاص کر حسن معاشرت کے بارے میں جو غلطیاں خود مسلمانوں کو اور جو بدگمانیاں دوسرے مذہب والوں کو ہیں دور ہوں۔ اسلام کی نسبت عموماً ایسا خیال کیا جاتا ہو کہ اسلام فی حد ذاتہٖ ایسا مذہب ہو کہ اُس کے معتقد کسی دوسرے مذہب والے کو دیکھ نہیں سکتے۔ میرے نزدیک یہ خیال دو سبب سے پیدا ہوا اول یہ کہ دعوتِ اسلام عام ہو۔ یعنی کوئی شخص کسی ملک کی پوزیشن کسی پروفیشن کا ہو اسلام کا پھاٹک اُس کے لیے کھُلا ہوا ہو۔ فَمَنْ شَاءَ فَلْيُؤْمِنْ وَمَنْ شَاءَ فَلْيَكْفُرْ[۵۱] لیکن عمومِ دعوتِ اسلام کی طرف سے بدگمان ہونے کا کافی سبب ہو نہیں سکتا۔ کیوں کہ عمومِ دعوت تو بعض دوسرے مذہبوں میں بھی ہے جیسے عیسائیت مگر تاہم عمومِ دعوت کو اس ناحق کی بدنامی میں تھوڑا یا بہت دخل تو ضرور ہو پھر اسلام کا نشو و نما ہوا عرب میں جہان کے رہنے والے سخت جاہل جنگ جو اور وحشی تھے۔ اَلْاَعْرَابُ اَشَدُّ كُفْرًا وَّنِفَاقًا وَّاَجْدَرُ اَلَّا يَعْلَمُوْا حُدُوْدَ مَا اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ[۵۲] وہ اسلام کا نام سنتے ہی مرنے مارنے پر آمادہ ہو گئے اور جیسی جیسی ایذائیں ان لوگوں نے اُس وقت کے مسلمانوں کو دی ہیں کتابوں میں ان کو پڑھ پڑھ کر رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں اور وہ افسانے نہیں ہیں بلکہ واقعات ہیں نفس الامری جو آخر الابد تک خون کی پکی سیاہی سے صفحاتِ تاریخ پر ثبت رہیں گے اُن وقتوں کے مسلمان چاہتے کیا تھے صرف اتنی بات کہ اپنے عقیدے کے مطابق خداے واحد کی عبادت کریں اُن کا یہ چاہنا اہلِ عرب کی نظر میں ایسا بڑا جرم تھا کہ خون کی تو دیت بھی تھی اور نہ تھی تو اس جرم کی مذہبی لڑائیاں سُنی بھی اور دیکھی بھی مگر جس کو حقیقت میں مذہبی لڑائی کہنا چاہیئے وہی لڑائیاں تھیں

---

[۵۱] پس جو چاہے مانے اور جو چاہے نہ مانے ۱۲ [۵۲] دیہات کے لوگ کفر و نفاق میں بڑے سخت ہیں اور جہالت کی وجہ سے) اسی لائق ہیں کہ خدا نے جو اپنے رسول پر کتاب اُتاری ہو اُس کے احکام (کچھ) سمجھیں بوجھیں نہیں ۱۲

جو شروع کے مسلمانوں کو پیش آئیں۔ ان میں مابہ النزاع مذہب کے سوا کوئی اور چیز ہی نہ تھی۔ اور لوگ کیا کرتے ہیں کہ لڑتے ہیں ملک گیری یا کسی اور غرض سے اور لوگوں میں جوش پیدا کرنے کی غرض سے لڑائی کو مذہب کا رنگ دیدیتے ہیں۔ اور شروع کے مسلمانوں کو مذہبی لڑائیاں پیش بھی آئیں۔ تو مسلمانوں کو لڑائی پر مجبور کیا گیا ورنہ ان لوگوں نے تو مذہب کی خاطر ترکِ وطن کر کے حبشے میں جا پناہ لی تھی۔ اگرچہ ہم کو شروع کے مسلمانوں کے ساتھ کسی طرح کی مناسبت نہیں نہ ویسے عقیدے ہیں نہ ویسے عمل مگر یہ ایک قدرتی مناسبت تو ضرور ہے کہ اول با آخر نسبتے دارد وہ بھی ایک نصرانی بادشاہ نجاشی کے مستامن تھے ہم ایمپرس وکٹوریہ کی رعایا ہیں ؎

| | | | |
|---|---|---|---|
| گرچہ خوردیم نسبتیست بزرگ | | ذرۂ آفتاب تابانیم | |

اگرچہ اہلِ مکہ مسلمانوں کو طرح طرح کی ایذائیں دیتے تھے اور اُس وقت اسلام لانا مال اور آبرو اور جان سب سے دست بردار ہونا تھا۔ مگر اللہ رے اسلام تیری صداقت اور اللہ رے مسلمانوں تمہارے دل کہ سامنے موت دکھائی دے رہی ہے اور پروانوں کی طرح شمع ہدایت پر گرے پڑتے ہیں۔ مولوی شاہ سلیمان صاحب امسال تشریف نہیں لائے وہ کثرت سے اپنے وعظ میں مولانا روم کی مثنوی پڑھا کرتے تھے لاؤ آج میں اُن کی نیابت بھی کروں۔ خلافت نہیں کیوں کہ مجکو ان سے بیعت نہیں میرے اِس مطلب کے قریب مولنٰا روم فرماتے ہیں ؎

| | |
|---|---|
| آن جہود سگ ببیں چہ رائے کرد | پہلوِ آتش بتے برپائے کرد |
| کانکہ ایں بُت را سجود آرد برست | ورنیارد دردل آتش نشست |
| یک زنے با طفل آورد آں جہود | پیش آں بت و آتش اندر شعلہ بود |
| گفت اے زن پیش ایں بت سجدہ کُن | ورنہ در آتش بسوزی بے سخن |
| بود آں زن پاک دین و مومنہ | سجدۂ آں بُت نکرد آں موقنہ |
| طفل ازو بستد در آتش درفگند | زن بترسید و دل از ایماں بکند |
| خواست تا او سجدہ آرد پیشِ بت | بانگ زد آں طفل کانی لم امُت |

| | |
|---|---|
| اندر آ مادر کہ من اینجا خوشم | گرچہ در صورت میانِ آتشم |
| اندر آ مادر بہ بیں برہانِ حق | تا بہ بینی عشرتِ خاصانِ حق |
| اندر آ اسرار ابراہیم بیں | کو در آتش یافت ورد و یاسمیں |

جب یہ لوگ مرد و زن اتنے ہو گئے کہ پیغمبر صاحب اِن کی حفاظت نہیں کر سکتے تھے ناچار آپ نے اِن کو حبشے چلے جانے کی اجازت دی اسی کو ہجرت اولی کہتے ہیں۔ ان مہاجرین اولین میں حضرت کی صاحبزادی رقیہ اور اُن کے شوہر حضرت عثمان اور آپ کے پھوپا زبیر بن العوام سمیت گیارہ مرد تھے اور چار عورتیں۔ اِن کو نجاشی کے یہاں ملا امن۔ اور امن کی خبر مکّے کے نومسلموں کو ملی تو حضرت کے چچازاد بھائی جعفر بن ابی طالب کے ساتھ دوسری کھیپ روانہ ہوئی اور اب نجاشی کی حفاظت اور حمایت میں مرد و زن اور بچے ملا کر بیاسی تن ہو گئے۔ اُدہر کفارِ قریش مسلمانوں کے درپے تو تھے ہی اُنھوں نے تحفے تحالف دے کر نجاشی کی طرف سفیر روانہ کیے تاکہ نجاشی ان مستامنوں کو اپنے ملک سے نکال باہر کرے اِن لوگوں نے نجاشی سے یہ جا لگائی کہ یہ نومسلموں کا گروہ جو آپ کے یہاں پناہ گزیں ہوا ہی یہ پیرو ہیں ایک شخص کے جو مدعی نبوت ہوا ہی اور ہمارے بتوں کی توہین کرتا ہی لوگوں کو بہکاتا ہی اور اس نے ہمارے دینِ آبائی میں بڑا فتور ڈال رکھا ہی۔ نجاشی نے مسلمانوں کو اپنے حضور میں طلب کیا تو ابھی مسلمان نجاشی تک پونہچنے نہیں پائے تھے کہ سفیر قریش نے جڑ دیا کہ آپ ملاحظہ فرمالیں گے کہ کیسے مغرور ہیں ہر شخص آپ کو سجدہ کرتا ہی اور ہم نے بھی کیا اور یہ آپ کے دابِ شاہی میں داخل ہی مگر مسلمان ہرگز آپ کو سجدہ نہیں کریں گے اور بے باکانہ نہایت بے تمیزی اور گستاخی کے ساتھ آپ کے سامنے اکھڑے ہوں گے۔ یہ بات نجاشی کے کان میں ڈالی جا چکی تھی کہ اتنے میں جعفر بن ابی طالب مسلمانوں کو ساتھ لیے سراپردۂ شاہی پر آموجود ہوے اور وہیں سے حضرت جعفر نے پکارا۔ حِزْبُ اللّٰہِ یَسْتَاْذِنُکَ یعنی خدائی گروہ آپ کے پاس حاضر ہونے کی اجازت چاہتا ہی۔ نجاشی نے جعفر کی آواز سُنی اور اندر آنے کی اجازت دی ان سب نے جا کر نہ تو نجاشی کو سجدہ کیا اور نہ جاہلیت کے دستور کے

کے مطابق ابیت اللعن کہا بلکہ اسلامی قاعدے سے السلام علیک کہہ کر مخاطب ہوئے نجاشی نے مسلمانوں کی بھیڑ دیکھ کر حکم دیا کہ تم میں سے ایک شخص عرض معروض کرے چنانچہ جعفر بن ابی طالب کو لوگوں نے آگے پیش کیا نجاشی نے پہلی بات جو پوچھی وہ یہ تھی کہ حزب اللہ یستأذنک پکار کر کہنے والا تم میں کا کون تھا۔ جعفر نے کہا میں۔ پھر نجاشی نے پوچھا ادب شاہی کے مطابق تم نے سجدہ کیوں نہیں کیا جیسا کہ ہمارے دربار کا دستور ہو اور کوئی بھی ہو اسی قاعدے سے ہم کو سلام کرتا ہو۔ جعفر نے کہا کہ ہم تو صرف خدا کو سجدہ کرتے ہیں جس نے آپ کو پیدا کیا اور بادشاہ بنایا اور بے شک ہمارے یہاں بھی بادشاہوں کو سجدہ کرنے کا دستور تھا مگر ہم بت پرست تھے اور اب ہم میں خدا نے ایک سچا پیغمبر بھیجا ہو اور اُنہوں نے ہم کو یہی سلام تعلیم کیا ہو اور جنت میں بھی سلام کے یہی الفاظ ہوں گے۔ اس کے بعد نجاشی نے جعفر کو بولنے بات کرنے کی اجازت دی تو جعفر نے کہا کہ آپ بادشاہ ہیں اور اہل کتاب میں سے ہیں اور آپ کے سامنے بہت بات کرنی خلافِ ادب ہو۔ میں چاہتا ہوں کہ قریش کے یہ دو سفیر جو حاضر ہیں ان میں سے ایک گفتگو کرے اور دوسرا خاموش رہے اور آپ ہماری باہمی گفتگو کو استماع فرمائیں۔ نجاشی نے اس کو پسند کیا تو جعفر نے کہا آپ ان سے دریافت کیجیے کہ آیا ہم کسی کے غلام ہیں اور آپ کے ہاں بھاگ کر آئے ہیں عمرو بن عاص سفیر قریش بولا کہ نہیں یہ لوگ کسی کے غلام نہیں بلکہ شریف آبرو دار لوگ ہیں پھر جعفر نے کہا کہ اب آپ ان سے پوچھیے کہ کیا ہم نے کوئی ناحق خون کیا ہو جس کے قصاص کا ہم سے مطالبہ ہو عمرو بولا کہ خون کیسا ان کے ہاتھ سے کسی کو خراش تک بھی نہیں پونہچی۔ پھر جعفر نے کہا کہ ان سے دریافت کیجیے کہ کیا ہم کسی کا قرضہ لے کر بھاگے ہیں اور اُس کے ادا کے لیے ہم کو گرفتار کرایا جاتا ہو عمرو نے کہا کہ نہیں ان لوگوں کو کسی کی کوڑی دینی نہیں اس پر نجاشی نے سفیرانِ قریش سے پوچھا کہ پھر تم ان لوگوں سے کیا چاہتے ہو۔ عمرو نے کہا کہ ہم اور یہ لوگ ایک دین کے پیرو تھے جو ہمارے بڑوں سے متوارث چلا آیا ہو یہ لوگ اُس دین سے برگشتہ ہو گئے تو ہماری قوم نے ہم کو آپ کی خدمت میں اس غرض سے بھیجا ہو کہ آپ اُن کو ہمارے حوالے کر دیجیے۔ نجاشی نے

جعفر سے پوچھا کہ تمہارا پہلا کیا دین تھا اور اب تمہارا کیا دین ہی۔ جعفر نے کہا کہ ہم پتھر پوجتے تھے اور خدا کو نہیں مانتے تھے اب ہمارا دین خدائی دین اسلام ہی جو خدا کی طرف سے ہم کو بھیجا گیا اور رسولِ خدا اُس کو لے کر آے اور جیسی کتاب عیسیٰؑ ابن مریم پر نازل ہوئی تھی ویسی ہی ہمارے رسول پر نازل ہوئی ہی اور یہ کتاب اس کی تصدیق کرتی ہی اس کے بعد نجاشی کے ایما سے ناقوس بجایا گیا جس کی آواز سنتے ہی قسیس اور راہب جمع ہو گئے اور نجاشی نے اُن سے پوچھا کہ حضرت مسیح کے بعد قیامت سے پہلے کسی نبی کی خبر ہی۔ سب نے کہا ایک نبی کی پیشین گوئی کتابوں میں لکھی ہوئی موجود ہی اور جناب مسیح اُن کی بشارت دے گئے ہیں اور فرما گئے ہیں کہ جو مجھ پر ایمان لائے گا وہ اُس پر ایمان لائے گا اور جو اُن کے ساتھ کفر کرے گا وہ میرے ساتھ کفر کرے گا پھر نجاشی نے جعفر سے مخاطب ہو کر پوچھا کہ یہ تمہارے پیغمبر کیا تعلیم کرتے ہیں جعفر نے کہا یَقْرَأُ عَلَیْنَا کِتَابَ اللّٰہِ وَیَأْمُرُ بِالْمَعْرُوْفِ وَیَنْھٰی عَنِ الْمُنْکَرِ وَیَأْمُرُنَا بِحُسْنِ الْجِوَارِ وَصِلَةِ الرَّحِمِ وَبِرِّ الْیَتِیْمِ وَیَأْمُرُنَا اَنْ نَعْبُدَ اللّٰہَ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ[۱] پھر نجاشی نے فرمایش کی تو جعفر نے سورہ عنکبوت اور سورہ روم قرآن سے پڑھ کر سنائی تو نجاشی اور سب درباری زار زار روئے اور مکرر جعفر سے فرمایش کی کہ اپنے قرآن سے کچھ اور پڑھ کر سناؤ جعفر نے سورہ کہف سُنائی اتنے میں عمرو نے نجاشی کے برہم کرنے کے لیئے کہا کہ یہ لوگ حضرت عیسیٰ اور اُن کی والدہ کو نام دہرتے ہیں تو نجاشی نے جعفر سے پوچھا اس پر جعفر نے سورہ مریم پڑھ کر سُنائی۔ نجاشی نے اپنی مسواک کا ایک تُس توڑ کر درباریوں کو دکھایا اور جعفر سے کہا۔ وَاللّٰہِ[۲] مَازَادَ الْمَسِیْحُ عَلٰی مَا تَقُوْلُوْنَ مِثْلَ ھٰذَا اس کے بعد دربار برخاست ہوا اور سفیرانِ قریش ناکام و نامراد اُن کے تحائف سمیت واپس کر دیئے گئے۔ ان باتوں کو صاحب معالم التنزیل نے آیہ۔ اِنَّ اَوْلَی النَّاسِ بِاِبْرَاھِیْمَ الی آخرہ کے تحت میں بڑی ہی موثر اور دلچسپ عبارت

[۱] ہم کو اللہ کی کتاب سُناتے اور نیک کام کا حکم دیتے اور بُرے کاموں سے روکتے ہیں اور پڑوسیوں کے ساتھ نیک سلوک کرنے اور کنبے والوں کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنے اور یتیموں پر شفقت کرنے کا ارشاد فرماتے ہیں اور یہ حکم دیتے ہیں کہ ہم خدائے وحدہ لاشریک لہ کی عبادت کریں ۱۲ [۲] قسم خدا کی مسیح نے اس تُس کے برابر بھی تمہارے کہنے سے زیادہ نہیں کہا۔ ۱۲

میں لکھا ہی اور بے اختیار میرا دل چاہتا تھا کہ میں وہی عبارت بجنسہ پڑھ کر سناؤں مگر سناؤں
تو پھر ترجمہ بھی کروں اتنا وقت کس گھر سے لاؤں۔ مجکو ممبران انجمن سے ہمیشہ یہی شکایت رہی ہو
اور اب بھی ہو کہ مجکو کافی وقت نہیں دیتے اور میں جی کھول کر لکچر نہیں دے سکتا یہ بیان جو میں
نے اس ہجرت حبشہ کا کیا اس میں مجکو چند باتیں کہنی ہیں اور وہ جملہ معترضہ کے طور پر ہیں ایک یہ کہ جب
جناب رسول خدا نے اول بار مسلمانوں کو حبشے چلے جانے کی اجازت دی تو آپ نے یہ لفظ
فرمائے تھے۔ ان بھا ملکا صالحا لا یظلم ولا یظلم عندہ احد فاخرجوا الیہ حتی یجعل اللہ للمسلمین[۱]
فرجا یعنی نجاشی کو جو عیسائی تھا جناب رسول خدا نے ملک صالح فرمایا ہو۔ اب اس زمانے میں
کوئی مولوی ہی جو امپرس وکٹوریہ کو ملکہ صالحہ کہنے کی اجازت دے حالاں کہ نجاشی کے مقابلہ
میں وکٹوریہ اس سے بہت زیادہ مدح کی مستحق ہیں۔ غضب ہی ظلم ہی ستم ہی بے انصافی ہی
ناشکری ہی کفران نعمت الٰہی ہو کہ پیاسی صرف اسی اور دو مسلمانوں کے امن دینے کے صلے میں
نجاشی ملک صالح کے خطاب کا مستحق ہوا اور خطاب بھی مولویوں کا دیا ہوا نہیں جیسے یہ بحر العلوم
وغیرہ بنا دیتے ہیں۔ بلکہ جناب رسالت مآب کا دیا ہوا۔ اور وکٹوریہ چھ کروڑ مسلمانان ہند کو
دوسری عملداریوں سے بحث نہیں نہ صرف پناہ دینے سے بلکہ اُن کے لیے تمام دنیا وی
آسائشیں اور آرام اور عافیتیں اور سہولیتیں مہیا کرنے پر بھی اُس کو ملکہ صالحہ کہنے سے دریغ
اور مضایقہ کیا جاے۔

دوسری بات ایک حکایت ہی جو اس وقت مجکو یاد آگئی ہو وہ یہ کہ جس طرح کفار قریش نے
نجاشی کو بھڑکانے کے لیے مسلمانوں کی طرف سے لگا دیا تھا کہ یہ حضرت عیسیٰؑ اور اُن کی والدہ کو
نام دھرتے ہیں اسی قسم کا ایک واقعہ ہماری دلی میں وہابیوں اور بدعتیوں یعنی غیر مقلدوں اور
مقلدوں میں بھی ہوا تھا۔ کہ کسی مقلد حاکم رس سے غیر مقلدوں کی نسبت کہہ دیا کہ یہ لوگ حضرت عیسیٰؑ

[۱] بے شک وہاں ایک نیک بادشاہ ہو جو نہ خود ظلم کرتا ہو اور نہ اُس کے ہاں کوئی ظلم کرتا ہو۔ تو وہاں چلے جاؤ تا کہ
اللہ مسلمانوں کے لیے کوئی فراخی کی صورت نکالے ۱۲

تک کے نام کی فاتحہ کو منع کرتے ہیں لیکن مصرع ؎ دشمن اگر قوی ست نگہبان قوی ترست ؎
وہابی نے کیا جواب دیا ہے کہ حضور فاتحہ مردے کی ہوتی ہے اور ہم تو حضرت عیسیٰ کو زندہ سمجھتے ہیں۔ یہ
جواب اُس وقت تو کام دے گیا تھا اب مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کے اتباع کے آگے اس کا
چلنا مشکل ہے۔ اب چلو سلسلہ سخن کو پھر جوڑ لیں کہ جب مسلمان مرد و زن اتنے ہو گئے کہ پیغمبر صاحب
ان کی حفاظت نہیں کر سکتے تھے ناچار آپ نے ان کو حبشے چلے جانے کی اجازت دی اسی کو
ہجرت اولی کہتے ہیں لیکن آں حضرت مکے میں باوجود خطر تشریف رکھتے رہے کہ ان کو خدمت
رسالت بجا لانی تھی اور اس کے لیئے قیام مکہ ضرور تھا کیونکہ وہ مرجع خلائق تھا اور اسلام کی عام منادی
کے لیئے اُس سے بہتر کوئی جگہ نہ تھی نہ صرف خانۂ کعبہ کی زیارت کے لیئے بلکہ خرید و فروخت
کے لیئے تمام جزیرۂ عرب کے لوگ مکے میں جمع ہوتے تھے اور مکہ بڑے میلے کی جگہ تھی بہر کیف
مسلمانوں کے حبشے گئے پیچھے بھی پیغمبر صاحب کچھ دنوں مکے میں رہے۔ یہاں تک کہ دشمنوں
نے یہ مشورہ کیا کہ آؤ بہت سے قبیلے مل کر اس شخص کا کام تمام کریں۔ اور اس کے عزیز و اقارب
قصاص کے دعوی دار ہوں تو دیت بھر دیں۔ ناچار تیرہ برس۔ ایک۔ دو۔ تین۔ چار۔ پانچ
چھ۔ سات۔ گیارہ۔ بارہ۔ تیرہ برس۔ طرح طرح کی ایذائیں برداشت کرنے کے بعد آپ رات کو
چپکے سے نکل مدینہ تشریف لے گئے۔ اہل مکہ نے گرفتار کرنے کے لیئے چاروں طرف آدمی دوڑائے
مگر خدا کو تو نور اسلام سے شرک اور بت پرستی کی ظلمت کو دنیا سے دور کرنا تھا۔ پاس کے پاس
تین دن غار ثور میں چھپے رہے اور کسی کو سوجھ نہ پڑا جب جستجو کی شورش کم ہوئی تو آپ غار سے
نکل اجنبی راہ سے ہوتے ہوئے مدینے جا پہنچے جہاں کے چند آدمی مکے میں آپ کے مواعظ
سن کر پہلے سے ایمان لا چکے تھے۔ بس یہ ابتدائی روداد ہے جس پر ہم کو فیصلہ کرنا ہے کہ مسلمانوں نے صبر
اور درگزر اور رباد شمنان مدارا کو کہاں تک نباہا وہاں تک نباہا کہ نہ تو کسی نے نباہا ہوگا اور نہ کوئی نباہ
سکے گا۔ تاکہ کوئی آدمی اس روداد پر منصفانہ فیصلہ صادر کر سکے اُس کو چاہیئے کہ اہل عرب کی اُس وقت
کے اہل عرب کی تاریخ پڑھے اور معلوم کرے کہ کشت و خون ان لوگوں کا روزمرہ کا مشغلہ تھا۔

| | |
|---|---|
| وَاَحْیَانًا عَلیٰ بَکْرٍ اَخِیْنَا | اِذَا مَا لَمْ نَجِدْ اِلَّا اَخَانَا |

شاعر کہتا ہو کہ ہم ہمیشہ پاس پڑوس کی قوموں کو لوٹتے مارتے رہتے ہیں اور جب ہم کو لوٹنے مارنے کے لیئے اور کوئی نہیں ملتا تو بنی بکر اپنے بھائیوں ہی کو لوٹنے مارنے لگتے ہیں کیوں کہ خالی تو ہم سے بیٹھا جاتا نہیں ٭

| | |
|---|---|
| خدا شرمائے ہاتھوں کو کہ رکھتے ہیں کشاکش میں | کبھی جاناں کے دامن کو کبھی میرے گریباں کو |

ان میں کبھی لڑائی چھڑ گئی ہو تو سو سو ڈیڑھ ڈیڑھ سو برس تک جاری رہی ہو۔ غرض اسلام کو ایک پودہ فرض کرو تو جس دن سے اس نے سر باہر نکالا اُسی دن سے دشمنوں کا تبر ستم اس پر بجنے لگا۔ اب کوئی بردبار سے بُردبار اور حلیم سے حلیم آدمی ہم کو بتائے کہ ایسے زمنے میں مسلمانوں کو کیا کرنا چاہیئے تھا۔ وہ کیا کر سکتے تھے اور انہوں نے کیا کیا۔ انہوں نے کیا جو اُن کو کرنا چاہیئے تھا اور جو وہ کر سکتے تھے۔ شاید بہت کم مذہب اس نقص سے خالی ہوں گے کہ انسان کے لیئے تقدس کا ایک خیالی اور فرضی اسٹینڈرڈ (معیار) مان کر حکم دیا جاتا ہو کہ اس پالے کو چھوؤ۔ حالانکہ ہم دیکھتے ہیں کہ دنیا میں ہر ایک چیز کا اندازہ ہو جس کو فطرت سے تعبیر کیا جاتا ہو۔ اِنَّا کُلَّ شَیْءٍ خَلَقْنٰهُ بِقَدَرٍ[۱] مثلاً پانی ہو کہ اس کا ایک اندازہ ہو کہ وہ نشیب کی طرف کو بہے اور ایک خاص بلندی سے زیادہ اُونچا نہ ہو اسی طرح انسان کی بھی ایک فطرت ہو کہ اُس کے ساتھ خواہشیں ہیں ضرورتیں ہیں اور ان خواہشوں اور ضرورتوں کے پورا کرنے کا اُس کو موقع دیا گیا ہو۔ قُلْ مَنْ[۲] حَرَّمَ زِیْنَةَ اللّٰهِ الَّتِیْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَالطَّیِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ اب انسان سے یہ کہنا کہ ان خواہشوں سے محترز رہے گویا پانی کو کہنا ہو کہ نشیب کی طرف کو نہ بہے ٭

| | |
|---|---|
| درمیانِ قعرِ دریا تختہ بندم کردہ | باز می گوئی کہ دامن تر مکن ہشیار باش |

[۱] ہم نے تمام چیزوں کو ایک اندازے کے ساتھ پیدا کیا ہو ۱۲ [۲] (اے پیغمبر ان لوگوں سے) پوچھو کہ اللہ نے جو زینت (کے ساز و سامان) اور کھانے (پینے) کی پاکیزہ چیزیں اپنے بندوں کے لیئے پیدا کی ہیں (اُن کو) کس نے حرام کیا ہو ۱۲

اور یہ نہ کبھی ہوا ہو اور نہ ہو سکتا ہو۔ سنو جی! مذہب کی صداقت کی ایک یہ بھی بڑی شناخت ہو کہ وہ طلب محال نہ کرے اور اسی سے شارع اسلام نے پکار کر کہہ دیا۔ لَا رَهْبَانِيَّةَ فِي الْإِسْلَامِ جو مذہب طلب محال کرتا ہو وہ صرف کتاب میں لکھ لینے کے لیے ہو نہ عمل کرنے کے لیے اور ایسا مذہب خلق عالم کو لغو اور لاطائل ٹھہراتا ہو۔ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا [1] مذہب چاہیئے کہ ہماری خواہشوں کو اعتدال کے درجے پر رکھے اور اُن میں افراط و تفریط نہ ہونے دے نہ یہ کہ اُن کو مسلوب اور معدوم کر دے۔ آنکھیں ہوں اور آثار قدرت الٰہی دیکھیں اور اُس کی شان اور عظمت کو سمجھیں یہ بہتر یا یہ کہ آنکھوں کو پھوڑ کر اندھے بن جائیں۔ وعظ و نصیحت کی باتیں سنیں اور اُن پر عمل کریں یہ بہتر یا یہ کہ کانوں میں سیسہ پلا دیں روئی ٹھونس لیں۔ اچھا تو انسان کی فطرت میں ایک خاص غصہ بھی ہی جو دشمنوں کے دفع کرنے کے لیے ہمارا ہتیار ہی جیسے مثلاً بیل کے سینگ شیر کا پنجہ گزندہ جانور کے دانت۔ بھڑ۔ بچھو وغیرہ کا ڈنک یہ قوت افراط کی صورت میں دوسروں کے لیے خطرناک ہو اور تفریط کی صورت میں ہمارے لیے۔ لیکن اگر اعتدال کے ساتھ اس قوت سے کام لیا جائے تو وہ ہمارے حق میں مفید ہو اور دوسروں کے حق میں بھی۔ میں خیال کرتا ہوں کہ قوت دفع مخالف کل مخلوقات عالم کو دی گئی ہی۔ اور اس میں نظام عالم کا بقا مضمر ہی جان داروں کی قوت دفع تو سب کو معلوم ہی کہ ایک مور ضعیف پر اگر ہاتھی بھی پاؤں رکھ دے تو وہ بھی چٹکی لیے بدون نہیں رہے گی۔ ہم دیکھتے ہیں کہ جمادات بھی اس بارے میں جان دار کا حکم رکھتے ہیں ایک دیوار پر گیند کھینچ مارو تو جس زور سے مارو گے اُتنے ہی زور سے دیوار اُس کو اچٹا دے گی بھی۔ اگرچہ یہ قوت تمام عالم میں جاری اور ساری ہو اور جہان کا ذرہ ذرہ اس قوت کا کام میں لا رہا ہی مگر مسلمان۔ بدنصیب مسلمان۔ بدقسمت مسلمان۔ بدبخت مسلمان۔ اسی قوت کے کام میں لانے کی وجہ سے شوخ ہیں۔ شریر ہیں۔ ظالم ہیں۔ سفاک ہیں۔ اکھل کھرے ہیں۔ جلے تن ہیں کسی کو دیکھ نہیں سکتے۔ اگر واقعات تاریخی کو پڑھنا نہیں چاہتے۔ سُننا نہیں چاہتے۔ یقین کرنا نہیں

[1] اے ہمارے پروردگار تو نے اس (کارخانۂ عالم) کو بے فائدہ (تو) نہیں بنایا ۱۲

چاہتے۔ تو وہی بات ہوئی کہ گو دی ڈاگ بیڈ نیم اینڈ دِن کِل ہم آوٹ۔ (کتے پر ناحق کا الزام دھرو اور پھر لات مار کر باہر کرو۔) میں اسلام کی مذہبِ اسلام کی حمایت کرتا ہوں اور شروع سے آج تک کے ہر زمانے کے ہر ملک کے مسلمانوں کا میں نے ٹھیکہ نہیں لیا بے شک بہتیرے مسلمان بادشاہ "بدنام کنندۂ نیکو نامے چند" ایسے بھی ہوئے ہیں جنہوں نے جہاد کا نام کر کے ملک گیریاں کی ہیں خون ریزیاں کی ہیں مگر اسلام ان کے فعل کا کیوں ذمہ دار ہونے لگا۔ کوئی مذہب اپنے پیروؤں کے افعال کا ذمہ دار ہو کہ اسلام مسلمانوں کی ذمہ داری کرے۔ دوسرے مذہب والوں نے کیا کچھ نہیں کیا اور کیا کچھ نہیں کرتے مگر کسی مذہب سے بازپرس نہیں سب مونچھوں پر تاؤ دے دے کر سرخرو بنتے ہیں تو اسلام نے ایسا کون سا قصور کیا ہے کہ ؎

| | |
|---|---|
| ہر بلائے کز آسماں آید | گرچہ بر دیگراں قضا باشد |
| بر زمیں نارسیدہ می گوید | خانۂ انوری کجا باشد |

اگرچہ اسلام کی اس ناحق کی بدنامی میں زیادہ قصور دوسرے مذہب والوں کا ہے مگر "تا نباشد چیز کے مردم نگویند چیزہا" کہیں نہ کہیں تو اسلام میں ضرور پانی مرتا ہوگا کہ لوگوں کو بڑھ بڑھ کر باتیں بنانے کا موقع ملا اسلام میں اگر پانی مرتا ہے تو بس اسی جگہ کہ اس کے جو دانت کھانے کے ہیں وہی دکھانے کے یعنی اسلام اپنے پیروؤں سے وہی کہتا ہے جو دنیا میں ہو رہا ہے اور ہوا ہے اور ہونا ممکن ہے (ایک) دوسرے شروع کے مسلمانوں کو اپنی حفاظت کے لیے جو مجبوریاں پیش آئیں اُن کا حال مختصر سن ہی چکے ہو۔ تیسرے سلطنت کی بنیاد تو پیغمبر صاحب ہی کے زمانے میں پڑ چکی تھی مگر۔ ثُمَّ الَّذِینَ یَلُونَهُم ثُمَّ الَّذِینَ یَلُونَهُم کے قاعدے سے جوں جوں لوگوں کو زمانِ نبوت سے دوری ہوتی گئی سلطنت کے معاملات میں مذہبی رنگ ہلکا ہوتا گیا اور جناب رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم خود اُن سلطنتوں کو

ؔ پھر ان کے بعد والے اور پھر اُن کے بعد والے ۱۲۔

ملک عفوص فرمایا ہی کرتے تھے نہ وہ ابتدا کے سے زہد رہے نہ للّٰہیت رہی بلکہ رفتہ رفتہ دنیاوی سلطنت کی برائیاں اسلامی سلطنت میں بھی داخل ہوگئیں اور ان سلطنتوں کا زوال اس کی دلیل ہو کہ وہ اسلامی اصول پر مبنی نہ تھیں اور اسلامی اصول پر مبنی ہوتیں تو یقیناً ناممکن الزوال تھیں یہ سلطنتیں مسلمانی سلطنتیں تو تھیں مگر اسلامی سلطنتیں نہ تھیں اسلامی سلطنت کا فنڈامنٹل پرنسپل یعنی اصل الاصول الیکشن یعنی شورہ تھا نہ غصب اور نہ وراثت پس جب فنڈامنٹل پرنسپل پر عمل نہیں تو اسلامی سلطنت کا کیوں نام بدنام کیا جائے۔ لیکن خود مسلمان اسلامی سلطنت اور مسلمانی سلطنت میں فرق نہیں کرتے کبھی سلطان روم کو خلیفۃ المسلمین بناتے اور کبھی امیر کابل کو امیر المومنین قرار دیتے تو غیر قوموں کو اسلامی سلطنت اور مسلمانی سلطنت میں فرق کرنے کی کیا ضرورت ہو۔ مسلمان بادشاہ امیر المومنین اور خلیفۃ المسلمین ہیں تو اُن مسلمانوں کے لئے اور صرف انھیں مسلمانوں کے لئے جو اُن کی رعایا ہیں اور اُن کے ملک میں بستے ہیں نہ ہم مسلمانانِ ہند کے لئے کہ نہ ہم اُن کی رعایا ہیں اور نہ اُن کے ملک میں بستے ہیں۔ بلاشبہ مسلمانوں کے پاس قرآن اور حدیث اور فقہ ملا کر ایک ایسا جامع قانون موجود تھا اور ہو کہ اگر اُس پر عمل کیا جائے تو وہ بڑی سے بڑی سلطنت نہایت عمدگی کے ساتھ لے چل سکتے ہیں اور صدہا برس اسی قانون پر عمل کر کے ملکوں کے انتظام کئے ہیں اور انتظام بھی کیسے ہیں تو بہتر سے بہتر اور عمدہ سے عمدہ مگر شخصی سلطنتوں کے بادشاہ ہمیشہ قانون پر حاکم رہے ہیں ایسی سلطنتوں میں قانون کچھ ذاتی قوت نہیں رکھتا۔ بلکہ اصلی قوت بادشاہ کے ہاتھ میں ہوتی ہو وہ چاہے قانون کے حوالے کرے یا اپنے ہاتھ میں رہنے دے لیکن مسلمانوں کی کوئی سی بات بھی لو یہاں تک کہ مذہب بھی سب میں ناواقفیت کا رنگ جھلکتا ہو۔ مذہبی تقاضا نہ سہی قومی ہی تقاضا سہی ایسا کون گیا گذرا مسلمان ہوگا جو مسلمانوں کی سلطنت سن کر خوش نہ ہوتا ہوگا۔ سلطانِ روم گو بادشاہ ہیں مگر ہمارے دینی بھائی ہیں اور گو دور ہیں مگر ہیں تو ہماری اسی زمین کے ایک حصہ کے بادشاہ ہم تو اُن کے بھی خیر خواہ اور دعا گو ہیں لیکن مسلمان ہونے کے علاوہ ہم میں ایک حیثیت اور بھی ہو کہ ہم انگریزوں

کے مستامن ہیں اور اُن کی عملداری میں ہم کو ہر طرح کا امن ہی ہر طرح کی آسایش ہی اور جہاں تک رعایا کو آزادی ہو سکتی ہی آزادی بھی ہی اور مَنْ لَّمْ یَشْکُرِ النَّاسَ لَمْ یَشْکُرِ اللّٰہَ۱؎ کی رو سے ان کی خیر مناتے رہنا بھی ہمارا فرض اسلامی ہی۔ پس ہند کے مسلمانوں کا تو یہ کام ہی کہ جس سرکار کے سایۂ عاطفت میں آرام سے بیٹھا ہی پہلے صمیم قلب سے اُس کا بھلا چاہے کہ ہماری اپنی بھلائی ان کی بھلائی سے وابستہ ہی اور پھر نہ صرف سلطانِ روم کا بلکہ اُن کے ساتھ شاہِ فارس کا امیر کابل کا امیر بخارا کا سلطانِ زنجبار کا اور کل مسلمان بادشاہوں کا بلکہ اگر چاند بھی ہماری ہی زمین کی طرح آباد ہو اور وہاں بھی کوئی مسلمان بادشاہ ہو اُس کا بھی۔ یہ ایک اوپن سیکرٹ یعنی طشت از بام افتادہ بات ہی۔ سوختم سوختم ایں راز نہفتن تا کی۔ کہ برٹش گورمنٹ پہلے بھی ہم مسلمانوں کی طرف سے پوری پوری مطمئن نہ تھی اور اب نہ یہ کہ مطمئن نہیں بلکہ کسی قدر بدگمان ہی۔ اجنبیت جو حاکم و محکوم میں ہی ایک ظاہر بات ہی نہ دونوں کا مذہب ایک نہ وطن ایک نہ زبان ایک نہ رسم و رواج ایک اور نہ دونوں میں اختلاط کہ اختلاط ہو تو ایک دوسرے کو جانے پہچانے۔ اختلاط سے معرفت اور معرفت سے محبت پیدا ہو اگرچہ یہ اجنبیت بدون اس کے دور نہیں ہو سکتی کہ دونوں ایک دوسرے کی طرف کو جھکیں ۵

| | |
|---|---|
| واں وہ غرورِ عز و نازیاں یہ حجابِ پاسِ وضع | راہ میں ہم ملیں کہاں بزم میں وہ بلائیں کیوں |

اور اگر گورمنٹ کو رعایا کی کچھ پروا ہی اور ہی اور بہت ہی تو ویسے ہی گورمنٹ کے پاس ذرائع آگہی بہت ہیں۔ ۵

| | |
|---|---|
| چو کارے بے فضول من بر آید | مرا در وے سخن گفتن نہ شاید |

مَیں تو مسلمانوں سے یہ کہنا چاہتا ہوں کہ اپنی حالت پر نظر کر کے ان کو زیادہ جھکنا چاہیئے۔ کہ پیاسا کنوئیں کے پاس جاتا ہی نہ اُلٹا کنواں پیاسے کے پاس آتا ہی۔ یہ محکوم و محتاج ہیں اور حاکم اور محتاج الیہ اب رہی یہ بات کہ جھکیں کیسے۔ تو جھکنے کے یہ معنی ہیں کہ اسبابِ مغائرت اُٹھا دیں۔ مغائرتِ وطن کا اُٹھا دینا تو اختیار سے خارج کہ انگریز ہی ہندوستان کو اپنا وطن بنالیں تو یہ بنانے

۱؎ جو بندے کا شکر ادا نہیں کرتا وہ گویا خدا کا شکر بھی ادا نہیں کرتا ۱۲

نہیں اور بہ فرضِ محال بنائیں گے تو یاد رہو کہ ہندوستان میں رہ پڑنے سے جو ہم مسلمانوں کا حال ہوا وہی دو چار نسلوں میں ان کا بھی ہوگا ؎

| | |
|---|---|
| آگ تھے ابتدائے عشق میں ہم | ہو گئے خاک انتہا ہی یہ |

دوسری مغائرت مغائرتِ لسانی ہو سو مسلمان پہلے تو انگریزی کے نام سے بدکتے تھے اور اب تو خدا کے فضل سے ان میں بی اے اور ایم۔ اے اور بارسٹر اور کیا اور کیا سب ہی کچھ ہوتے جاتے ہیں۔ اب ایک سنگِ سخت مذہب کا ہو۔ سو لعنت ہو اُس مسلمان پر لَعْنَةُ اللّٰہِ وَالْمَلٰٓئِکَةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِیْنَ[۵۱] جو اپنے تئیں مسلمان کہے اور دوسرے مسلمانوں کو عیسائی ہو جانے کی ترغیب دے یا مذہبی امور میں خلافِ شرع ایک ٹس برابر دبنے کی صلاح دے۔ اَیَاْمُرُکُمْ بِالْکُفْرِ بَعْدَ اِذْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ[۵۲] لیکن ہاں مذہبی مخالفت میں جو افراط ناجائز پیدا ہو گئی ہو اُس کے دور کرنے کو تو میں تم سب سے ڈنکے کی چوٹ کہتا ہوں اور کہتا بھی ہوں تو قرآن اور حدیث کی سند سے کہتا ہوں جس پر ہم سب مسلمانوں کا ایمان ہو۔ موٹی موٹی باتیں سنو کہ نصاریٰ اہلِ کتاب ہیں یا نہیں۔ سب ایک زبان سے بولو کہ ہیں۔ اچھا اہلِ کتاب ہیں تو ان میں اور مشرکوں میں کیا فرق ہو یعنی مذہب کی رو سے ان کو ہم سے زیادہ دوری ہو یا مشرکوں کو۔ ذرا بھی تم ہچکچائے اور ہیں نے قرآن کی آیتوں کی بوچھاڑ برسائی۔ مشرک اور مسلمان سے تو التیام ہو ہی نہیں سکتا۔ خدا نے ایک جگہ فرمایا ہو۔ اِنَّمَا الْمُشْرِکُوْنَ نَجَسٌ[۵۳] کیوں فرمایا ہو یا نہیں۔ ہم اہل السنت والجماعت تو مشرک کو نجس فی العقیدہ کہتے ہیں اور شیعی مسلمان تو مشرک کو ایسا گندہ ناپاک سمجھتے ہیں کہ ان کی چھوئی چیز ہی نہیں کھاتے جیسے یہ مسلمان کا چھوا نہیں کھاتے جواب ترکی بترکی۔ مگر ہندوستان میں اتنا پرہیز ہو مشکل تو شیعی بھی جو زیادہ محتاط ہیں وہ یا تو مشرک کے ہاتھ کی کوئی چیز کھاتے ہی نہیں اور ضرورت مجبور کرتی ہو تو مسلمان کے ہاتھ سے منگوائی اور حیلہ کیا کہ ہم نے تو مسلمان سے لی ہو

[۵۱] ان پر خدا کی اور فرشتوں کی اور (دنیا جہان کے) لوگوں کی سب کی پھٹکار ہو ۱۲ [۵۲] بھلا کہیں ایسا ہو سکتا ہو کہ تم تو اسلام لا چکے ہو اور وہ اس کے بعد تمہیں کفر کرنے کو کہے ۱۲ [۵۳] مشرک تو نرے گندے ہیں ۱۲

ہم کو زیادہ تفتیش کرنے کی کیا ضرورت۔ بندے کے ایک دوست تھے شیعی المذہب اور امارت کے ساتھ مذہب کے پابند کہ متول اور مذہب ذرا کم جمع ہوتا ہے وہ روزمرہ کے استعمال کی چیزیں چاندی کی رکھتے تھے۔ جیسے خاصدان حقہ اور اس کے لوازم اور قلمدان وغیرہ۔ ایک مرتبہ کیا اتفاق ہوا کہ میں اُن سے ملنے گیا اُنھوں نے خاصدان میں سے پان نکال کر پہلے تکیے پر رکھا اور پھر ایک مجکو دیا اور ایک آپ کھایا۔ تکیے کے غلاف پر کتھے چونے کا دھبہ لگ گیا تو میں نے کہا کہ تکیے پر رکھنے کی کیا ضرورت تھی اُنھوں نے فرمایا کہ چاندی کا استعمال ممنوع ہے۔ سو اہل سنت نے جو تاویل کی اور اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ کو نجس فی العقیدہ مانا یہ بھی ایک حیلہ ہی ہے مگر مبنی ہے ایک مصلحتِ عام پر اور حیلہ بھی اُن وقتوں کا بنایا ہوا ہے جب اسلام کا غلبہ تھا اسی ایک مثال سے ظاہر ہے کہ ہم مسلمان ہندوؤں سے پرہیز رکھنا نہیں چاہتے ۵

| | |
|---|---|
| خاک ہوئے پامال ہوئے برباد ہوئے سب محو ہوئے | اور شدائد عشق کی راہ کے کون کہ ہم ہموار کریں |

اسی بات کو تو میں ہر سال تمہارے یہاں آکر روتا ہوں کہ اب اس زمانے کے مسلمان اگلے مسلمانوں کی طرح کے مسلمان کیوں نہیں بنتے کہ مصلحتِ وقت کو بھی پیش نظر رکھیں جس کے اسلام کی مغلوبیت کے زمانے میں پیشِ نظر رکھنے کی بہت زیادہ ضرورت ہے اور اگلے مسلمانوں کی طرح کے مسلمان کیوں نہیں بنتے کہ با دشمناں مدارا بھی رکھیں اور مسلمان بھی رہیں۔ خیر تو لاؤ اس بات کو تمام کریں کہ مشرکوں اور اہل کتاب کو ہم مسلمانوں کے ساتھ کیا نسبت ہے سو مشرکوں کے بارے میں ایک حکم تو وہ اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ ہے اور دوسرا وَلَا تَنْكِحُوا[۵۱] الْمُشْرِكٰتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ اِلٰى آخِرِہٖ غرض ہم میں اور مشرکوں میں اس قسم کی جدائی ہے جو دو عملداریوں کی رعایا میں ہوا کرتی ہے کہ ایک کو دوسرے سے کچھ واسطہ اور سروکار نہیں۔ اب رہے اہلِ کتاب ان کے ساتھ مذہبی جدائی سے تو انکار ہو نہیں سکتا مگر ہاں وہ جدائی اس درجے کی نہیں کہ ارتباط اور اختلاط کی مانع ہو۔ دنیا میں اختلاط کے دو ہی بڑے ذریعے ہیں کھانا پان اور شادی بیاہ سو

[۵۱] اور مشرک عورتیں جب تک ایمان نہ لائیں اُن سے نکاح نہ کرو ۱۲

کھان پان کے بارے میں فرمایا ہی طَعَامُ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتَابَ حِلٌّ لَّکُمْ وَطَعَامُکُمْ حِلٌّ لَّھُمْ[۵۲] اور شادی کی نسبت وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتَابَ مِنْ قَبْلِکُمْ[۵۳] اب مجکو پوچھنا یہ ہی کہ جو نسبت مشرکوں میں اور اہلِ کتاب میں خدا نے قرار دی تھی ہم مسلمانوں نے برتاؤ میں اُس نسبت کو باقی رکھا یا نہیں۔ مَیں کہتا ہوں کہ باقی رکھنا کیسا نسبت کو بالکل اُلٹ دیا اور اُلٹا دینے میں اہلِ کتاب کی حق تلفی کی کہ جس درجے میں اہلِ کتاب کو شارعِ اسلام نے رکھا تھا مسلمانوں نے اُن کو اُس درجے سے گرا دیا۔ گرایا تو اُن کو اور گر گئے آپ۔ اہلِ کتاب ہونے کے علاوہ نصاریٰ کا ہم مسلمانوں پر ایک حق اور بھی ہی کہ یہ ہمارے حاکم ہیں اور ان کی اطاعت ہم مسلمانوں کا فرض مذہبی۔ دلی کے بازاروں میں لڑکے گاتے پھرتے ہیں۔ "خدا جب حُسن دیتا ہی نزاکت آ ہی جاتی ہو" مَیں اس خیال کا پیرایہ بدل کر کہتا ہوں کہ "دولت ندہد خدائے کس را گزاف" کیا خدا کسی کو مطیع کرنے کا سلیقہ دے گا تو اُس کو اپنی اطاعت کرانے کا سلیقہ نہ دے گا وہ جو کہتے ہیں زبردست کا ٹھینگا سر پر اطاعت تو ہم کو چار و ناچار کرنی ہو مگر ایک اطاعت طوعی ہوتی ہی اور ایک اطاعت کرہی۔ ایک اطاعت تو بے دل نوکر کرتا ہو کہ بڑبڑاتا جاتا ہو اور مُونہ ہی مُونہ میں بُرا کہتا جاتا ہی اور کام تو اُس کو کرنا ہی پڑتا ہو اور ایک اطاعت یہ ہوتی ہو کہ نوکر کو چلتی سی آواز دی اور اُس نے کہا حاضر اور پھر آقا نے اپنا حکم تمام نہیں کیا کہ اُس نے اُس کی تعمیل کا اہتمام شروع کر دیا اور گھنٹہ بھر کا کام پاؤ گھنٹے میں کر دیا۔ اطاعتِ طوعی اور کرہی کا فرق قرآن سے ظاہر ہے جہاں فرماتے ہیں۔ ثُمَّ اسْتَوٰی اِلَی السَّمَآءِ وَھِیَ دُخَانٌ[۵۴] الی آخرہ پس میرے کہنے کا مطلب یہ ہی کہ اَتَیْنَا طَآئِعِیْنَ کی سی اطاعت ہمارا فرضِ مذہبی ہی۔ ورنہ جبری اور کرہی اطاعت تو ایک امرِ اضطراری ہو اُس کی نسبت اِس کے حکم دینے کی ضرورت ہی کیا ہو۔ نہیں معلوم قلتِ نظر کی وجہ سے ہو

---

۵۲ اور اہلِ کتاب کا کھانا (بشرطیکہ تمھارے ہاں بھی روا ہو) تمہارے لیے حلال ہو اور تمہارا کھانا اُن کے لیئے حلال ہو۔ ۱۲

۵۳ اور جن لوگوں کو تم سے پہلے کتاب دی جا چکی ہو اُن میں کی (بھی) بیاہتا بیبیاں (تمہارے لیئے حلال ہیں) ۱۲

۵۴ پھر آسمان کی طرف متوجہ ہوا اور وہ (اُس وقت تک) کُھر (دُھوئیں) کی طرح کا) تھا۔ ۱۲

یا دل کو لگی نہیں اس سبب سے ہی کہ اس اطاعت کی سند پوچھو تو اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ[۵۱] وَاُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ کو لے دوڑتے ہیں حالاں کہ نصاریٰ کی اطاعت اس آیت کا محمل ہو نہیں سکتی وہ آیت یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا سے شروع ہوتی ہی یعنی مخاطب ہیں مسلمان تو ضمیر منکم کا مرجع بھی مسلمان ہی ہو سکتے ہیں ورنہ لازم آئے انتشار ضمائر۔ تو اس آیت کا مطلب یہ ہی کہ خدا مسلمانوں سے فرماتا ہی کہ تم اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو اور جو تم مسلمانوں میں صاحبِ حکومت ہوں اُن کی اطاعت کرو۔ صاحبِ بخاری نے ایک واقعہ اس آیت کا شانِ نزول ٹھہرایا ہی کہ ایک صحابی تھے عبداللہ بن خذافہ اُن کو جنابِ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دستہ فوج کا سرلشکر بنا کر کہیں کو بھیجا عبداللہ بن خذافہ کے مزاج میں چُہل بہت تھی۔ اُنھوں نے سپاہیوں کے ساتھ ہنسی کرنی چاہی کہ سپاہی آگ جلا کر بیٹھے تاپ رہے تھے انھوں نے سپاہیوں سے کہا کہ میں تمہارا افسر ہوں اور جو حکم میں تم کو دوں تم کو اُس کی بجا آوری ضرور ہی تو میں سب سے کہتا ہوں کہ تم سب اس آگ میں کود پڑو۔ یہ سنکر سپاہیوں میں ہوا اختلاف۔ بعض آگ میں کود پڑنے پر آمادہ ہوئے اور بعض ٹھٹکے۔ مدینے لوٹ کر آئے تو یہ ماجرا جنابِ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا گیا اُس پر یہ حکم نازل ہوا۔ یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اَطِیْعُوا اللّٰهَ[۵۲] اِلٰی اٰخِرِہٖ وہ جو کہتے ہیں کہ نادان کی دوستی زیاں کا موجب ہوتی ہی جو لوگ اطاعتِ حکام کے لیے اس آیت سے استشہاد کرتے ہیں۔ اس بودی دلیل سے لوگوں کو یہ خیال ہوتا ہی کہ مسلمانوں میں اطاعت نصاریٰ کا کوئی حکم ہی نہیں۔ حالاں کہ یہ خیال محض غلط ہی۔ اطاعتِ نصاریٰ کے لیے استدلال کرنا چاہیے یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا[۵۳] اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ سے اَوْفُوْا بِالْعَھْدِ اِنَّ الْعَھْدَ کَانَ مَسْئُوْلًا[۵۴]

---

۵۱ اللہ کا حکم مانو اور رسول کا حکم مانو اور جو تم میں صاحبِ حکومت ہیں (اُن کا بھی) ۱۲ ۵۲ مسلمانو! اللہ کا حکم مانو الخ
۵۳ مسلمانو! (اپنے) قراروں کو پورا کرو ۱۲ ۵۴ عہد کو پورا کرو (کیوں کہ) قیامت میں عہد کی بازپرس ہوگی ۱۲

سے وَالْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ[۵۱] سے میں آج اس مسئلے کو خوب شرح و بسط کے ساتھ صاف کرنا چاہتا ہوں تاکہ کسی طرح کا ابہام باقی نہ رہے اور اپنے پرائے سب سمجھ لیں کہ حکامِ وقت کی اطاعت مسلمانوں کا فرض مذہبی ہے اور اس بارے میں بہت سی نصوص نازل ہیں۔ ہم اس اطاعت کو مبنی کرتے ہیں صرف اس بات پر کہ ہم مسلمان ہیں اور نصاریٰ حکامِ وقت میں امن کا عہد ہے یعنی جب انگریزوں نے یہ ملک لیا دھوکا دے کر لیا تو خوشامد سے لیا تو رشوت دے کر لیا تو جیسا کہ بعض متعصبوں اور جاہلوں کا خیال ہے اور بزورِ شمشیر لیا تو غرض لیا۔ تو ہم نے گو زبان سے نہ بھی کہا اور کوئی دستاویز لکھ کر نہ بھی دی تاہم ان کے ملک میں ان کی رعایا بن کر رہنا قبول کیا تو یہ شرعاً عہد ہو گیا اور ایفائے عہد کے بارے میں جیسی کچھ تاکید قرآن میں ہے سب کو معلوم ہے۔ اب میں یہ دکھانا چاہتا ہوں کہ ہم مسلمانوں کا انگریزوں کی عملداری میں ان کی رعایا بن کر رہنا کیوں کر عہد سمجھا گیا اور وہ عہد تو سب نے سنا ہوگا وَاِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْۢ بَنِیْۤ اٰدَمَ اِلٰی آخِرِہٖ[۵۲] اُس عہد الست سے تو کسی کو انکار نہیں تو وہاں کوئی زبانی قرار تھا یا کوئی دستاویز لکھی گئی تھی۔ یا لوگوں کے جان و مال جو محفوظ ہیں تو چوروں سے ڈاکوؤں سے خونریزوں سے لئے جاتے ہیں۔ یا دستاویزیں لکھائی جاتی ہیں۔ غرض قول کا زبانی یا تحریری ہونا کچھ ضرور نہیں مجرد حالت سے بھی عہد مستنبط ہوتا ہے۔ میں تو بے قرآن اور بے حدیث

[۵۱] اور جب (کسی بات کا) اقرار کر لیا تو اپنے قول کے پورے ۱۲ [۵۲] پوری آیت یہ ہے وَاِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْۢ بَنِیْۤ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّیَّتَهُمْ وَاَشْهَدَهُمْ عَلٰۤی اَنْفُسِهِمْ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُوْا بَلٰی شَهِدْنَا اَنْ تَقُوْلُوْا یَوْمَ الْقِیٰمَةِ اِنَّا كُنَّا عَنْ هٰذَا غٰفِلِیْنَ اَوْ تَقُوْلُوْۤا اِنَّمَاۤ اَشْرَكَ اٰبَآؤُنَا مِنْ قَبْلُ وَكُنَّا ذُرِّیَّةً مِّنْۢ بَعْدِهِمْ اَفَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ الْمُبْطِلُوْنَ (اے پیغمبر لوگوں کو وہ وقت بھی یاد دلاؤ) جب تمہارے پروردگار نے بنی آدم سے یعنی اُن کی پیٹھوں سے اُن کی نسلوں کو باہر نکالا اور اُن کے مقابلے میں خود انہیں کو گواہ بنایا (اس طرح پر کہ ان سے پوچھا) کیا میں تمہارا پروردگار نہیں ہوں سب بولے ہاں ہم (اس بات کے) گواہ ہیں (اور یہ اس غرض سے کیا ہے کہ ایسا نہ ہو) کہیں قیامت کے دن تم کہنے لگو کہ ہم تو اس بات سے بے خبر ہی رہے (یعنی کسی نے ہم کو جتایا بتایا نہیں) یا کہنے لگو کہ شرک ابتدا میں تو ہمارے بڑوں نے کیا اور ہم انہیں کی اولاد تھے (کہ) ان کے بعد دنیا میں آئے جیسا بڑوں کو دیکھا ہم بھی ویسا ہی کرنے لگے) تو (اے خدا) کیا تو ہم کو اُن لوگوں کے جرم کی پاداش میں ہلاک کئے دیتا ہے جنہوں نے (پہلے) غلطی کی ۱۲

تم سے کوئی بات کرنی چاہتا نہیں ایک حدیث کا مطلب تم سے بیان کرتا ہوں اس کا ایک بڑا حصہ غیر متعلق معلوم ہوگا مگر میں اُس پر بعض ضروری باتیں متفرع کرونگا وہ حدیث سفر حدیبیہ کے متعلق ہو کہ ہجرت کے چھٹے برس جناب رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرے کے لیئے مکے جانا چاہا قریب پونہچے تو ملے بدیل بن ورقا خزاعی اور بنی خزاعہ پیغمبر صاحب کے بڑے دلی دوست تھے۔ بُدیل نے کہا کہ آپ مکے جاتے تو ہیں مگر قریش آپ کو نہیں آنے دیں گے اور لڑائی ہو پڑے گی۔ اُن کی طرف سے خالد بن ولید کچھ آدمی لے کر آپ کی ٹوہ میں نکلے بھی ہیں پیغمبر صاحب نے فرمایا کہ ہم کو تو کسی سے لڑنا بھڑنا منظور نہیں صرف زیارتِ کعبہ کا ارادہ ہے۔ تم قریش کو جا کر سمجھاؤ کہ اُن کو بھی آئے دن کی خانہ جنگیوں نے توڑ دیا ہو اور ہم بھی دوسرے قبائل کے ساتھ صلح وجنگ رکھتے ہیں۔ بہتر ہے کہ ہم میں اور اہل قریش میں چندے جنگ ملتوی رہے کہ ہم دونوں فریق ذرا سمٹ لیں پھر دیکھی جائے گی۔ چنانچہ بدیل گئے اور اُنھوں نے قریش کو اطلاع دی۔ بعض سنتے کے ساتھ بگڑے مگر بدیل نے سمجھایا کہ محمد کچھ بے جا بات نہیں کہتے اس میں اُن کا تمہارا دونوں کا فائدہ ہے۔ بمشکل بدیل نے عروہ بن مسعود کو اپنا ہم خیال کیا۔ عروہ کے کہے سنے سے قریش میں جو صاحب الرائے تھے نرم پڑے اور عروہ کو سفیر بنا کے بھیجا۔ عروہ نے پیغمبر صاحب کو سمجھایا کہ تم کو اپنی قوم سے لڑنا مناسب نہیں اور یہ ٹکڑ گدے جو تمہارے ساتھ ہو لیئے ہیں ان کا اعتبار نہ کرنا وقت پڑے گا تو یہ لوگ دم دبا کر بھاگیں گے۔ جس وقت عروہ نے یہ بات کہی حضرت ابو بکرؓ کو موجود تھے بہت برا لگا اور اُنھوں نے عروہ کو موٹی سی گالی دی مگر عروہ پر ابو بکرؓ کا ایک احسان بھی تھا۔ عروہ پی گیا۔ اور جس وقت عروہ پیغمبر صاحب سے باتیں کرتا تھا تو بار بار پیغمبر صاحب کی ڈاڑہی کو ہاتھ لگاتا جاتا تھا مغیرہ بن شعبہ جو پیغمبر صاحب کے پس پشت کھڑے تھے جب جب عروہ پیغمبر صاحب کی ڈاڑہی کو ہاتھ لگاتا مغیرہ تلوار سے اُس کے ہاتھ کو جھٹک دیتے۔ اور ایک واقعہ ان مغیرہ کو پیش آیا تھا کہ یہ کچھ لوگوں کے ساتھ کہیں سفر میں نکلے تھے مغیرہ نے رستے میں ساتھیوں کو مار ڈالا اور اُن کا مال ومتاع چھین لیا اور مسلمانوں میں آملے۔ یہ واقعہ عروہ کو معلوم تھا تو جب مغیرہ نے کئی بار ہاتھ اُس کا جھٹکا تو عروہ نے پوچھا کہ یہ کون شخص ہو اور جب معلوم ہوا کہ مغیرہ ہی تو اُس نے کہا کہ

اے غدار میں تیری بھلائی میں کوشش کر رہا ہوں اور تو مجھکو جھڑکتا ہے عروہ نے مغیرہ کو غدار کہا تھا اور وہ بھی مبالغے کا ایک وزن ہے اسی لیے میں نے غدار کہا اس خاص بات کی نسبت فرمایا اَمَّا الْاِسْلَامُ فَاَقْبَلُ وَاَمَّا الْمَالُ فَلَسْتُ مِنْهُ فِیْ شَیْءٍ[۱] ابھی حدیث باقی ہے اور میں اُس کو آگے چل کر تمام کرونگا یہاں مجکو اتنا ہی کہنا مقصود ہے کہ مغیرہ نے جو اپنے رفیقانِ سفر کو دغا سے مار ڈالا عروہ نے اُس کو غدار کہا اور پیغمبر صاحب نے بھی اُس مال کو جو مغیرہ نے غدر سے چھینا تھا رد کر دیا اس سے ثابت ہوا کہ مطلق سفر کی رفاقت بھی ایک عہد ہے چنانچہ صاحبِ قسطلانی - اَمَّا الْمَالُ فَلَسْتُ مِنْهُ فِیْ شَیْءٍ پر لکھتے ہیں - اَیْ لَا اَتَعَرَّضُ لَهٗ لِکَوْنِهٖ اَخَذَہٗ غَدْرًا لِاَنَّ اَمْوَالَ الْمُشْرِکِیْنَ وَاِنْ کَانَتْ مَغْنُوْمَةً عِنْدَ الْقَهْرِ فَلَا یَحِلُّ اَخْذُهَا عِنْدَ الْاَمْنِ فَاِذَا کَانَ الْاِنْسَانُ مُصَاحِبًا لَهُمْ فَقَدْ اَمِنَ کُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا صَاحِبَهٗ فَسَفْکُ الدِّمَاءِ وَاَخْذُ الْاَمْوَالِ عِنْدَ ذٰلِکَ غَدْرٌ وَالْغَدْرُ بِالْکُفَّارِ وَغَیْرِهِمْ مَحْظُوْرٌ[۲] پس رفاقتِ سفر سے عہد لازم آیا تو کیا اتنی لمبی رفاقت سے کہ پشتیں انگریزوں کی عملداری میں گزر گئیں اور جتنی پشتیں گزر گئیں اُن سے وہ چند صد چند نسلیں گزرنے والی ہیں کیا اتنی لمبی رفاقت سے بھی مسلمانوں میں اور انگریزوں میں عہدِ امن نہیں مانا جائے گا - بہر کیف میں سمجھتا ہوں کہ عہدِ امن کا ہم مسلمانوں اور انگریزوں میں ہونا از روئے اسلام ثابت ہے جس سے اپنے پرائے کسی کو بھی انکار ہو نہیں سکتا - اب رہا ایفائے عہد اُس کی تاکید قرآن میں جابجا پائی جاتی ہے - ایفائے عہد کے بارے میں سب سے زیادہ صاف حکم جو ہے اور جو ہماری روداد سے زیادہ تعلق رکھتا ہے سورۂ انفعال کا آخری رکوع ہے جو ہمارے تعلقات کو اُن مسلمانوں کے ساتھ جو دوسری عملداری میں ہیں صاف طور پر ظاہر کرتا ہے - مسلمانوں نے جب اپنی سلطنت مدینے میں قائم کی تو اُن کی قرابتیں قبائل

---

[۱] اسلام تو مقبول ہے رہا مال اُس میں سے کچھ نہیں لے گا - ۱۲ [۲] یعنی مال سے متعرض نہو اس لیے کہ اس کو فریب سے لیا ہے - اس واسطے کہ مشرکوں کا مال امن کے وقت میں اگر انسان اُن کا مصاحب ہو حلال نہیں - اگر زبردستی چھینا گیا ہو کیوں کہ ایسی حالت میں ہر ایک اپنے ساتھی سے امن میں ہے - پس اس وقت خونریزی کرنی اور مال چھیننا بے وفائی ہے اور بے وفائی کفار سے بھی منع ہے ۱۲

عرب کے ساتھ مشترک تھیں اور اُن میں سے بعض کے ساتھ صلح تھی اور بعض کے ساتھ لڑائی اور ایسی مثالیں کثرت سے تھیں کہ مسلمان کافروں کی عملداری میں تھے اور وہاں سے نکل نہیں سکتے تھے اور وہ اُمید رکھتے تھے کہ مدینے سے مسلمانوں کی مدد کو کھڑے ہوں گے تو خدا نے اس کا فیصلہ کر دیا کہ مسلمانوں کو اپنے مسلمان بھائیوں کی جو کافروں کی عملداری میں گھرے ہوئے ہیں کہاں تک مدد کرنی چاہیئے تو اس صورت کے لیے فرماتے ہیں۔ اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ یُهَاجِرُوْا اِلٰی آخِرِہٖ[۵] تو صورت مسئلہ یہ ہے کہ ایک جگہ مسلمانوں کی سلطنت ہے اور چند مسلمان ہیں جو کافروں میں گھرے ہوئے ہیں اور وہ اپنے مسلمان بھائیوں سے جن کی سلطنت ہے مدد کے خواستگار ہیں تو ان سلطنت والے مسلمانوں کو کہاں تک اُن کی مدد کرنی چاہیئے فرمایا وَاِنِ اسْتَنْصَرُوْكُمْ فِی الدِّیْنِ فَعَلَیْكُمُ النَّصْرُ اِلَّا عَلٰی قَوْمٍۢ بَیْنَكُمْ وَبَیْنَهُمْ مِّیْثَاقٌ اس میں دو باتوں پر غور کرنا چاہیئے ایک یہ کہ امورِ دین میں مدد مانگیں دنیاوی امور میں نہیں۔ دوسرے یہ کہ مدد دی جائے مگر اُن لوگوں کے مقابلے میں نہیں جن کے ساتھ مسلمانوں کا عہد و پیمانِ صلح ہے۔ ذرا اصل مطلب سے اور قریب آؤ تو صورتِ مسئلہ یہ ہو گی کہ فرض کرو سلطانِ روم یا امیر کابل ہم مسلمانانِ ہند سے خواستگارِ مدد ہوں تو ہم مسلمانانِ ہند کو کیا کرنا چاہیئے قرآن بتاتا ہے کہ اگر امورِ دین میں مدد مانگیں تو ہم پر مدد کا دینا لازم ہے مگر انگریزوں کے مقابلے میں نہیں کیوں کہ ہم سے اِن سے عہدِ امن ہے اور یہ مسئلہ مبنی ہے اس پر کہ ہم مدد دینے کے قابل ہوں بھی سو فوجی مدد تو ہم سے ہو ہی نہیں سکتی۔ ہاں مالی مدد ہم لوگ کر سکتے ہیں تو اُس کی بھی

---

[۵] پوری آیت یہ ہے اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ یُهَاجِرُوْا مَا لَكُمْ مِّنْ وَّلَایَتِهِمْ مِّنْ شَیْءٍ حَتّٰی یُهَاجِرُوْا وَاِنِ اسْتَنْصَرُوْكُمْ فِی الدِّیْنِ فَعَلَیْكُمُ النَّصْرُ اِلَّا عَلٰی قَوْمٍۢ بَیْنَكُمْ وَبَیْنَهُمْ مِّیْثَاقٌ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ۔ ترجمہ جو لوگ ایمان تو لے آئے مگر ہجرت نہیں کی تو تم مسلمانوں کو اُن کی وراثت سے کچھ تعلق نہیں یہاں تک کہ ہجرت کر کے تم میں (نہ) آملیں ہاں اگر دین (کے بارے) میں تم سے طالب مدد ہوں تو تم کو اُن کی مدد کرنی لازم ہے مگر اُس قوم کے مقابلے میں نہیں کہ تم میں اور اُن میں (صلح کا) عہد (و پیمان) ہو اور جو کچھ بھی تم کرتے ہو اللہ اُس کو دیکھ رہا ہے ۱۲

ممانعت قرآن سے نکلتی ہو۔ الغرض انگریزوں کے ہم مسلمانانِ ہند پر اتنے حقوق ہیں کہ وہ اہلِ کتاب ہیں اور ہم اُن کے ساتھ عہدِ امن رکھتے ہیں اور تیسری بات یہ ہو کہ اُن کی حکومت حکومتِ صالحہ ہو افسوس یہ ہو کہ انسان کی طبیعت ہی کچھ احسان ناشناس واقع ہوئی ہو۔ وَقَلِيلٌ مِّنْ عِبَادِيَ الشَّكُورُ[۵۱] اور دوسری جگہ فرمایا ہو اِنَّ الْاِنْسَانَ لَكَفُورٌ[۵۲] جو نعمتیں ہم مسلمانوں کو اس عملداری میں حاصل ہیں حق قدر رہا ہم اُس کی قدر نہیں کرتے۔ کچھ شک نہیں کہ جتنا فائدہ ہم اِس عملداری میں حاصل کر سکتے ہیں ہم اس کے بڑے حصے سے محروم ہیں اور محروم ہیں تو اپنی کوتاہی سے اپنی غفلت سے اپنی غلط فہمی سے ۵

| | | |
|---|---|---|
| عام ہیں اُس کے تو الطاف شہیدی سب پر | | تجھ سے کیا ضد تھی اگر تو کسی قابل ہوتا |

اگرچہ ہند کی آب و ہوا بھی کاہلی پیدا کرتی ہو۔ مگر سوچا جائے تو کاہلی کو اونگھتے کو ٹھیلتے کا بہانہ "مذہبی غلط فہمیوں نے بھی دوڑتوں کو چلتا ہوا۔ چلتے ہوؤں کو کھڑا ہوا اور کھڑے ہوؤں کو بیٹھا ہوا اور بیٹھے ہوؤں کو لیٹا ہوا بنا دیا ہو۔ آج میرا اصل مقصد یہی ہو کہ ہمارے اور انگریزوں کے تعلقات میں جو مذہبی غلط فہمیاں ہیں اُن کو دور کروں۔ تو لاؤ اُس ایفائے عہد کی بات کو پورا کریں اور وہ پوری ہو گی حدیبیہ کی حدیث کے پورے ہونے سے۔ میں نے اُس کو چھوڑا اُس جگہ جب کہ وہ عروہ بن مسعود اہلِ مکّہ کی طرف سے آئے خیر تو وہ کچھ کہہ سُن کر کے واپس گئے اور صلح کرانے والوں کا قاعدہ ہوتا ہو کہ فریقین کو دباتا ہو۔ عروہ نے ادھر جناب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو پس و پیش سوجھایا کہ تم کو اپنی قوم سے لڑنا مناسب نہیں اور تم اُن کی مقاومت نہیں کر سکو گے اور ادھر اہلِ مکّہ کو جا کر سمجھایا کہ میں نے قیصر اور کسریٰ کے دربار بھی دیکھے ہیں مگر محمدؐ کے اصحاب جس قدر اُس کا ادب کرتے اور اُن سے محبت رکھتے میں نے کسی بادشاہ کی فوج میں یہ بات نہیں دیکھی اُن کے ادب کا تو یہ حال ہو کہ محمدؐ کے ساتھ آنکھیں میں آنکھیں ڈال کر بات نہیں کرتے۔ جب محمدؐ کچھ کہتے ہوتے ہیں تو یہ خاموش بیٹھے سنتے ہیں اور محبت کا یہ رنگ ہو کہ محمدؐ کے وضو کے پانی کو تبرّکاً موہنوں پر ملتے ہیں اور اُس کے لینے کے لیے

[۵۱] اور ہمارے بندوں میں (بہت ہی) تھوڑے (بندے) شکر گزار ہوتے ہیں ۱۲ [۵۲] کچھ شک شبہ نہیں کہ انسان بڑا ناشکرا ہو ۱۲

اُن کی آپس میں چھین جھپٹ ہوتی ہو تو اے اہل مکہ ایسے شخص کے مقابلے میں تم کیا ٹھہر سکو گے؟ عروہ کے اونچ نیچ دکھانے سے قریش بھی کچھ ڈھیلے ہوئے اور پہلے مکرز کو اپنا وکیل بنا کر بھیجا۔ اس شخص کے نام سے جناب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تشاءم کیا وہ بھی اپنی سی کہہ سن کر چلتا بنا اُس کے بعد آئے سہل بن عمرو اور آپ نے اِن کا نام سنتے ہی فرمایا کہ اب انشاء اللہ آسانی سے صلح ہوجائے گی۔ صلح میں جو جھگڑے پیش آئے اُن کا بیان کرنا موجب طوالت ہے۔ زبانی بات چیت ہو کر صلح نامہ لکھے جانے کو تھا کہ خود سہل کا بیٹا ابوجندل زنجیروں میں جکڑا ہوا فریاد کرتا ہوا آپہنچا۔ ابوجندل اسلام لاچکا تھا اور اُس کے باپ سہل نے اُس کو قید کر رکھا تھا اور مسلمانوں کی طرف نہیں آنے دیتے تھے۔ ابوجندل کو آتا دیکھ سہل نے کہا۔ ھٰذا یا محمدؐ اوّل ما اُقاضیک علیہ یعنی بات تو یہ ٹھہری تھی کہ دوران صلح میں اہل مکہ میں سے کوئی مسلمان مسلمانوں کی طرف جانا چاہے تو اس کو واپس کردیا جائے اس زبانی ٹھہراؤ کی بنیاد پر سہل نے کہا کہ پہلی صورت تو یہی پیش آئی ہے کہ ابوجندل تم میں بھاگ کر آیا ہے اس کو واپس دو جناب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اِنّا لم نقضِ الکتاب بعدُ یعنی ابھی صلح نامہ لکھا نہیں گیا تو شرائط صلح نامہ کی تعمیل پر ہم کو کیوں مجبور کیا جاتا ہے سہل بولا۔ اذاً واللہ لا اُصالحک علیٰ شیءٍ ابداً اس بات پر جناب رسالت مآب نے ابوجندل کو حوالے کردیا اور اُس کو سمجھایا کہ بھائی صبر کر خدا تجھ کو اس کا اجر دے گا اور تیری نجات کا کوئی سامان بھی مہیا کرے گا۔ دیکھا ایفائے عہد ایک مسلمان کو زنجیروں میں جکڑا ہوا روتا پیٹتا چلاتا کافروں کے ہاتھ میں دے دیا۔ صرف اتنی بات پر کہ مونہ سے کہہ چکے تھے۔ ہمارا برتاؤ ظاہر کرتا ہے کہ پیغمبر صاحب کو مسلمانوں کا ہماری برابر بھی درد نہ تھا۔ وھٰذا الکفر بعینہٖ عظیمۃ دوسری بات اسی صلح کے متعلق یہ ہے کہ صلح کے منعقد ہوئے پیچھے قریش میں کا ایک شخص ابوبصیر مسلمانوں میں آملا شرائط صلح کے مطابق قریش نے دو آدمی اس کے لینے کو بھیجے پیغمبر صاحب نے بے عذر ابوبصیر کا ہاتھ پکڑا دیا ابوبصیر بہتیرا گڑگڑاتا رہا مگر ایک نہ سنی۔ دیکھا ایفائے عہد۔ اب پیغمبر صاحب کے ایفائے عہد کو اپنے ایفائے عہد کے ساتھ ملا کر دیکھو کہ کیا وہ کرتے تھے اور ہم کیا کر رہے ہیں۔ بات یہ ہے کہ مسلمانوں کو خود اپنے دین کی

خبر نہیں اور جہالت ہو کہ ان کی دین و دنیا دونوں کو تباہ کیے چلی جا رہی ہو۔ دینی جہالت کو دیکھا کہ اپنے پیغمبر کے افعال و اقوال کی خبر نہیں دنیا کی جہالت کا یہ حال ہو کہ نہ جغرافیہ جانتے ہیں نہ تاریخ کی خبر ہو نہ انگریزوں کی اصلی قوت کا علم ہو۔ میں کسی قدر تجارت سے بھی تعلق رکھتا ہوں اور اُس تجارت میں ایک مشین بھی ہو جس کے دیکھنے کا اکثر مجکو اتفاق ہوتا رہتا ہو۔ جب جب میں اُس مشین کو دیکھتا ہوں پہلا خیال جو آتا ہو یہ ہوتا ہو کہ نہ ہمارے سو نہ ہزار اور نہ انگریزوں کا ایک۔ یہ ہندی لوگ گاؤزوری اور بھیڑ بھڑکّے کی بڑی قوت سمجھتے ہیں اور اب اصلی قوت علم کی ہو۔ اور یہ علم سے بے نصیب۔ انگریزوں کی حکومت اگر حکومتِ صالحہ نہ بھی ہوتی تاہم مستامن ہونے کی حیثیت سے ان کی خیر خواہی اور اطاعت ہمارا فرض اسلامی ہوتا فکیف جبکہ امن و آسایش اور آزادی کے اعتبار سے ہمارے حق میں خدا کی رحمت ہو۔ ہم اپنی عملداری میں بھی ایسے فارغ البال نہیں رہے جیسے اب ہیں۔ پنجاب میں ابھی تک ایسے لوگ موجود ہیں جو پچھلی عملداری کی بدنظمیوں کا علمِ ذاتی رکھتے ہیں۔ سکھا شاہی حکومت کی کیا خصوصیت ہو سارے ہندوستان میں بدانتظامی کی آگ لگی ہوئی تھی اور اگر انگریز نہ آتے تو ہم کبھی کے آپس میں کٹ مرے ہوتے۔ لنڈن ٹائمز میں ایک مضمون نظر سے گزرا تھا وہ مختصر طور پر ہندوستان کی حالتِ سابقہ کا مقابلہ کرتا ہو۔ اور انگریزوں کی طرف سے ناقل ہو۔

"جس وقت ہم نے ہندوستان کو اپنے قبضہ میں لیا تو اس کو تمام مشرقی بدتمیزیوں کا انبار پایا بیرونی حملوں سے غیر محفوظ اور متواتر اندرونی خانہ جنگیوں کی بلا میں مبتلا۔ کمزور سلطنتوں کی طوائف الملوکی میں منقسم جن کی حدود ہمیشہ جگہ سے سرکی رہتی تھیں اور حکمران خاندان ہمیشہ ظاہر و غائب ہوتے رہتے تھے۔ ایک مذہب دوسرے مذہب سے لڑتا تھا اور ایک قوم دوسری قوم سے۔ رشوت ستانی اور ظلم و بیداد تمام اطراف میں شائع تھا اور اُس کے برے نتائج ہر جگہ ہویدا۔ وبا اور قحط تھوڑے عرصہ میں ملک کو اس طرح برباد کر دیتے تھے کہ اس زمانے میں اُس کا تصور بھی ممکن نہیں۔ جان و مال کسی جگہ محفوظ نہ تھے اگرچہ بدنظمی جملہ اصنافِ مردم پر شاق گزرتی تھی مگر خصوصاً

غریب اور جاہل آدمی جیسا کہ ہمیشہ کا دستور ہو اس کے بوجھ میں کچلے جاتے تھے۔ ہندوستان کی تاریخ میں یہ پہلا واقعہ ہو کہ ہم نے اس کو بیرونی دشمنوں کے حملوں سے محفوظ کیا اور نیز یہ پہلا واقعہ ہو کہ ہم نے ہندوستان کی حدود کے اندر امن وانتظام قائم کیا۔ ایک بااقتدار رئیس سے لے کر ایک ادنیٰ درجے کے دیہاتی اور کمین تک ایک منصفانہ اور مستحکم اور دانشمندانہ قانون کی رو سے بالمساوات قابض ہیں۔ تناقص اور متضاد مذاہب کی باہمی نفرت اور عناد کو حکومت کے مضبوط اور منصفانہ ہاتھ نے بزور زیر کر رکھا ہو۔ بجائے اس کے کہ ہندوستانی خودمختار رئیس اپنے اختیارات کو مطلق العنانی سے عمل میں لاتے تھے اب ملک داری کا ایک طریقہ ہو جو بے انصافی سے بالکل پاک ہو۔ اور عاقلانہ اصول پر قائم کیا گیا ہو۔ جو لوگ زمام حکومت اپنے ہاتھ میں رکھتے ہیں۔ اگر اپنی قوت اور تن درستی بلکہ بعض اوقات اپنی جان بھی باشندگان ہند کی بہبود اور فلاح کے لئے صرف کر دیتے ہیں تو کم سے کم اُن کے واسطے وجہ تسلی بھی ہو کہ اپنی جانفشانی کے نتائج ان کو اپنے چاروں طرف نظر آتے ہیں"

جس نے ہندوستان کی تاریخ پڑھی ہو وہ اور جس نے ملکی حکومت دیکھی ہو وہ اس کے ایک حرف سے اختلاف نہیں کر سکتا۔ یہ عام حالات ہیں اور اگر ریل اور تار اور نہر اور شفاخانے اور مدرسے اور ڈاک انتظام کی مجموعی حالات پر نظر کی جائے تو سمجھ میں نہیں آتا کہ اس سے بہتر اور کیا انتظام ہو سکتا ہو وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا[1] پھر ایک حدیث ہو۔ تَخَلَّقُوْا بِاَخْلَاقِ اللّٰهِ یعنی خدا کی سی عادتیں اختیار کرو سو اس کے یہ معنی تو نہیں ہیں کہ اُس کی طرح کی صفتیں بہم پہنچائیں۔ وہ جیسا اپنی ذات سے وحدہٗ لاشریک لہٗ ہو ویسا ہی وہ اپنی صفات سے بھی پس تَخَلَّقُوْا بِاَخْلَاقِ اللّٰهِ کے صرف یہ معنی ہیں کہ ابنائے جنس کے ساتھ ہم ویسا ہی برتاؤ کریں جیسا خدا کرتا ہو اُس کو سعدی علیہ الرحمۃ نے عمدہ طور پر بیان کیا ہو ؎

| | |
|---|---|
| اگر باپدر جنگ جوید کسے | پدر بیگماں خشم گیرد وبسے |

[1] اور اگر خدا کی نعمتوں کو گننا چاہو تو اُن کو پورا پورا گن نہ سکو۔ ۱۲

| | | | |
|---|---|---|---|
| وگر خویش راضی نباشد زخویش | | چو بےگان گانش براند زپیش | |
| وگر ترکِ خدمت کند لشکری | | شود شاہِ گردن کش از وی بری | |
| ولیکن خداوندِ بالا و پست | | بعصیان درِ رزق بر کس نہ بست | |

کل مذاہب حقانیت کے مدعی ہیں اور بے شک کوڑیوں اور سینکڑوں مذہبوں میں جو ہست و نیست کا اختلاف رکھتے ہیں ایک ہی بر سرِ حق ہو سکتا ہی۔ لیکن دنیاوی انتظام کے اعتبار سے کوئی سا مذہب بھی ہو خدا کے ساتھ اپنی خصوصیت نہیں دکھا سکتا۔ بس یہی قاعدہ ہم کو دنیا میں اختیار کرنا چاہیے۔ ہمدردی کے بھی مدارج ہیں وہ شروع ہوتی ہو نزدیکی قرابت داروں سے۔ پھر ہمسایوں میں پھر ہم وطنوں میں ترقی کرتے کرتے وہ تمام بنی نوع پر احاطہ کر لیتی ہو اور ؎

| | | | |
|---|---|---|---|
| بنی آدم اعضاے یکدیگر اند | | کہ در آفرینش زیک جوہر اند | |
| چو عضوے بدرد آورد روزگار | | دگر عضوہا را نماند قرار | |
| تو کز محنتِ دیگراں بے غمی | | نہ شاید کہ نامت نہند آدمی | |

اب ہم کو چاہیے کہ اپنی حالت کا موازنہ کر کے دیکھیں کہ تَخَلَّقُوْا بِاَخْلَاقِ اللّٰہِ کے اعتبار سے ہم کس درجے میں ہیں۔ یہی تَخَلَّقُوْا بِاَخْلَاقِ اللّٰہِ کا قاعدہ جیسا شخصی برتاؤ میں چلنا چاہیے یہی سلطنت کے حسنِ انتظام کا بھی مقیس علیہ ہو اور یہ ہو نیوٹریلٹی جس کا رنگ انگریزی حکومت کی بات بات میں جھلکتا ہی۔ الغرض جس جس پہلو سے دیکھا جاتا ہو تو انگریزوں کی اطاعت اور خیر خواہی ہمارا فرض مذہبی ہو اور مذہب سے قطع نظر بھی کرو تو[۱] خَلَّ اَعْلَمُ مَنْ اَنْتَ فِیْ کَهْفِهٖ مِنَ الْغَدْرِ وَالْحُرُّ لَا یَقْدِرُ بھلا اسلام جو مجموعہ مکارمِ اخلاق ہو۔ نفاق اور دغابازی سکھا سکتا ہو جو رذیل ترین اخلاق ہو انگریزوں کے بعد ہمارا معاملہ ہندوؤں کے ساتھ ہو کہ ہم اس ملک میں سالہاے دراز سے ان میں ایسے ملے جلے ہیں جیسے کھچڑی میں دال چاول۔ اور افسوس ہو کہ اب ان کا اور ہمارا اجتماع سوڈا اور ایسڈ کا اجتماع ہو گیا اور ہوتا جاتا ہو اور اصل سبب اگر تلاش کیا جائے تو وہی اختلافِ مذہب۔ تو اب ہمارا حال یہ ہو کہ نہ تو

[۱] اُس شخص کو دہوکا دینا جس کے امن میں تو ہو بے وفائی ہو اور شریفوں کا یہ کام نہیں۔ ۱۲

ہماری ہندوؤں سے بنتی ہو اور نہ عیسائیوں سے حالاں کہ ہندو ہمارے پشتہا پشت کے ہمسائے ہیں ایک جگہ رہنا ایک جگہ مرنا۔ نہ ہندوؤں کی بے ہمارے گزر سکتی ہو اور نہ ہماری بے ہندوؤں کے اور عیسائی تو ظاہر ہو کہ مگر مچھ ہیں اور ہم جھینگے ؎

| | | |
|---|---|---|
| اتنی بھی بد دماغی ہر خطرہ میرصاحب | | پر خاش ہو زمیں سے جھگڑا ہو آسماں سے |

میں خوب جانتا ہوں کہ مسلمان بھائی دل میں بُرا مان رہے ہوں گے کہ ہم ہی کو ملامت کیے چلا جارہا ہو اور اس کے نزدیک ہم ہی قصوروار ہیں۔ سو بھائیو قصور بے قصور کی بحث نہیں۔ میں لوگوں کو مسلمانوں سے کشیدہ دیکھتا ہوں اور اس کشیدگی کو مسلمانوں کے حق میں سخت مضر پاتا ہوں اور میں بھی مسلمانوں میں کا ایک ہوں اب مسلمانوں کی خیر خواہی کے مارے سمجھو تو اور دوسری قوموں کے ڈر کے مارے سمجھو تو میں تو ایک آن اس کشیدگی کا روادار نہیں۔ پھر اب تم سے نہ کہوں تو کس سے کہوں ہندوؤں کے سر ہوں وہ میری سُنیں گے۔ عیسائیوں سے عرض کروں وہ میری بات مانیں گے۔ پس بُرا مانو یا بھلا مانو میں کہوں گا اور تم ہی سے کہوں گا ؎

| | | | | | |
|---|---|---|---|---|---|
| | ہم با تو ستیزم ار ستیزم | | ہم در تو گریزم ار گریزم | | |

اچھی طرح سمجھے رہنا کہ آپس کی پھوٹ عیسائی مسلمان ہندو سب ہی کے حق میں بُری ہو عیسائیوں کو خدا نے حکومت دی ہو اور جو چیزیں سلطنت کے حق میں مضر ہیں وہ اُن کو ہم سے بہتر سمجھتے ہیں۔ خدا نے اُن کو ملک گیری کا سلیقہ دیا ہو تو ملک داری کا بدرجۂ اولیٰ۔ غرض یہ کسی کے سمجھانے کے محتاج نہیں۔ ہاں ہندوؤں اور مسلمانوں کی باہمی کشش دونوں کے حق میں بہت ہی بُری فال ہو۔ یہ جس قدر ایک دوسرے سے لڑتے ہیں اُسی قدر گورنمنٹ کی نظر سے گرتے جاتے ہیں۔ اذا تعارضا تساقطا۔ ایک پادری صاحب مجھ سے کہتے تھے کہ اسلام کے آدھے عیب مجکو سنیوں نے بتائے اور باقی شیعوں نے۔ یہی حال ہندو مسلمانوں نے لڑ جھگڑ کر اپنا کر لیا کہ گورنمنٹ کو کسی نیٹو پر پورا بھروسا نہیں۔ لوگ مذاہب کے اختلاف پر بڑا ہی تعجب ظاہر کیا کرتے ہیں۔ میں کہتا ہوں کہ

اس میں تعجب ہی کی کیا بات ہی۔ اصل میں انسانی طبیعتیں مختلف واقع ہوئی ہیں اور نہ صرف دو آدمی آپس میں اختلاف کرتے ہیں بلکہ ایک ہی شخص ایک ہی وقت کچھ سوچتا ہی اور دوسرے وقت کچھ۔ تعجب کی بات اگر ہی تو یہ ہی کہ لوگ اختلافِ مذہب کو مذہب کی حد میں محدود نہیں رکھتے لوگوں میں اگر مذہب ایک وجہ اختلاف ہی تو انسانیت ہم وطنی۔ ہمسائگی۔ لین دین وغیرہ بہت سی وجوہِ اتحاد والتیام بھی ہیں۔ تعجب ہی کہ لوگ کیوں مذہب کی ایک وجہ اختلاف کو اتنی قوت دیتے ہیں کہ وہ تمام وجوہِ اتحاد پر غالب آجاتی ہی۔ مذہب ایک اور صورت سے بھی نزاع و مخاصمت کی طرف منجر ہوتا ہی کہ جو مذہب عام ہیں اور اُن کا دروازہ ہر ایک کے لیے کھلا ہی جو چاہے داخل ہو جیسے اسلام یا عیسائیت ایسے مذہب کے لوگ ہمیشہ اپنے گروہ کی تکثیر کی فکر میں رہتے ہیں۔ مسلمان چاہتے ہیں کہ سب کو مسلمان بنالیں اور عیسائی چاہتے ہیں کہ سب کو عیسائی کرلیں اور دوسرے مذہب والے اس کو ایک طرح کی مداخلتِ بیجا سمجھ کر مقابلہ پیش آتے ہیں۔ اسلام کی حالت اس وقت اس قدر ضعیف ہو رہی ہی کہ جو لوگ پشتینی مسلمان ہیں انھیں کا سنبھالنا مشکل ہو رہا ہی ہم ہی کو پیٹ بھر کھانے کو نہیں ملتا ہم نئے مہمان بُلا کر کیا تو آپ کھائیں گے اور کیا اُن کو کھلائیں گے۔ ممکن ہی کہ ایک شخص کو سچائی نے تبدیلِ مذہب پر مجبور کیا ہو۔ لیکن جتنے لوگ میں نے تبدیلِ مذہب کرتے دیکھے اور اُن کا شمار اتنا زیادہ ہی کہ اس سے ایک عام نتیجہ قابلِ اطمینان نکالا جاسکتا ہی تو میں نے ہمیشہ تبدیلِ مذہب کا محرک بودا اور بے وقعت اور اکثر صورتوں میں قابلِ اعتراض پایا۔ الا ماشاء اللہ۔ ایک ہندو اسلام لاتا ہی تو یا تو خانہ داری کے تعلقات نے اُس کو بیدل کر دیا ہی اور وہ تبدیلِ مذہب کو ان بکھیڑوں سے نجات حاصل کرنے کا ذریعہ گردانتا ہی یا تبدیلِ مذہب جوشِ غضب ہی یا کسی طرح کی طمع۔ وہ جس مذہب سے نکلتا یا جس مذہب میں آتا ہی دونوں سے بے خبر ہی۔ وہ اپنی عمر کے کسی وقت میں بھی مذہبی آدمی نہیں رہا اُس کو مذہبوں میں محاکمہ کرنے کی لیاقت نہیں وہ شاید کم ذات کا آدمی ہی اور ہندوؤں میں اُس کی وہ وقعت نہیں کی جاتی جس کا وہ آرزومند ہی۔ اور اُس نے کسی سے۔ کُلُّ مُؤْمِنٍ اِخْوَۃٌ[۱] سن

---

[۱] سب مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں ۱۲

پایا ہو یا اُس نے مسلمانوں کو کُلُّ مُؤمِنٍ اِخْوَۃٌ کا آپس میں برتاؤ کرتے دیکھا ہو تو جس کا یہ حال ہو
کیوں کر باور کیا جا سکتا ہو کہ اُس کو سچائی نے تبدیلِ مذہب پر مجبور کیا ہو بلکہ وہ اُس ادنیٰ درجے کی
ہندنی کی طرح جو خصم سے لڑ کر کنوئیں میں کود پڑتی ہو مسجد میں آ کر اپنا ارادہ ظاہر کرتا ہو کہ مسلمان ہوتا ہوں
آن کی آن میں یہ خبر تمام نمازیوں میں مشہور ہوتی ہو اور سب کے سب اظہارِ مسرت کرتے ہیں خاص کر امامِ مسجد
کہ یہ کارِ نمایاں اُن کے نام سے اسلامی اخباروں اور رسالوں میں مشتہر ہوگا امیدوار کو غسل دیا
جاتا ہو اور جب تک غسل کرے کوئی دوپٹہ دیتا ہو کوئی کرتہ کوئی تہمد اُدھر وہ نہا دھو چکا اور اِدھر خلعتِ
اسلامی اُس کو پہنایا گیا امام صاحب نے کلمے کے الفاظ اُس کو تلقین فرمائے جیسے طوطے کو پڑھایا جاتا
ہو حق اللہ پاک ذات اللہ صحیح تو خدا اور خدا کا رسول غافل نہ ہو خدا کو نہ بھول شیخ عبداللہ نام رکھا گیا اور
لوگ ہیں کہ کوئی مصافحہ کرتا ہو اور کوئی معانقہ اور ہر طرف سے مبارکبادیں دی جا رہی ہیں اب دعوتوں
کی بھرمار شروع ہوئی اور بہت سے بہت ایک ہفتہ نومسلم صاحب کا بڑی آؤ بھگت میں گزرا اور پھر
کس نمی پرسد کہ بھیا کون ہو۔ پاؤ ہو یا ڈیڑھ ہو یا پون ہو۔ اب نومسلم صاحب کا ہاتھ ہو اور خان نجم الدین
کا دامن۔ خان صاحب ہیں کہ اُس کو ساتھ لیے دربدر بھیک مانگتے پھرتے ہیں۔ میں کیا کروں
تبدیلِ مذہب کا مضمون میری سمجھ ہی میں نہیں آتا۔ مذہب کو بھی ایک طرح کی جائداد سمجھو جو بڑوں
سے چھوٹوں کی طرف منتقل ہوتی چلی آتی ہو۔ قسم کھانے کی بات ہو کہ ہندو کا بیٹا بڑا ہو کر ہندو ہوگا
مسلمان کا مسلمان۔ عیسائی کا عیسائی۔ لڑکے بڑے ہو کر اکثر تو دنیا کے کاروبار میں مشغول ہو جاتے
ہیں اور اُن کو مذہب کی طرف متوجہ ہونے کی نہ فرصت ہوتی ہو اور نہ شوق۔ قدرِ قلیل جو مذہب کی
پروا کرتے ہیں وہ اکثر تو رسم و عادات کے طور پر مذہب کو نباہتے رہتے ہیں یہ بات اُن کے خیال
ہی میں نہیں آتی کہ مذہب بھی محتاجِ تحقیق ہو۔ ہزاروں میں شاید ایک آدھ آدمی ایسا بھی ہوتا ہو جو
مختلف مذہبوں میں ایک رائے پیدا کرنی چاہتا ہو مگر ایسے سو آدمیوں میں آخر کار ننانوے کا رجحان
اُسی مذہب کی طرف کو ہوگا جس میں پیدا ہوئے تھے اگر اُن کو شبہات عارض بھی ہوں گے تو وہ
اُن کی من سمجھوتی تاویل کر لیں گے مگر رہیں گے اُسی آبائی مذہب میں۔ انسان کا دل ہی کچھ اس

طرح کا بنایا گیا ہے خُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِیْفًا[۵۱] کہ پسندیدگی اور ناپسندیدگی کا نقش جو فی اوائل العمر دل میں بیٹھ جاتا ہے پھر کچھ بھی کرو نہیں مٹتا نہیں مٹتا۔ پس سچائی کے ساتھ تبدیلِ مذہب ایک واقعہ نادر الوقوع ہے۔ وَالنَّادِرُ کَالْمَعْدُوْمِ[۵۲] میرا مقصد ہرگز نہیں کہ اسلام جس میں تعمیم ہے اور جس کے دروازے کھلے ہوئے ہیں جس کا جی چاہے داخل نہ ہو۔ مسلمان اس کی اشاعت بند کریں۔ اشاعت کا تو میں بڑے زور سے طرفدار ہوں مگر ہاں میں اسی کو اشاعت کا مناسب پیرایہ سمجھتا ہوں کہ ہم مسلمان سچے اسلام کی کیفیت سے متکیف ہو کر لوگوں کو اپنا نمونہ دکھائیں۔ لوگ اگر ہم میں اچھائی دیکھیں گے تو آج ہی نہیں تو کل اور کل نہیں تو پرسوں خود بخود ہمارا کلمہ بھرنے لگیں گے مگر جیسے ہم اب ہیں یہ لچھن تو لوگوں کو بھڑکانے کے ہیں نہ پرچانے کے۔ دھکے دینے کے ہیں نہ بلانے کے۔ اسلام کو ہونا چاہیئے آسان اور وہ ہو رہا ہے مشکل۔ اُس کو ہونا چاہیئے امن اور سازگاری اور صلح کاری اور سکون اور عافیت اور وہ ہو رہا ہے غل غپاڑہ اور شوروشغب اور جھگڑا اور کشمکش۔ غرض اسلام کو ہونا چاہیئے کچھ اور وہ ہو رہا ہے کچھ میں تو اس کا سبب یہی سمجھا ہوں کہ مسلمانوں نے قرآن کو چھوڑ رکھا ہے نہ سمجھتے ہیں اور نہ سمجھنے کا قصد کرتے ہیں۔ میں تو بے سمجھے لفظوں کے پڑھ لینے کو سمجھنا سمجھتا نہیں۔ لَا یَعْلَمُوْنَ[۵۳] الْکِتٰبَ اِلَّآ اَمَانِیَّ وَاِنْ ھُمْ اِلَّا یَظُنُّوْنَ اگرچہ مسلمان کو قرآن کے بدون نہ جینا درست اور نہ مرنا روا اور مسلمان کھانے میں پینے میں۔ اُٹھنے میں۔ بیٹھنے میں۔ سونے میں۔ جاگنے میں۔ چلنے میں۔ پھرنے میں لینے میں دینے میں ہمہ وقت قرآن کی ہدایت کا محتاج ہے مگر فہمِ قرآن پر زور دینے سے اس وقت میرا مطلب صرف اسی قدر ہے کہ مسلمانوں میں اور حکامِ وقت میں اور مسلمانوں میں اور ہندوؤں میں جو بدگمانیاں پیدا ہو گئی ہیں دور دفع ہوں ایمان کی بات تو یہ ہے کہ انگریزوں کی عملداری میں ہمیں کسی طرح کی تکلیف تو ہے نہیں بلکہ پچھلی عملداریوں سے مقابلہ کرتے ہیں تو اور دوسری ہمعصر عملداریوں سے ملا کر دیکھتے ہیں تو یہ آسایش اور یہ آزادی نہ کسی کو پہلے نصیب ہوئی اور نہ کسی کو اب نصیب ہے

---

۵۱ انسان خلقۃً کم زور پیدا کیا گیا ہے ۱۲ ۵۲ اور شاذ و نادر کی گنتی نہیں ہوا نہ ہوا برابر ۱۲ ۵۳ جو ٹر (مونہہ سے لفظوں) کے) پڑ پڑا لینے کے سوا کتاب (الٰہی کے مطلب) کو (کچھ بھی) نہیں سمجھتے وہ فقط خیالی تکے چلایا کرتے ہیں اور بس ۱۲

بہرکیف ایمان کی بات تو یہ ہو کہ انگریزوں کی عملداری میں ہم کو کسی طرح کی تکلیف تو ہی نہیں - اور کچھ تکلیفیں ہیں بھی تو اکثر ناحق او عائی "ہر دم آزردگیِ غیر سبب را چہ علاج" اور جو واقعی ہیں تو اُن کی بلا خود ہماری لائی ہوئی ہو - ؎

| | |
|---|---|
| ہرچہ ہست از قامتِ ناسازِ بے اندامِ ماست | ورنہ تشریفِ تو بر بالائے کس کوتاہ نیست |

اور سرے سے عملداری ہی ناگوار ہو اور ان موؤں کے نام ہی بُرے معلوم ہوتے ہیں تو اس کا علاج ہو اِنِ اسْتَطَعْتَ اَنْ تَبْتَغِیَ نَفَقًا فِی الْاَرْضِ اَوْ سُلَّمًا فِی السَّمَاءِ اور جب نہ زمین میں سرنگ لگا سکتے اور نہ آسمان میں سیڑھی یعنی انگریزوں کا بال بھی تو بیکا نہیں کر سکتے تو بھلا یہ بھی کوئی زندگی ہو کہ دریا میں رہو اور مگرمچھ سے بَیر - تم ان سے نامطمئن یہ تم سے بدگمان - مانا کہ اس انقباض کی حالت میں انگریز تم کو ایذا نہ دیں جیسا کہ نہیں دیتے اور میں ذمہ دار ہوں کہ نہیں دیں گے تاہم فرشتے تو نہیں ہیں ہیں تو آدمی تو انقباض کی حالت میں ایذا نہ بھی دیں تاہم فائدے کے پونہچانے میں تو ضرور بخل اور مضایقہ کرنے لگیں گے بلکہ کھلایا پلایا اُگلوالیں تو عجب نہیں اور ہم تو اتنے ہی میں مرلیے سنہ ۱۸۵۷ء میں ایک مرتبے نادانی کی اُس کا ایسا خمیازہ بھگتا کہ کوئی ہم دلّی والوں کے دل سے پوچھے جو لوگ حاکموں کے مزاج شناس تھے بہتیرا سمجھایا کیے کہ حاکموں کے مزاج کا ٹھکانا نہیں ہوتا - گھڑی میں تولہ گھڑی میں ماشہ "وو گاہے بسلامے برنجند و گاہے بدشنامے خلعت بہ بخشند" ان کے لطف و عنایت پر نہ جانا اور اپنی حد سے پاؤں باہر نہ رکھنا مگر نا عاقبت اندیش لوگ کب سُنتے تھے سنہ ستاون میں ہتیار رکھا لیے گئے سنہ ستانوے میں حکم ہوا قلم بشکن سیاہی ریز کاغذ سوز دم درکش - انگریزوں میں جو لوگ فیاض دل سیرچشم عالی حوصلہ ہیں چاہتے ہیں کہ ہندوستانیوں کو وہی حقوق دیئے جائیں جو اہل یورپ کو حاصل ہیں ویسی ہی آزادی ہو اُسی طرح کی مطلق العنانی ہو مگر آزادی اور مطلق العنانی کا کیا مذکور ہو یہاں تو ڈھیل بھی سازگار نہیں "وو پدر را شہد بسیار ست مگر پسر گرمی وارست" پورا ایچاسہ بھی نہیں گزرنے پاتا کہ بیٹھے بٹھائے خدا جانے کسی فقیر کی بد دعا ہو یا کوئی نظر بد لگا دیتا ہو

ؔ اور تم سے ہو سکے کہ زمین کے اندر (اندر کوئی) سرنگ تلاش کرو یا آسمان میں کوئی سیڑھی (لگی ہوئی ہم پونہچاؤ) ۱۲

کہ سارا کیا دھرا اکارت ہوجاتا ہی۔ ۵

| | | |
|---|---|---|
| تجھ سے قسمت میں مری صورتِ قفلِ ابجد | | تھا لکھا بات کے بنتے ہی جدا ہوجانا |

ہتھیار چھینے گئے یا بولنے بات کرنے کو ایک حد تک روک دیا گیا میں تو اس کی ذرا بھی پروا نہیں کرتا۔ مجکو جس سے زیادہ اندیشہ ہوا وہ یہ تھا کہ میں نے کسی انگریزی اخبار میں پڑھا کہ ہندوستانیوں کو زیادہ تعلیم دینا استحکامِ سلطنت اور حسنِ انتظام کے حق میں نامفید ثابت ہوا ہی اور تعلیم کو محدود کرنا مناسب ہی یہ کسی کی شخصی راے ہی اور محض غلط ہی اور میں اس کا سخت مخالف ہوں اور قطع نظر اس کے کہ اس راے پر عمل کرنا ملک کی تباہی اور بربادی کا موجب ہوگا خود گورنمنٹ کے حق میں اس کا نتیجہ نہایت زبوں نکلے گا۔ ہمارے اس ملک میں علم عبارت رہا ہی۔ لفاظی اور تیرہ و تنگ ذہنی خیالات سے۔ اور یہی وجہ ہی کہ ہم لوگ سولزیشن کے اعتبار سے نہایت درجے کی پست حالت میں ہیں۔ علم کے دائرے کو وسیع کیا اور علم کو واقعات اور مشاہدات پر مبنی کر کے اُس کو بکار آمد بنایا اہلِ یورپ نے دنیا میں جو کچھ ہی اور جو کچھ ہو رہا ہی ایک ایک ذرہ ایک ایک واقعہ ایک ایک کیفیت علمِ جداگانہ کا موضوع لہ ہی۔ نئے نئے موضوع لہٗ بنتے اور نئے نئے علوم ایجاد ہوتے چلے جاتے ہیں۔ یہ سچ ہی کہ جب سے انگریزوں نے اس ملک کو لیا ہی علم پر بڑا زور دے رہے ہیں مگر علم سرسوں نہیں ہی کہ لی ہتیلی پر جمالی۔ علم کے درخت کو جڑ پکڑتے پھولتے پھلتے صدہا برس چاہئیں۔ ابھی تک انگریزوں نے جو کچھ ہم کو سکھایا اور جو کچھ ہم نے انگریزوں سے سیکھا وہ علم نہیں ہی بلکہ علم کی صرف تمہید ہی علم کے اعتبار سے ہماری حالت نیم ملا خطرۂ ایمان اور نیم حکیم خطرۂ جان کی سی ہی۔ ہم سے جو یہ غلطیاں ہو ہوجاتی ہیں اس کا اصلی سبب جہالت کے سوا اور کچھ نہیں۔ ہم نہیں جانتے کہ علم بجائے خود ایک بڑی زبردست طاقت ہی اور وہ طاقت تمام و کمال انگریزوں کے ہاتھ میں ہی یہ علم اور مخالفت کا خیال دونوں ایک سر میں جمع ہو ہی نہیں سکتے۔ میرے اس کلام کے دو محل ہیں ایک یہ کہ علم ہوگا تو ہم انگریزوں کی طاقت کا ٹھیک اندازہ کرسکیں گے اور سمجھیں گے کہ ہم اُن کی مقاومت کی تاب نہیں لاسکتے۔ دوسرے یہ کہ ہم کو تو ہنر سیکھنا ہی اور ہنر مانگا جاتا ہی چھینا نہیں جاتا۔

ہجرت سے پہلے اور ہجرت کے بعد کی دو متناقض حالتیں جو پیغمبر صاحب پر گزریں میں جانتا ہوں کہ اُس میں یہی حالت مضمر ہوگی کہ ہم مسلمانوں کو حاکمی و محکومی دونوں حالتوں کا انگیز کرنا سکھا دیا جائے مگر ہم میں کے جاہل اور متعصب ہجرت کے بعد کی زندگی کو تو یاد رکھتے ہیں اور پہلے کی زندگی بھلائے بیٹھے ہیں۔ لوگو! اہلِ یورپ کی سی ترقی کرنا بڑا دیرطلب کام ہی۔ اور دیرطلب ہونے کے علاوہ امن واطمینان بھی چاہتا ہی۔ سو خدا کے فضل سے انگریزوں کے طفیل میں امن واطمینان تو ہم کو پورا پورا حاصل ہی۔ اخباروں میں نہ دیکھتے تو ہم کو خبر بھی نہ ہوتی کہ سرحد پر ایک معرکہ عظیم ہو رہا ہی اس سے بڑھ کر امن واطمینان اور کیا ہوگا تو ایسے امن واطمینان کو بس غنیمت سمجھو اور اپنی تمام ہمت اپنی حالت کی اصلاح اور ملک کی ترقی کی تدابیر اور تعلیم اور تعلم میں صرف کرو۔ کیا بیٹھے بیٹھے واہی تباہی پریشان خواب دیکھا کرتے ہو۔

# بتیسواں لکچر

## جو نویں جلسہ مدرسہ طبیہ دہلی منعقدہ ۔ ۸۔ اپریل ۱۸۹۸ء میں دیا گیا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

لکچرار ہوئے۔ پبلک سپیکر ہوئے۔ مرثیہ خواں ہوئے۔ قوال ہوئے۔ گویّے ہوئے۔ کہ ہیں یہ سب ایک ہی تھیلی کے چٹّے بٹّے ان کا اکثر قاعدہ ہوتا ہی کہ لکچر۔ یا سپیچ یا مرثیہ یا راگ شروع کرنے سے پہلے ادبدا کر عذر کر لیا کرتے ہیں کہ تحریک نزلہ کی وجہ سے میرے گلے میں خراش ہی۔ یا رات ایک دوست کے ہاں دعوت تھی۔ دیر تک جاگنا پڑا بدخوابی کے سبب دردِ سر ہی یا فرصت نہیں ملی اور میں لکچر یا سپیچ کے لیے تیار ہو کر نہیں آیا۔ ابھی چند روز کا مذکور ہی کہ سر جارج وہیٹ کمانڈر انچیف کی بی بی لیڈی وہیٹ کو ٹیسٹیمونیل دینے کے لیے کلکتہ میں ایک میٹنگ (مجلس) ہوئی تھی سر پٹرک پلیفیر نے ایڈریس پڑھا۔ سر جارج وہیٹ نے جواب کے شروع میں فرمایا کہ میں جانتا ہوں

کہ آپ صاحب مجھ سے بہت زیادہ گفتگو کی امید نہیں رکھیں گے ہر چند آئرش مین کی طرح میں یہ عذر تو پیش نہیں کر سکتا کہ میری ٹانگ ٹوٹ گئی ہی۔ اس لیئے میری زبان نہیں چلتی۔ کسی آئرش میں یعنی آئرلینڈ کے رہنے والے کی ٹانگ میں چوٹ آگئی ہوگی اُس کو کہیں کچھ کہنا پڑا ہوگا اُس نے چوٹ کا عذر لنگ پیش کیا ہوگا تو سر جارج نے آئرش مین پر تعریض کی۔ بھلا کوئی اُس آئرش مین سے پوچھے کہ بھلے مانس زبان کے چلنے میں ٹانگ کو کیا دخل ہی۔ زبان رگوں اور پٹھوں سے چلتی ہی یا ٹانگوں سے۔ میری عادت اس طرح کے عذرات کرنے کی نہیں ہی اس لیے کہ میں لکچر تو دیتا ہوں مگر اس کو اپنا پیشہ نہیں بنایا اور پیشہ بناؤں تو گھر بھی نہ بیٹھنے پاؤں۔ لوگوں نے تاروں میں زاد راہ بھیجے اور میں نے واپس کر کر دیئے۔ نہ اس لیے کہ میں خطابت کو حقیر سمجھتا ہوں اور حقارت کی وجہ سے اپنا پیشہ بنانا نہیں چاہتا۔ نہیں نہیں۔ میں خطابت کو ایسا ہی معزز سمجھتا ہوں جیسا طبابت کو۔ خطابت اور طبابت دونوں ہم وزن ہیں۔ اور نہ صرف مصدر بلکہ مشتقات بھی جیسے طبیب اور خطیب اور جیسے ہم وزن ہیں ہم عزت بھی ہیں۔ طبیب مطب کی بارات کا دولہا ہی۔ تو خطیب آڈینس کا بشرطیکہ طبیب حاذق ہو جیسے ہمارے حکیم **عبد المجید خاں** صاحب اور خطیب لایق جیسے ہر پھر کر وہی **عبد المجید خاں** صاحب کا نام لینا پڑا۔ آپ صاحبوں نے حکیم صاحب کو سالانہ رپورٹ پڑھتے سنا بس اسی کا نام خطابت ہی انھیں کا کام تھا ایسی رپورٹ لکھنا اور انھیں کا کام تھا ایسی عمدگی سے پڑھنا۔ خطابت اور طبابت دونوں لوہے کے چنے ہیں طبابت کی مشکلات کو تو **عبد المجید خاں** سے پوچھنا چاہیئے۔ ہاں خطابت کی نسبت میں کہہ سکتا ہوں کہ اس کے لیئے دل اور زبان دو چیزوں کی ضرورت ہی اور آدمی میں یہی دو عضو رئیس ہیں ؎

| | | | |
|---|---|---|---|
| لسان الفتی نصف ونصف فؤاده[لہ] | | فلم یبق الا صورة اللحم والدم | |

ایک مثل مشہور ہی کل اناء یترشح بما فیہ برتن خالی ہو تو اُس میں سے رسے کیا خاک اِسی

لہ انسان کے دو ٹکڑے ہیں آدھا زبان اور آدھا دل باقی جو ہی سو نرا گوشت کا لوتھڑا اور خون ہی خون ہی۔ ۱۲

طرح دل میں خیالات ہی نہ ہوں تو آدمی بیان کیا کرے۔ خیالات ہیں اور گویائی نہیں تو وہ حوض ہے جس کا مخرج نہیں ؎

| | |
|---|---|
| روکاؤ خوب نہیں طبع کی روانی میں | کہ بو فساد کی آتی ہے بند پانی میں |

کسی انگریز کو سنا ہے کہ اُس کو پبلک میں بولنے سپیچ دینے کی عادت نہ تھی ایک محل پر اُس کو سپیچ دینی پڑی اور آئی کنسیو (میں خیال کرتا ہوں۔ میں خیال کرتا ہوں) کہہ کر چپ کر گیا تو آڈینس (حاضرین) میں سے کسی نے کہا یو کنسیو سورل ٹائمز اینڈ برنگ فورتھ نتھنگ (خیال ہی خیال کیے جاؤ گے یا کچھ کہو گے بھی) اسلام سے پہلے اہل عرب کے عقائد فاسدہ میں سے ایک یہ بھی تھا کہ وہ لوگ فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں سمجھتے تھے وَجَعَلُوا الْمَلٰٓئِكَةَ الَّذِيْنَ هُمْ عِبَادُ الرَّحْمٰنِ اِنَاثًا[۵۱] اس عقیدے پر قرآن میں کئی جگہ لتاڑ ہے۔ اَمْ لَهُ الْبَنٰتُ وَلَكُمُ الْبَنُوْنَ[۵۲] وَاِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمْ بِالْاُنْثٰى ظَلَّ وَجْهُهٗ مُسْوَدًّا وَّهُوَ كَظِيْمٌ يَتَوَارٰى مِنَ الْقَوْمِ مِنْ سُوْٓءِ مَا بُشِّرَ بِهٖ اَيُمْسِكُهٗ عَلٰى هُوْنٍ اَمْ يَدُسُّهٗ فِى التُّرَابِ[۵۳] اَوَمَنْ يُّنَشَّؤُا فِى الْحِلْيَةِ وَهُوَ فِى الْخِصَامِ غَيْرُ مُبِيْنٍ[۵۴]۔ یعنی کیا تم فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں کہتے ہو اول تو خدا کے اولاد سُبْحٰنَهٗ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗ وَلَدٌ[۵۵] اور پھر اولاد میں سے بھی گئی گزری بیٹی جس کا کام ہی بناؤ سنگار اور زیب و زینت اور جو خلقتاً ایسی ضعیف العقل ہے کہ کسی مجمع میں گفتگو کا موقع آپڑے تو اس کے مونہ سے بات نہ نکلے اور اُس سے بولا تک نہ جائے۔

ہم اپنے اس زمانے میں بھی دیکھتے ہیں کہ یورپ میں عورتوں کو بڑی آزادی حاصل ہے پردے کا

[۵۱] اور ان لوگوں نے فرشتوں کو کہ (وہ بھی اور مخلوقات کی طرح خدا کے) رحمٰن کے بندے ہیں عورت ذات قرار دے رکھا ہے ۱۲ [۵۲] کیا خدا کے لیے بیٹیاں اور تمہارے لیے بیٹے ۱۲ [۵۳] اور جب ان میں سے کسی کو بیٹی (کے پیدا ہونے) کی خوش خبری دی جائے تو (مارے رنج کے) اُس کا مونہ کالا پڑ جائے اور (زہر کے سے گھونٹ) پی کر رہ جائے۔ لوگوں سے بیٹی کی عار کے مارے جس کے پیدا ہونے کی اُس کو خبر دی گئی ہے چھپا چھپا پھرے (اور دل میں منصوبے سوچے کہ) آیا (اس) ذلت پر بیٹی کو لیے رہے یا اُس کو مٹی میں گاڑ دے ۱۲ [۵۴] کیا بیٹی ذات) جو زیوروں میں نشو و نما پائے اور (کوئی جھگڑا آپڑے تو) جھگڑتے وقت (اچھی طرح اظہار مطلب) نہ کر سکے (وہ خدا کی شان کے زیبا ہے) ۱۲ [۵۵] وہ بڑی پاک ذات ہے اور اس سے مبرا ہے کہ اُس کے بیٹا ہو ۱۲

رواج نہیں اور اُن کو ہر طرح کی تعلیم بھی دی جاتی ہو اور وہ مردوں کی مساوات کا دعویٰ رکھتی ہیں اور اس میں تو ذرا سا بھی شک نہیں کہ یورپ کی اکثر عورتیں ہمارے یہاں کے اکثر مردوں سے زیادہ لائق ہوتی ہیں مگر خلقی ضعفِ قلب کی وجہ سے بہت ہی کم لیڈیوں کو سپیچ دیتے سنا ہی۔ وائسرائے لفٹنٹ گورنر چیف کمشنر وغیرہ بڑے بڑے عہدہ داروں کو ایڈریس دیئے جاتے ہیں اور اُن میں اکثر اُن کی بیبیوں کے تذکرے ہوتے ہیں مگر اُن کی طرف سے اُن کے شوہر ہی اظہارِ مسرت اور ادائے شکر کیا کرتے ہیں میم صاحب کو اتنی جرأت نہیں ہوتی کہ خود کھڑے ہو کر ایک دو جملے کہہ دیا کریں اب وہی سر جارج وہیٹ کا معاملہ ہو کہ لوگ لیڈی وہیٹ کو ٹیسٹیمونیل دینے گئے۔ بے شک سر جارج وہیٹ اور لیڈی وہیٹ دونوں ایڈریس کے مخاطب تھے اور چند روز پہلے سر جارج کے چوٹ آگئی تھی اور وہ اس مجمع میں انولیڈ کوچ (بیماروں کی کوچ) پر لیٹے ہوئے تھے۔ آخر سر جارج ہی کو ایڈریس کے جواب کی تکلیف کرنی پڑی۔ تو جناب خطابت ایسی مشکل چیز ہو اور جیسی مشکل ہو ویسی ہی معزز بھی ہو کیونکہ اشکال ہی دنیا میں وقعت کا معیار ہو ۵

| | |
|---|---|
| مرغک از بیضہ بروں آید و روزی طلبد | آدمی زادہ ندارد خرد و عقل و تمیز |
| آں بناگاہ کسی گشت و بچیزے نرسید | وین بتمکین و فضیلت بگذشت از ہمہ چیز |

طبابت اور خطابت دونوں گو میرے نزدیک معزز ہیں مگر میں دونوں میں سے کسی کو بھی اپنا پیشہ بنانا نہیں چاہتا۔ طبابت کو تو اس لیے کہ ہمارے یہاں تین طرح سے آدمی طبیب بنتا ہی۔ ایک یہ کہ اس فن کو سبقاً سبقاً پڑھے سیکھے تجربہ حاصل کرے جیسے خود **عبد المجید خاں** اور اِن کے خاندان کے لوگ ہیں اور جیسے عبد المجید خان کو اس مدرسے میں تیار کرنے منظور ہیں۔ دوسرے نہ پڑھے نہ سیکھے نہ تجربہ حاصل کرے گَبَّرَنِی مَوۡتُ الۡکُبَرَاءِ[۵۷] طبیبوں کے خاندان سے ہو۔ تیسرے نہ خود طبیب ہو نہ طبیبوں کے خاندان سے ہو تو کم سے کم عطاری کی دکان کرتا ہو۔ غرض طبابت کی جتنی شقیں ہیں سب میرے اختیار سے خارج ہیں۔ اس فن کے پڑھنے سیکھنے تجربہ حاصل

۵۷ بڑوں کی موت نے ہی مجھے بڑا بنا دیا یعنی جب بڑے بڑے مر گئے تو میرا شمار بھی بڑوں میں ہونے لگا ۱۲

کرنے کی عمر نہیں نہ میں طبیبوں کے خاندان سے ہوں۔ عطاری کی دکان لے کر بیٹھنا ظاہرا آسان نسخہ معلوم ہوتا ہی۔ مگر نہیں طبیب لگے بندھے عطار رکھتے ہیں اور وہی اُن کے شربتِ فریادرس اور معجونِ خطابخش و بس کو سمجھتے ہیں نئے آدمی کو گھسنے نہیں دیتے۔ پھر سائیسی علم دریا۔ پانی کے عرق۔ گڑ کے شیرے کے شربت اور کھانڈ کے خمیرے بھی بنانا کچی کیمیا ہی ہم جیسے اجنبی کو کون بتائے دیتا ہی۔ عطاری کا ایک گُر جو کبھی کا کان میں پڑا ہی وہ ایک پہیلی ہی آج **حکیم عبد المجید خاں** صاحب بتادیں تو بڑی عنایت کریں ؁

پہلے تو روغنِ گل بھینس کے انڈے سے نکال
پھر دوا جتنی ہی کُل بھینس کے انڈے سے نکال

چوہے کو سنا تھا کہ وہ ہلدی کی ایک گرہ پاکر پنساری بن بیٹھا تھا مگر یہ بھینس کا انڈا کیا چیز ہی؟ یہ ہاتھ آجائے تو عطار بننا کچھ بھی مشکل نہیں اور آدمی عطار بنا تو پھر ہلدی چاہیے نہ پھٹکری طبیب بنا بنایا ہی ہاں ایک مشکل پھر بھی باقی رہے گی کہ **حکیم عبد المجید خاں** ایسے ہی طبیبوں کے پیچھے پڑے ہیں اور یہ اُن مدعیانِ طبابت نیم حکیم خطرۂ جان کو معدوم کرکے رہیں گے۔ ریڈر میں ایک حکایت لکھی ہوئی ہی کہ ایک لومڑی تاکستان میں ہو کر گزری دیکھا کہ انگور خوب پھلے ہیں دیکھ کر رال ہی تو ٹپک پڑی بہتیرا اُچھلی کودی مگر ٹٹیاں تھیں اونچی نہ پونہچ سکی تو یہ کہہ کر چلتی ہوئی کہ انگور کھٹے ہیں۔ بعینہ یہی میرا حال ہی طبابت کے ساتھ کہ طبیبوں کی مرجعیت ان کے ناز نخرے ان کے نکتوڑے ان کا استغنا اور اس پر ان کا متول دیکھ کر بہتیرا ہی دل للچاتا ہی مگر کچھ بن نہیں پڑتا ؁

بوسہ اُس بُت کالے کے مونہ موڑا
بھاری پتھر تھا چوم کر چھوڑا

اب رہی خطابت کرنے پر آؤں تو کر بھی لوں مگر تصنیف و تالیف کو جس میں میں مشغول رہتا ہوں لوگوں کے لیئے زیادہ مفید پاتا ہوں۔ اس لیئے خطابت کو پیشہ نہیں بناتا اور نہ پیشہ ور خطیبوں کی طرح لکچر سے پہلے عذر کرتا ہوں کہ میری آواز بیٹھی ہوئی ہی میرا سر دُکھتا ہی۔ مگر ہاں خلافِ عادت ایک عذر تو آج میں بھی کرتا ہوں کہ علی رغمِ انفِ الاطبّاء و طلبۃِ المدرسۃِ الطبیۃِ و اساتذتہم و معلّمیہم ماشاء اللہ میں کیا کہتا ہوں مگر خوش دلی نہیں اور نہ صرف میں اکیلا خوش دل نہیں آڈینس خوش دل نہیں اہلِ شہر خوش دل نہیں پنجاب پراونس (صوبہ) خوش دل نہیں۔

## برٹش انڈیا خوش دل نہیں ۵

| | |
|---|---|
| در عالمِ بے وفا کسے خورم نیست | شادی و نشاط در بنی آدم نیست |
| آں کس کہ دریں زمانہ اور اغم نیست | یا آدم نیست یا دریں عالم نیست |

دو برس سے ملک پر ایسی سختیاں گزر رہی ہیں کہ ایسی حالت میں خوش دلی باقی رہ نہیں سکتی ہزارہا بندگانِ خدا طاعون سے مر گئے اور مر رہے ہیں اور جو اس وقت تک محفوظ ہیں اور خدا ان کو محفوظ ہی رکھے ڈر رہے ہیں قحط نے زمینداروں کو ایسا کھوکھلا کر دیا ہو کہ برسوں کے متواتر سہے ہوں تو ان کا گڑھا بھرے۔ تجارت متزلزل ہو رہی ہو دیوالوں کی خبریں سُن سُن کر دل دہلا چلا جاتا ہو کاموں کا مندا ہو۔ طوفانِ نوح کی کیفیت قرآن مجید میں ایک جگہ ان لفظوں میں بیان ہوئی ہو فَفَتَحْنَآ اَبْوَابَ السَّمَآءِ بِمَآءٍ مُّنْهَمِرٍ وَّفَجَّرْنَا الْاَرْضَ عُيُوْنًا فَالْتَقَى الْمَآءُ عَلٰٓى اَمْرٍ قَدْ قُدِرَ ؎۱ یعنی خدا فرماتا ہو کہ ہم نے آسمان سے برسایا موسلا دھار پانی اور زمین سے اُبلے چشمے اور دونوں پانی مل کر ایک ہو گئے۔ یہی کیفیت ان دنوں آفاتِ ارضی و سماوی کی ہمارے ساتھ ہو رہی ہو کہ آسمان و زمین میں جو کچھ بھی آفتیں ہیں سب ایک دم سے نکل پڑی ہیں۔ کہتے ہیں کہ ہر شخص کی زندگی کے لیے سانسوں کا شمار مقرر ہوتا ہو کہ جب آدمی وہ شمار پورا کر لیتا ہو مر جاتا ہو۔ وعدے سے دم زیادہ نہ کم

| | |
|---|---|
| ہستی سے عدم تک نفسِ چند کی ہو راہ | دنیا سے گزرنا سفر ایسا ہی کہاں کا |

اور اسی خیال پر یہ بات بھی متفرع ہو کہ فقیر لوگ حبسِ دم سے اپنی زندگی بڑھا لیتے ہیں۔ میں کہتا ہوں اسی طرح خوشی کی بھی فی علم اللہ ایک مقدار مقرر ہوگی۔ ہم لوگوں نے ملکہ کی جوبلی میں افراط کے ساتھ خوشی کر لی کہیں اسی کی کسر نہ نکل رہی ہو کہ بہت کھا لینے کے بعد فاقہ کرنے کی ضرورت واقع ہوتی ہو زیادہ ہنسنے سے آنکھوں میں آنسو آجاتے ہیں۔ اَلضِّحْكُ يُمِيْتُ الْقَلْبَ ؎۲ یہ قومی اور مذہبی اور ملکی تفرقے تو ہم لوگوں نے لگا رکھے ہیں۔ خدا کا برتاؤ تو دنیا میں لوگوں کے ساتھ ایک ہی طرح کا دکھائی

؎۱ تو ہم نے موسلا دھار پانی سے آسمان کے پٹ کھول دیئے اور زمین کی سوتیں بہا دیں تو اندازۂ مقرر پر زمین اور آسمان کا پانی مل کر ایک ہو گیا ۱۲ ؎۲ ہنسی ٹھٹھے سے دل مردہ ہو جاتا ہو ۱۲

دیتا ہی۔ قحط تھا تو ہندو مسلمان یہودی عیسائی سب ہی کے لیے تھا۔ طاعون ہی تو سب ہی پر ہی۔ زلزلے آئے تو سب ہی پر آئے مگر میں ایک تازہ مصیبت کی باسی خبر دیتا ہوں جو خاص مسلمانوں کے حصے کی ہی اور وہ کیا ہی ڈاکٹر **سر سید احمد خاں** صاحب بہادر کے۔سی۔ایس۔آئی۔ال ال ڈی کا انتقالِ پرملال۔ سماعت کے اعتبار سے تو یہ خبر بعض کے لیے شاید باسی بھی ہو مگر احساس کے اعتبار سے تو تمام محمڈن کمیونٹی کے لیے برسوں تازہ رہے گی۔ **سید احمد خاں** کی زندگی میں ہم اُن کی بعض باتوں کو اچھا نہیں بھی سمجھتے تھے ؎

| | | | |
|---|---|---|---|
| مَنْ ذَا الَّذِیْ مَا سَاءَ قَطُّ | | وَمَنْ لَّهُ الْحُسْنٰی فَقَطُّ | |

سچ کہا ہی کہ "ہیچ نفسِ بشر خالی از خطا نبود" مگر جب سے وہ مرے ہیں اُذْکُرُوْا مَوْتَاکُمْ بِالْخَیْرِ ان کی ساری ادائیں اچھی ہی اچھی معلوم ہوتی ہیں۔ کہنے کو **سید احمد خاں** ایک شخص تھے مگر چندیں صفات کے اعتبار سے وہ چندیں اشخاص کے مجموعہ تھے۔ مسلمانوں کے لیڈر۔ ریفارمر پولیٹیکل اڈوائزر۔ ریئسیر۔ سول۔ و شتر۔ بڑی نام ونمود کے محمڈن اورنٹیل کالج کے فونڈر۔ علم دوست زمانے کے رمز شناس ؎

| | | | |
|---|---|---|---|
| لَیْسَ مِنَ اللّٰہِ بِمُسْتَبْعَدٍ | | اَنْ یَّجْمَعَ الْعَالَمَ فِیْ وَاحِدٍ | |

مصراع "حق مغفرت کرے عجب آزاد مرد تھا" وہ انقباضِ خاطر جس کا میں نے عذر کیا اُس کے اسباب میں سے ایک بڑا سبب **سید احمد خاں** کی وفات بھی ہو کہ اُن کو میں نے اپنے ان ہاتھوں سے مٹی دی ہی۔ وہ مٹی تو میں نے اُسی وقت دے ہو ڈالی تھی مگر اُن کے غم والم کا دل سے دہلنا مشکل ہی اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ تو آج میں لکچر کے عوض انقباضِ خاطر کا عذر پیش کرنے آیا ہوں۔ ع گر قبول افتد زہے عزّو شرف۔ اور لکچر دینے کا اگر میں ارادہ کرتا بھی تو مجھ سے نہ دیا جاتا۔

۵۲ ایسا کون بشر ہی جس کے سوائے نیکی کے کبھی بُرائی نہ ہوئی ہو ۵۲ مرے ہوؤں کا ذکر ہمیشہ بھلائی کے ساتھ کیا کرو ۱۲

۵۳ اللہ سے یہ کچھ دور نہیں کہ بہت ساری خوبیاں ایک ہی شخص میں جمع کردے ۱۲

## نظم

گیا ہو جب اپنا ہی جیوڑا نکل — کہاں کی رباعی کہاں کی غزل
کسی شان میں گرچہ قاصر نہیں — مگر یاں طبیعت ہی حاضر نہیں
سفر دور اور لوگ ہارے ہوئے — گرہیں خشک سالی کے مارے ہوئے
پہنچنے نہیں پائے تھے کال سے — کہ طاعون آ دھمکی پاتال سے
ہزاروں کے گھر کر دیئے بے چراغ — نہیں اب دلِ زار میں جائے داغ
اب آگے تحمل کا یارا نہیں — کہ دل ہی تو ہے سنگِ خارا نہیں
جو طاعون سے قحط سے تھے معاف — وہاں زلزلوں نے کیا ہاتھ صاف
غرض موت کا گرم بازار ہے — زمیں پر مگر آدمی بار ہے
پھر آخر کو سرحد کی جنگ وجدال — ایک آندھی چلی کر گئی پائمال
بہ افراط ملکی خزانوں کا خرچ — اور اس پر گراں قدر جانوں کا خرچ
گورمنٹ کا گر نہ ہوتا کرم — قیامت کے سامان تھے سب بہم
ہمارا انہیں ہر گھڑی دھیان تھا — کیا جس کے کرنے کا امکان تھا
بچایا جلایا بنایا ہمیں — رکھا ان کی رعایا خدایا ہمیں
الٰہی یہ شاہِ رعیت نواز — کہ عمرش باقبال و دولت دراز
خلائق پہ دائم رہے مہرباں — یہ دل سے آمیں کہو یک زباں
ہو توفیقِ خیر اُس کے حکام کو — کہ آرام دیں خاص کو عام کو
اور اک یہ کہ میں خود بھی جیتا رہوں — کہ ہر سال یاں آ کے لکچر کہوں
علالت رہے مجھ سے کوسوں پرے — کہ اس طرح کا زندہ دل کیوں مرے

میں لکچر دیتا بھی تو وہی طبِ یونانی اور طبِ انگریزی میں معمولی محاکمہ کرتا۔ لیکن کچھ خبر بھی ہے کہ آج کل طبِ انگریزی کیسے زوروں پر ہے۔ زیادہ تفصیل تو کیا عرض کروں مختصر یہ ہے کہ ڈاکٹروں کی گورمنٹ

ہے اُن لوگوں نے سارے ملک کی ناکہ بندی کر رکھی ہے۔ یہ بھی حکیم عبد المجید خاں ہی کی ہمت ہے کہ حریف فتح نمایاں پا چکا ہے اور یہ مقابلے میں ڈٹے ہیں ؎

| | | | |
|---|---|---|---|
| یاں ملیتھین نکل گیا اور غیر | | اپنی ٹکّی جمائے جاتا ہے | |

ادھر ڈاکٹری کے دم خم اور اُدھر ایک سڈیشن[۱] لا جاری ہوا ہے۔ وہ جاری تو ہوا ہے اونٹوں کے لیے مگر لومڑیاں آپ کو چھپی چھپی پھرتی ہیں کہ کوئی ان کو "ایں ہم بچہ شتر است" کہہ کر نہ پکڑوا دے تو سب سے بہتر صلاح جو لومڑی کو دی جا سکتی ہے یہ ہے کہ مصرع

"قلم بشکن سیاہی ریز و کاغذ سوز و دم درکش"

# تینتیسواں لکچر

۲۷ اپریل ۱۸۹۸ء کو دلی والوں نے سیّد احمد خاں کی وفات پر رنج والم کے ظاہر کرنے کے لیے ٹون ہال میں جلسہ کیا صاحب کمشنر جلسے کے پریزیڈنٹ تھے۔ اُس موقع پر یہ لکچر دیا گیا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کیا کہیں مشغلہ لکچر کا اجی چھوٹ گیا　　ہم سے ایک یار چھٹا ایسا کہ جی چھوٹ گیا
صبر رخصت ہوا سنتے ہی ترا عزم سفر　　تم تو کل جاؤ گے یہ ہم سے ابھی چھوٹ گیا
نہ سہی پر۔ تجھے دکھلاؤں گا اپنی پرواز　　گر قفس سے ترے صیاد کبھی چھوٹ گیا

ابھی چند روز ہوئے میں نے مدرسۂ طبیہ کے سالانہ جلسے میں لکچر دیتے وقت عذر کیا تھا کہ سیّد احمد خاں کے مرنے کی وجہ سے میری طبیعت حاضر نہیں اور جیسے لکچر کی توقع مجھ سے لوگ رکھتے ہیں میں دے نہیں سکتا۔ میں کیا کروں میرا حال یہ ہو گیا ہے کہ جب کبھی لکچر یا پبلک اسپیچ کا

[۱] قانون بغاوت ۱۲

خیال کرتا ہوں سید احمد خاں کی صورت سامنے آکھڑی ہوتی ہو اُن کا تصور بندھا اور طبیعت بے قابو ہوئی۔ اور اس کا سبب یہ ہو کہ لکچر اور پبلک اسپیچ وغیرہ کی گدگدی ہم لوگوں میں اُسی مرحوم نے پیدا کی تھی۔ پس خود لکچر دینے کھڑا ہوتا ہوں تب سید احمد خاں یاد آتے ہیں۔ کسی کو لکچر دیتے دیکھتا ہوں تب سید احمد خاں یاد آتے ہیں۔ کوئی مسلمان انگریزی داں انگریزی خواں نظر پڑ جاتا ہی تب سید احمد خاں یاد آتے ہیں۔ کسی مسلمان کو کرسیِ حکومت پر اجلاس کرتے دیکھتا ہوں تب سید احمد خاں یاد آتے ہیں۔ کسی مسلمان کو کسی انگریز کی کوٹھی پر جاتے اُس سے ملتے باتیں کرتے دیکھتا ہوں تب سید احمد خاں یاد آتے ہیں۔ ٹرکش فز سے سید احمد خاں یاد آتے ہیں۔ کوٹ پتلون سے سید احمد خاں یاد آتے ہیں میز کرسی چھری کانٹے سے سید احمد خاں یاد آتے ہیں۔ غرض ہر انگریزی وضع انگریزی ادا سے سید احمد خاں یاد آتے ہیں کیوں کہ وہ یہی چاہتے تھے کہ مسلمان انگریزی پڑھیں۔ گورنمنٹ کی معزز خدمتوں پر منصوب ہوں۔ انگریزوں سے ملیں جلیں۔ انگریزوں کی سی وضع اختیار کریں۔ آخر اس میٹنگ کی روداد اخباروں میں چھپے گی تو لوگ سید احمد خاں کے ماتم کے لحاظ سے ہم دلّی والوں کو نزدیکان بے بصر کافر نعمت۔ ناشکر۔ ناسپاس۔ حق ناشناس۔ اور کیا کیا کہیں گے۔ اس لیے کہ ہم سید احمد خاں کے ہم وطن ہیں اور دلّی کے سارے فخر مٹ مٹا کر یہی ایک فخر باقی رہ گیا تھا کہ سید احمد خاں اسی اُجڑے دیار میں پیدا ہوئے تھے۔ میں نے دلّی کو اُجڑا دیار کہا اس لیے کہ میر تقی نے اپنے زمانے میں اس کو اُجڑا دیار کہا تھا۔ میر تقی لکھنؤ گئے تو جس دن پونچے اتفاق سے اُسی دن مشاعرہ تھا یہ بے بلائے شریک محفل ہوئے اور فی الوقت اپنی غزل سنائی لوگوں کو ان کے کلام کی پاکیزگی دیکھ کر حیرت ہوئی اور لگے پوچھنے کہ آپ کون صاحب ہیں کہاں سے تشریف لائے ہیں؟ میر صاحب نے ارتجالاً یہ قطعہ پڑھا۔ **قطعہ**

| | |
|---|---|
| کیا بود و باش پوچھو ہو پورب کے ساکنو<br>دلّی جو ایک شہر تھا عالم میں انتخاب | ہم کو غریب جان کے ہنس ہنس پکار کے<br>رہتے تھے منتخب ہی جہاں روزگار کے |

| | | |
|---|---|---|
| اُس کو فلک نے مار کے ویران کر دیا | | ہم رہنے والے ہیں اُسی اُجڑے دیار کے |

خیر تو دلی کے سارے فخر مٹ مٹا کر یہی ایک مخزن باقی رہ گیا تھا کہ **سید احمد خاں** اسی اُجڑے دیار میں پیدا ہوئے تھے تو چاہیے تھا کہ ہم اُن کی وفات پر غم والم کے ظاہر کرنے میں بھی سب سے پیش پیش ہوتے اور یوں تو **علی گڑھ** اور دلی میں چنداں فصل بھی نہیں۔ لیکن ہم ایسے وقت سید احمد خاں کی وفات پر اظہارِ غم والم کے لیے جمع ہوئے ہیں جب کہ ہندوستان کا کونا کونا شہر شہر۔ قصبہ قصبہ شورِ ماتم سے گونج رہا ہے۔ بڑے بڑے نامی نامور لوگوں کو مرتے دیکھا مگر **سید احمد خاں** کا سا عالم گیر ماتم تو نہ کسی کا دیکھا نہ سنا۔ لوگوں کا یہ خیال کہ سید احمد خاں کی وفات پر ہم کو اظہارِ غم والم میں جلدی کرنی چاہیے تھی متفرع ہے اس بات پر کہ جوں جوں وقت گزرتا جاتا ہے صدمے کا احساس کم ہوتا جاتا ہے۔ لیکن یہ لوگوں کا قیاس قیاس مع الفارق ہے جس طرح سید احمد خاں بے مثل و بے مانند تھے اُن کا غم بھی بے مثل و بے مانند ہے اور دوسرے غموں کی طرح وقت کا گزرنا اُس کو فرسودہ اور مضمحل نہیں کر سکتا جس قدر رنج والم **سید احمد خاں** کے مرنے کے دن تھا اُتنا ہی بلکہ اُس سے زیادہ آج ہے۔ اُتنا ہی بلکہ اُس سے زیادہ کل ہوگا۔ اُتنا ہی بلکہ اُس سے زیادہ پرسوں۔ اُتنا ہی بلکہ اُس سے زیادہ اترسوں وَھَلُمَّ جَرًّا اِلَی الشُّھُوْرِ وَالسِّنِیْنَ ۔ پانچ چھ برس ہوئے جب دلی میں ایجوکیشنل کانفرنس ہوا تو میں نے ایک نظم میں سید احمد خاں کو مخاطب کر کے کہا تھا ؎

| | | |
|---|---|---|
| تجھے روئے گی سر پر ہاتھ رکھ کر قوم بدقسمت | | اور اس کو دیکھ لے گا جو کوئی جیتا رہا باقی |

یہ وہی پیشین گوئی ہے جس کو پورا ہوتا ہوا دیکھ رہے ہیں اور اس کو پورا ہونا ہی تھا۔ **سید احمد خاں** نے جس جس پیرائے سے قومی خدمتیں کیں اور جیسے جیسے فائدے اُن کی ذاتِ بابرکات سے قوم کو اور ملک کو اور گورنمنٹ کو پہنچے اُن کا بالتفصیل ایک میٹنگ (مجلس) میں بیان کرنا اور میٹنگ بھی وہ جو کہ شام کے چھ بجے شروع ہوئی خلق اللسان کی کرامت کے بدون محالات سے ہے۔ اُن کی خدمات اتنی وافر اور متنوع ہیں کہ اُن سے بجائے خود سید احمد خاں کی ایک مبسوط تاریخ

تاریخ مرتب ہوگی۔ مگر میں مختصراً اتنا ہی کہتا ہوں کہ **سید احمد خاں** پہلا شخص تھا اور فخراً کہتا ہوں کہ وہ پہلا مسلمان تھا اور پھر فخراً کہتا ہوں کہ ہمارا ہم وطن بھائی تھا جس نے مسلمانوں کے تنزل حالت کو سمجھا پھر اُس کے سبب کی تفتیش کی پھر ازالۂ سبب کی تدبیر سوچی اور آخر کار سمجھانے سے خود اپنا نمونہ دکھانے سے مسلمانوں کو تدبیر کے رستے پر لا ڈالا۔ وہ پہلا شخص تھا اور فخراً کہتا ہوں کہ وہ پہلا مسلمان تھا اور پھر فخراً کہتا ہوں کہ ہمارا ہم وطن بھائی تھا جس نے انگریزوں کی دنیاوی ترقی کا گُر معلوم کیا کہ یہ بچھڑے سائنس کے کھونٹے کے بَل کود رہے ہیں اور اُس نے مسلمانوں کو اُسی کھونٹے سے لا باندھا کہ جتنا چاہیں اچھلیں کودیں۔ وہ پہلا شخص تھا اور فخراً کہتا ہوں کہ وہ پہلا مسلمان تھا اور پھر فخراً کہتا ہوں کہ ہمارا ہم وطن بھائی تھا۔ جو برٹش گورنمنٹ کی فیاضی نیک نیتی خیرخواہی خلایق اور انصاف پر ایمان لایا اور اُس نے اپنے ہم وطنوں کو انگریزوں کی طرف سے اطمینان دلایا۔ وہ پہلا شخص تھا اور فخراً کہتا ہوں کہ وہ پہلا مسلمان تھا اور پھر فخراً کہتا ہوں کہ ہمارا ہم وطن بھائی تھا جس نے سمجھا کہ خدا نے خزائن الارض کی کنجیاں باستحقاق انگریزوں کے حوالے کردیں اور ہم اُن سے مانگ کر لے سکتے ہیں نہ جبراً کر نہ چھین کر۔ وہ پہلا شخص تھا اور فخراً کہتا ہوں کہ وہ پہلا مسلمان تھا اور پھر فخراً کہتا ہوں کہ ہمارا ہم وطن بھائی تھا جس نے معلوم کیا کہ ہندوستان دریا ہے۔ ہم جھینگے اور انگریز مگرمچھ اور اُس نے جھینگوں کو مگرمچھ کے ساتھ دریا میں رہنا سکھایا۔ ریل دیکھی ہو اُس میں ایک انجن ہوتا ہے اور اُس کے پیچھے ایک بڑی لمبی ٹرین۔ انگریز انجن کی جگہ ہیں اور ہم رعایا ٹرین کی۔ وہ پہلا شخص تھا اور فخراً کہتا ہوں کہ وہ پہلا مسلمان تھا اور پھر فخراً کہتا ہوں کہ ہمارا ہم وطن بھائی تھا جو انجن اور ٹرین میں لنک یعنی آنکڑے کا کام دیتا تھا جس کے ذریعے سے ٹرین کو انجن میں جوڑ دیا جاتا ہے۔ ہم مسلمانوں میں اور انگریزوں میں وجوہ مغائرت بکثرت ہیں کہ ہم دونوں فریقوں کا نہ مذہب ایک نہ زبان ایک نہ وطن ایک نہ رسم و رواج ایک نہ طرز تمدن ایک۔ وہ پہلا شخص تھا اور فخراً کہتا ہوں کہ وہ پہلا مسلمان تھا اور پھر فخراً کہتا ہوں کہ ہمارا ہم وطن بھائی تھا جس نے درمیان سے پردۂ مغائرت اُٹھا دینے کی کوشش کی اور اگر وہ پردہ سدِ سکندر تھا تو اُس کی کوشش سے دیوار آہنی ہوا پھر ریختے کی دیوار پھر کچی پھر

روئی کا پردہ اور اب تو ایک چلمن کی آڑ رہ گئی ہو اور اگر وہ زندہ رہتا تو اس کو بھی اُٹھا دیتا اور ہم کو انگریزوں سے کہنے کا موقع ملتا ۵

من تو شدم تو من شدی من تن شدم تو جاں شدی ۔ تا کس نگوید بعد ازیں من دیگرم تو دیگری

غرض یہ تھا اور ایسا تھا وہ شخص جس کی وفات پر اظہارِ حسرت وافسوس کے لیئے ہم لوگ اس وقت جمع ہوئے ہیں مگر نراِ رانڈوں کی طرح کا آنسوے بہانا تو ایک فعل عبث ہی ۵

کیا فائدہ کہ تذکرہ ما مضیٰ کریں ۔ کیوں یادِ رفتگان میں ماتم بپا کریں
بے سود اگرچہ تا بہ قیامت بُکا کریں ۔ اک امر اختیار سے خارج ہی کیا کریں
فرہادوار در صدد جوے شیر کیا ۔ اب جاچکا ہی سانپ تو پیٹیں لکیر کیا

مسلمانو! اگر تم واقع میں سرسیّد کو ایسا ہی سمجھتے تھے جیسا مَیں نے اپنی طرف سے اصالتاً اور تمھاری طرف سے نیابتاً بیان کیا اور اگر واقع میں تم سرسید کی قومی اور ملکی خدمات کی قدر کرتے ہو اور تم کو اُن کے دنیا سے اُٹھ جانے کا قلق ہو تو جو فائدے وہ مردِ بزرگ تم کو پونہچا گیا ہی اُن کا احراز کرو دو کارِ دنیا کسے تمام نکرد" کالج کیا عمارت کی حیثیت سے اور کیا فنڈز کے اعتبار سے ادھورا پڑا ہی اُس کی تکمیل کرو مگر اُس کی تکمیل یَالَیْتَنِیْ کُنْتُ مَعَهُمْ سے نہیں ہوتی بلکہ ہوتی ہی ابیضِ منقوش سے۔ آپ لوگ حیران ہوں گے کہ یَالَیْتَنِیْ کُنْتُ مَعَهُمْ کا کیا مضمون ہی تو بات یہ ہی کہ میں ایک شہر میں ڈپٹی کلکٹر تھا اور اتفاق سے شہر کی فوجداری کا چارج بھی میرے پاس تھا اتنے میں آیا محرم اور وہاں سُنّی اور شیعہ دونوں فریق آپس میں بڑی کشمکش رکھتے تھے۔ میرے دوستوں میں ایک صاحب شیعہ تھے اور وہ بڑی دہوم سے عزاداری کیا کرتے تھے۔ اُنھوں نے مجکو مدعو کیا۔ سُنّی اور حاکم شہر ہونے کی حیثیت سے طبیعت نے مضائقہ تو کیا مگر میں نے خیال کیا کہ ہر چند مجالس عزا میں ضعیف روایتیں بلکہ اکثر غلط بیان کی جاتی ہیں تاکہ لوگوں کو رقت ہو مگر پھر بھی آخر ایک مذہبی رنگ ہی اور میری شرکت سے مجلس میں کسی کو فساد کرنے کی جرأت بھی نہ ہوگی۔ اس خیال سے میں شریکِ مجلس ہوا۔ ایک ذاکر صاحب نے بیان کرنا شروع کیا۔ آدمی تھے خوش بیان خوش آواز سننے کو جی چاہتا تھا مگر

میرے پہلو میں ایک شیعہ صاحب بیٹھے تھے اور وہ بار بار محل بے محل پکار پکار کر یَا لَیْتَنِیْ کُنْتُ مَعَھُمْ کہتے جاتے تھے اور بیان ذاکر سننے نہیں دیتے تھے یَا لَیْتَنِیْ کُنْتُ مَعَھُمْ کے معنی یہ کہ اے کاش میں بھی امام حسینؑ کے لشکر میں ہوتا۔ خیر میں بادلِ ناخواستہ کچھ دیر بیٹھ کر چلا آیا۔ میرا آنا تھا کہ مجلس میں فساد ہوا۔ پولیس نے گیر و دار کی۔ بہت سے شیعہ سُنی پکڑ آئے۔ اُن میں وہ یَا لَیْتَنِیْ کُنْتُ مَعَھُمْ بھی تھے اور اُنہوں نے حلفاً شرکت مجلس سے انکار کیا۔ پس میں ڈرتا ہوں کہ مسلمان سر سیّد کے مرنے پر ایسا گریہ وزاری نہ کریں کہ رونے دھونے میں تو یَا لَیْتَنِیْ کُنْتُ مَعَھُمْ اور دینے کا وقت آئے تو شرکت سے انکار۔ میں سر سیّد کو تقریباً پینتالیس برس سے جانتا ہوں اور وہ مجھ پر ایک خاص طرح کی عنایت فرماتے تھے۔ میں اُن کے کالج کا ٹرسٹی تھا میں اُن کے کالج کا لکچرار اور دنیاوی تدابیر میں جو وہ مسلمانوں کی بہبودی کے لیے کیا کرتے تھے اُن کا ہم خیال میں سر سیّد کے ذاتی حالات سے بڑی آگہی رکھتا ہوں خدمات غدر کے جلدو میں اُن کو ایک باغی مسلمان کا علاقہ ملتا تھا انہوں نے یہ کہہ کر لینے سے انکار کیا کہ میں ایک مسلمان بھائی کے خون سے اپنی پیاس نہیں بجھانی چاہتا۔ غدر کے فرو ہوئے پیچھے سر سیّد نے بڑی جرأت سے گورمنٹ کے انتظام پر نکتہ چینی کی۔ ڈاکٹر ہنٹر نے ایک کتاب لکھ ماری کہ کوئی مسلمان اسلامی حیثیت سے برٹش گورمنٹ کا خیرخواہ ہو نہیں سکتا۔ سر سیّد نے سینہ سپر ہو کر اُس کا دنداں شکن جواب دیا اور وہ ہر اڑے وقت اسلام اور مسلمانوں کی حمایت کے لیے کھڑے رہتے تھے۔ ہندو اُن کی طرف سے کسی قدر بدگمان تھے اس لیے کہ سر سیّد کانگریس کے سخت مخالف تھے لیکن اب ہم ہندوؤں کو بھی ماتم کرتے دیکھتے ہیں۔ جب کانگریس والوں نے ناٹو برادر زاور تلک کو قید کرالیا دامودہر کو پھانسی دلوا چکے سڈیشن لاجاری کرادیا تو اب سمجھے کہ ہاں وہ مسلمان بڈھا ٹھیک کہتا تھا ؎

| | |
|---|---|
| بمی سجادہ رنگیں کن گرت پیر مغاں گوید | کہ سالک بے خبر نبود ز راہ و رسم منزلہا |

# چونتیسواں لکچر

جو حکیم **عبد المجید خاں** صاحب کو عطائے خطاب "حاذق الملک" کی
تقریب پر جلسہ تہنیت ٹون ہال دہلی میں ۱۸۹۸ء کو پڑھا گیا

ہوتی ہے یوں تو اوروں کو عزت خطاب سے — لیکن ہوئی خطاب کو عزت جناب سے
تم نے ہی اس کو پھر سے جمایا وگرنہ لوگ — خارج ہی کر چکے تھے طبابت حساب سے
ایک تہلکہ ہے ملک میں طاعون کے خوف سے — ڈرنا ہی سب کو چاہیے اُس کے عذاب سے
حاذق ہیں آپ فرض حذاقت نہ ہو قضا — خالی نہیں رہی کوئی طاعت ثواب سے
آنے نہ پائے شہر میں طاعونِ نابکار — ایسا نکالیے کوئی نسخہ کتاب سے
یعنی بیاضِ خاص جو پہنچی ہے آپ کو — **محمود خان** صاحبِ غفران آب سے
اور آ بھی جائے خیر تو کوئی نہ ہو ہلاک — طفلِ رضیع و مرد و زن و شیخ و شباب سے
طاعونیوں کو زحمتِ نقلِ مکاں نہ ہو — عورات گھر میں بیٹھی رہیں احتجاب سے
اور یہ نہیں تو موہم سو رادب نہ ہو — واقف نہیں طبیب حقیقت کے باب سے

خدا کے فضل سے یوں تو شہر میں اور بھی صاحبِ خطاب ہیں۔ میں اپنا مذکور نہیں کرتا کہ اوروں کو جو خطاب ملے ہیں بہ استحقاق ملے ہیں اور میں تو بلا استحقاقِ بخت و اتفاق سے گھر بیٹھے شمس العلماء بن گیا نہ خطاب سے پہلے اپنے تئیں اس کا اہل سمجھا اور نہ حصولِ خطاب کے بعد۔ یہاں تک کہ سر ولیم میکورتھ ینگ کو جو میں نے شکریہ کی نظم لکھ کر دی تو اُس میں ایک شعر یہ بھی تھا ؎

مجکو ملا خطاب تو ہے مجکو اس سے فخر — گو ہے خطاب کو مری نسبت سے عار و ننگ

بہرکیف مجکو چھوڑ کر شہر میں اور بھی صاحبِ خطاب ہیں۔ خطاب پانے والے کو تو خطاب کی خوشی ہوا ہی کرتی ہے اور ہونی بھی چاہیے۔ مگر دیکھنا یہ ہے کہ دوسرے لوگ کہاں تک اس خطاب سے

خوش ہوئے ہیں۔ تو میرے نزدیک غالباً یہ پہلا موقع ہو کہ اہلِ شہر **حکیم عبد المجید خاں** کے مخاطب ہونے کا شکریہ گورنمنٹ کو بھیجنے کے لئے جمع ہوئے ہیں اور اب گورنمنٹ کو معلوم ہو جائے گا کہ اُس نے **عبد المجید خاں** کو خطاب دے کر نہ صرف عبد المجید خاں کو بلکہ تمام اہلِ شہر کو۔ چہ ہندو و چہ مسلمان چہ عیسائی اپنا ممنونِ احسان بنا لیا ہو۔

مَیں عبد المجید خاں کو دوست رکھتا ہوں اور ہمارے اتنے بڑے شہر میں کون ہو جو عبد المجید خاں کو دوست نہیں رکھتا مگر دوستی کے علاوہ مجکو ایک خاص طور کی خوشی ہو کہ میں عبد المجید خان کے مدرسۂ طبیہ کا لکچرار ہوں اور نا آزمودہ طبِ یونانی کا طرف دار۔ میرے نزدیک گورنمنٹ نے عبد المجید خاں کو خطاب دے کر پبلک پر یہ بات ظاہر کر دی کہ گورنمنٹ مدرسۂ طبیہ اور طبِ یونانی دونوں کو عزت کی نگاہ سے دیکھتی ہو۔ عبد المجید خاں کو خطاب تو اب ملا ہو مگر میں تو اسی دن سے جب **عبد المجید خاں** نے مدرسۂ طبیہ کی بنیاد ڈالی اس انجام کو سمجھ چکا تھا۔ میں جانتا تھا کہ مدرسۂ طبیہ ضرور حکام کو بلا کر رہے گا۔ چنانچہ بلایا اور وہ آئے اور ممکن نہ تھا کہ حکام کو پبلک کے فائدہ کا ایک انسٹیٹیوشن دکھایا جائے اور وہ اُس کی قدر نہ کریں۔ **عبد المجید خاں** کا خطاب اسی قدر دانی کا ضروری نتیجہ ہو بلکہ میں کہتا ہوں کہ اسی قدر دانی کی تمہید ہو ؎

| | |
|---|---|
| این کہ دیدی مراتبِ جزوی ست | کارِ کلّی ہنوز در قدر است |

پس میں ممبرانِ کمیٹی سے بڑے ابرام کے ساتھ درخواست کرتا ہوں کہ اہلِ خطاب ہونے کے اعتبار سے نہیں۔ دہلی کا باشندہ ہونے کی وجہ سے نہیں۔ بلکہ مدرسۂ طبیہ کا لکچرار اور طبِ یونانی کا نا آزمودہ طرف دار ہونے کی حیثیت سے شکریئے کے ووٹ میں سب سے پہلے میرا نام لکھیں

# پینتیسواں لکچر

جو

انجمن حمایت اسلام لاہور کے چودہویں سالانہ جلسے میں اسلامیہ کالج پر جون ۱۸۹۹ء کو دیا گیا

بسم اللہ الرحمن الرحیم

| | |
|---|---|
| کفر کافر را و دین دین دار را | ذرّۂ دردے دل عطار را |

یہ حضرت شیخ **فریدالدین** عطار قدس اللہ سرّہُ العزیز کا ایک شعر ہی جو کبار مشائخ رضوان اللہ علیہم میں سے ہو گزرے ہیں۔ اور شعر کہہ کر بھی اس کی تقریب کیوں کروں بلکہ مجکو یوں کہنا چاہیے کہ یہ اُن کی دعا ہی اور دعا بھی مخ الادعیہ دعاؤں کی جان۔ ہم لوگ جو دعا کیا کرتے ہیں اور کون ہی جو دعا نہیں کرتا یعنی کون ہی جس کو کسی طرح کی حاجت نہیں اور وہ اُس کو خدا سے نہیں مانگتا وَاللّٰہُ الْغَنِیُّ وَاَنْتُمُ الْفُقَرَاءُ[1] تو ہم لوگ جو دعا کیا کرتے ہیں تو ہماری دعا اکثر مال اور اولاد اور تن درستی وغیرہ دنیا کے چند روزہ اور عارضی فائدوں کے لیے ہوا کرتی ہی۔ زُیِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوَاتِ مِنَ النِّسَاءِ وَالْبَنِينَ وَالْقَنَاطِيرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْأَنْعَامِ وَالْحَرْثِ ذَٰلِكَ مَتَاعُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَاللَّهُ عِنْدَهُ حُسْنُ الْمَآبِ قُلْ أَؤُنَبِّئُكُمْ بِخَيْرٍ مِنْ ذَٰلِكُمْ لِلَّذِينَ اتَّقَوْا عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنَّاتٌ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا وَأَزْوَاجٌ مُطَهَّرَةٌ وَرِضْوَانٌ مِنَ اللَّهِ وَاللَّهُ بَصِيرٌ بِالْعِبَادِ[2] بات یہ ہی کہ انسان کے پیدا کرنے میں خدا نے عجیب طرح سے جمع بین الاضداد

---

[1] اللہ بے نیاز ہی اور تم سب اُسی کے محتاج ہو [2] لوگوں (کی بناوٹ اس طرح کی واقع ہوئی ہی کہ اُن) کو (دنیا کی) مرغوب چیزوں یعنی (مثلاً) بیبیوں اور سونے چاندی کے بڑے بڑے ڈھیروں اور عمدہ عمدہ گھوڑوں اور مویشیوں اور کھیتی کے ساتھ دل بستگی بھی معلوم ہوتی ہی (حالانکہ) یہ (تو) دنیا کی زندگی کے (چند روزہ) فائدے ہیں اور ہمیشہ کا اچھا ٹھکانا تو اُسی (اللہ) کے ہاں ہی (اے پیغمبر ان لوگوں سے) کہو کہ (اگر چاہو تو) میں تم کو ان (دنیاوی چند روزہ فائدوں)

کیا ہو۔ انسان کا کالبد عناصر مختلف الطبائع سے مرکب ہو سو ہو جن میں جزو غالب مٹی ہو مِنْهَا خَلَقْنٰكُمْ وَفِيهَا نُعِيدُكُمْ وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً أُخْرَىٰ اس ترکیب کے علاوہ انسان میں ایک ترکیب روح وجسد کی اور ہو جسم انسان میں مثلاً آگ اور پانی کو ایک جگہ جمع کر دکھایا ہو تو روح وجسد کے مجموعے میں نور و ظلمت کو لطیف و کثیف کو باقی اور فانی کو۔ یوں تو پانی آگ بجھا دیتا ہو مگر دیگچی میں ڈال کر جوش دو تو آگ کی خاصیت یعنی حرارت پانی میں آجاتی ہو۔ آگ اور پانی کا جمع ہونا تو کسی قدر سمجھ میں آتا بھی ہو مگر روح وجسد کے جمع ہونے کا معمانہ آج تک حل ہوا نہ ہو اس واسطے کہ روح کی حقیقت معلوم نہیں تو روح وجسد کے تعلق کی کیفیت کیا معلوم ہو۔ يَسْأَلُونَكَ عَنِ الرُّوحِ قُلِ الرُّوحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّي وَمَا أُوتِيتُم مِّنَ الْعِلْمِ إِلَّا قَلِيلًا غرض ہم اپنی حد سے قدم کیوں باہر رکھیں اتنا جانتے ہیں اور اتنا ہی جان سکتے ہیں کہ انسان میں جسد اور روح دو چیزیں ہیں۔ جسد مادی ہو کثیف اور اُس میں اجزائے ارضی غالب اور روح کوئی چیز ہو غیر مادی لطیف اور انسان کی طبیعت میں دونوں قسم کی خاصیتیں پائی جاتی ہیں ؂

| | |
|---|---|
| آدمی زادہ طرفہ معجون است | از ملائک سرشتہ وز حیوان |
| گر کند میل ایں شود کم ازیں | ور رود سوی آں شود بہ ازاں |

جن کی طبیعت میں جسمانیت غالب ہو وہ مٹی سے بنے ہیں اور مٹی کا خاصہ ہو پستی ؂

بقیہ نوٹ صفحہ ۲۴۱ ـ سے بہت بہتر چیز بتاؤں (وہ یہ کہ) جن لوگوں نے پرہیزگاری اختیار کی اُن کے لیے اُن کے پروردگار کے ہاں (بہشت کے) باغ ہیں جن کے تلے نہریں (پڑی) بہ رہی ہیں (اور وہ) اُن میں ہمیشہ (ہمیشہ) رہیں گے اور (باغوں کے علاوہ اُن کے لیے) پاک صاف بیبیاں ہیں اور (سب سے بڑھ کر) خدا کی خوشنودی (ہی) اور اللہ بندوں (کے نیک و بد) کو دیکھ رہا ہو ۱۲ ؂۱ (لوگو!) اسی زمین سے ہم نے تم کو پیدا کیا اور (مرے پیچھے) اُسی میں تم کو لوٹا کر لائیں گے اور اُسی سے (قیامت کے دن) تم کو دوبارہ نکال کھڑا کریں گے ؂۲ (اے پیغمبر لوگ) تم سے روح کی حقیقت دریافت کرتے ہیں تو (ان سے) کہدو کہ روح (بھی) (میرے پروردگار کا ایک حکم ہو اور (تم لوگوں کو (اسرار الٰہی میں سے) بس تھوڑا ہی سا علم دیا گیا ہو ۱۲

| | |
|---|---|
| زخاک آفریدت خداوندِ پاک | پس ای بندہ افتادگی کن چو خاک |
| حریص وجہاں سوز وسرکش مباش | زخاک آفریدت آتش مباش |
| چو گردن کشد آتش ہول ناک | بہ بے چارگی تن بینداخت خاک |
| چو آں سرفرازی منود ایں کمی | ازآں دیو کردند ازیں آدمی |

تِلْكَ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِيْنَ لَا يُرِيْدُوْنَ عُلُوًّا فِي الْاَرْضِ وَلَا فَسَادًا وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ یہ جسمانیت ہی تو ہی جو ہمارے خیالات کو بلند نہیں ہونے دیتی اور ہم دعا بھی کرتے ہیں تو مال اور اولاد اور تن درستی وغیرہ دنیا کی چند روزہ اور عارضی اور فانی یعنی ادنی درجے کی چیزوں کی لیکن سب کا یہ حال نہیں لَيْسُوْا سَوَاءً ان سے اونچی پرواز اُن کی ہی جو بَلْ تُؤْثِرُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى کو پیش نظر رکھ کر آخرت کی خیر منایا کرتے ہیں۔ یہ لوگ ہم دنیا کے طلبگاروں سے تو یقیناً اعلیٰ اور افضل اور اشرف ہیں مگر گردان کبوتر کی طرح یہ بھی دانے کے لالچ سے چھتری ہی کے گرد منڈلا رہے ہیں ؎

| | |
|---|---|
| کب حق پرست زاہد جنت پرست ہی | حوروں پہ مر رہا ہی یہ شہوت پرست ہی |

غرض دنیا کے طالب ہوں یا آخرت کے ہیں دونوں خود غرض۔ ہم تو اُن کی ہمت اور سیر چشمی کے قائل ہیں جو نہ دنیا چاہتے ہیں اور نہ عقبیٰ۔ اور چاہتے ہیں تو کیا چاہتے ہیں درد ؎

| | |
|---|---|
| کفر کافر را و دیں دیں دار را | ذرۂ دردے دل عطار را |

مگر دیکھنا یہ ہی کہ جس درد کے لیے حضرت شیخ فریدالدین عطار جیسا برگزیدۂ خدا دعا کرتا تھا وہ کیسا درد تھا وہ درد تھا دردِ قوم۔ اور ہمارے ملک اور ہمارے زمانے اور ہماری قوم میں اس نکتے کو پہنچا تھا وہ مرنے والا سید احمد جس کا ماتم لوگ مہینوں سے کر رہے ہیں اور برسوں

لہ (دنیا کی نعمتیں تو ہر کس وناکس کو مل جاتی ہیں مگر) یہ آخرت کا گھر ہی جس (کی نعمتوں) کو ہم نے ان لوگوں کے لیے (خاص) کر رکھا ہی جو دنیا میں کسی طرح کی شیخی کرنی نہیں چاہتے اور نہ فساد (کے خواہاں ہیں) اور انجام (بخیر تو) پرہیزگاروں (ہی) کا ہی ۱۲

لہ مگر تم لوگ دنیا کی زندگی کو مقدم رکھتے ہو حالاں کہ آخرت (دنیا سے) کہیں بہتر اور زیادہ پائدار ہی ۱۲

کیا کریں گے اور میں نے تو دہلی کے کانفرنس میں پیشین گوئی بھی کی تھی اور سید احمد کو مخاطب کر کے کہا تھا ؎

سب تجھے روئے گی سر پہ ہاتھ رکھ کر قوم بدقسمت ۔۔۔ اور اس کو دیکھے گا جو کوئی جیتا رہا باقی

اس درد نے اُسے اتنے دنوں زندہ رکھا اور آخر کو اسی درد نے اُس کو مارا بھی اور اُمید ہے کہ دردمندوں کے ساتھ اُس کا حشر بھی ہوگا اَللّٰھُمَّ اَحْیِنِیْ مِسْکِیْنًا وَّاَمِتْنِیْ مِسْکِیْنًا وَّاحْشُرْنِیْ فِیْ زُمْرَۃِ الْمَسَاکِیْنَ؎

دردِ ہی جان کے عوض ہر رگ و پے میں اپنے ۔۔۔ چارہ گر ہم نہیں ہونے کے جو درماں ہوگا

میں حیدرآباد میں تھا اور یہ وہ زمانہ ہے کہ نواب **محسن الملک** بہادر نظام گورنمنٹ کے چیف سکرٹری تھے اور آنربل **سید محمود** بھی نظام سروس میں داخل ہونے کے لیے حیدرآباد گئے ہوئے تھے۔ اتفاق سے **سید احمد خاں** سخت بیمار پڑے محمود نے ڈاکٹر کو جو سید احمد خاں کا معالج تھا لکھا کہ اگر سید احمد خاں کی حالت خطرناک ہو تو مجھے اطلاع دو۔ ڈاکٹر نے محمود کو اطمینان دلایا کہ تمہارے باپ کی جان **علی گڑھ** کالج میں لٹکی ہوئی ہے کالج کے پورے ہونے تک تو وہ مرنے نہیں۔ اور واقع میں ظاہری تن و توش کے اعتبار سے وہ ابھی نہ مرتا اُس کو قبل از وقت مارا کالج کے نقصان نے۔ اُس نے کالج کے نقصان کی تلافی کے لیے بہیترے ہاتھ پاؤں مارے۔ قوم نے اُس کی فریاد نہ سُنی وہ اُس کے صدمے کا متحمل نہ ہو سکا اور مایوسانہ اپنی جان پر کھیل گیا۔ اب قوم اُس کے بیٹے کو لوٹے کے بہائی ہے اور قوم سے اُس کا خون بہا لینا ہے۔ دس لاکھ روپیہ اگر قوم نے دیتے ادا کر دیے تو خیر ورنہ قوم پر سرسید کے خون کا دعویٰ کرنا پڑے گا۔ دس لاکھ روپیہ جو ہم لوگوں نے سید کا خون بہا قرار دیا یہ بھی اُسی مرنے والے کی خاطر سے کہ وہ ہر وقت قوم پر اپنی جان فدا کرنے کو تیار تھا ورنہ اُس کی جان گرامی کا تو کچھ معاوضہ ہو ہی نہیں سکتا ؎

ہر دو عالم قیمتِ خود گفتۂ ۔۔۔ نرخ بالا کن کہ ارزانی ہنوز

؎۱ اے خدا مسکینت ہی کی حالت میں مجکو زندہ رکھ اور مسکینیت ہی کی حالت میں مجکو مار اور مسکینوں کے ساتھ میرا حشر کر

آہ و درد کے متعلق جس کے لیے حضرت فریدالدین عطار رحمۃ اللہ دعائیں مانگا کرتے تھے۔ اور جس درد میں **سید احمد خاں** نے جان دی دو چار باتیں اور سنو تاکہ اس درد کی حقیقت اچھی طرح ذہن نشین ہو جائے۔ خدا کی طرف سے یہ درد رحمت کے پیرائے میں ظاہر ہوتا ہے۔ اِنَّ اللّٰہَ بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ [۵۱]۔ اور رَحْمَتِیْ وَسِعَتْ کُلَّ شَیْءٍ [۵۲] اور کَتَبَ عَلٰی نَفْسِہِ الرَّحْمَۃَ [۵۳] اور بندوں کی طرف سے باہمی الفت محبت شفقت ہمدردی خیر خواہی کی صورت میں ؎

درد دل کے واسطے پیدا کیا انسان کو
ورنہ طاعت کے لیے کچھ کم نہ تھے کروبیاں

وَلَوْ نَشَآءُ لَجَعَلْنَا مِنْکُمْ مَّلٰٓئِکَۃً فِی الْاَرْضِ یَخْلُفُوْنَ [۵۴]۔ فِعْلُ الْحَکِیْمِ لَا یَخْلُوْ عَنِ الْحِکْمَۃِ [۵۵] ایک مسلمہ کلیہ ہے اور اسی کی بنا پر اکثر خیال آیا کرتا ہے کہ خدا نے یہ دنیا کا جنجال کیوں بنا کھڑا کیا ہوگا اور قرآن میں بھی رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ ھٰذَا بَاطِلًا [۵۶] اور اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰکُمْ عَبَثًا وَّاَنَّکُمْ اِلَیْنَا لَا تُرْجَعُوْنَ [۵۷] اور اسی طرح کی دوسری آیتوں میں اسی کی طرف اشارہ ہے تو انسان جہاں اور باتوں کی لِمَ کے دریافت کرنے کے پیچھے پڑا رہتا ہے چاہتا ہے کہ مصلحت خلق عالم کو بھی دریافت کرے۔ مفسرین نے بہت سی باتیں تجویز کی ہیں ازاں جملہ جوبات سب سے زیادہ دل کو لگتی ہوئی ہے یہ ہے کہ دنیا اظہار درد کے لیے بنائی گئی ہے۔ یعنی یوں تو خدا کی ذات تمام صفات کمالیہ کی جامع ہے مگر اس کی غالب صفت رحمت ہے۔ اور اسی رحمت کا نمودار کرنا منظور تھا کہ اس نے

[۵۱] خدا تو لوگوں پر بڑی ہی شفقت رکھنے والا مہربان ہے ۱۲ [۵۲] اور میری جو رحمت ہے وہ سب چیزوں کو شامل ہے ۱۲ [۵۳] اس نے (از خود لوگوں پر) مہربانی کرنے کو اپنے اوپر لازم کر لیا ہے۔ ۱۲ [۵۴] اور ہم چاہتے تو تم میں سے فرشتے (پیدا) کر دیتے کہ وہ زمین میں تمہاری جگہ آباد ہوتے۔ ۱۲ [۵۵] حکیم کا کوئی فعل حکمت سے خالی نہیں ہوتا۔ ۱۲ [۵۶] اے پروردگار تو نے اس (کارخانۂ عالم) کو بے فائدہ (تو) نہیں بنایا۔ ۱۲ [۵۷] (لوگو!) کیا تم ایسا خیال کرتے ہو کہ ہم نے تم کو (یوں ہی) بے کار پیدا کر دیا ہے اور یہ کہ تم کو ہماری طرف لوٹ کر آنا نہیں۔ ۱۲

یہ عالم بنایا جس کے ذرہ ذرہ سے اُس کی شانِ رحیمی ظاہر ہی اشد الظہور ہو اَللّٰہُ الَّذِیۡ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ وَاَنۡزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخۡرَجَ بِہٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزۡقًا لَّکُمۡ ۚ وَسَخَّرَ لَکُمُ الۡفُلۡکَ لِتَجۡرِیَ فِی الۡبَحۡرِ بِاَمۡرِہٖ ۚ وَسَخَّرَ لَکُمُ الۡاَنۡہٰرَ ۚ وَسَخَّرَ لَکُمُ الشَّمۡسَ وَالۡقَمَرَ دَآئِبَیۡنِ ۚ وَسَخَّرَ لَکُمُ الَّیۡلَ وَالنَّہَارَ ۚ وَاٰتٰىکُمۡ مِّنۡ کُلِّ مَا سَاَلۡتُمُوۡہُ ؕ وَاِنۡ تَعُدُّوۡا نِعۡمَتَ اللّٰہِ لَا تُحۡصُوۡہَا ؕ اِنَّ الۡاِنۡسَانَ لَظَلُوۡمٌ کَفَّارٌ ٪

قریب قریب اسی کا ترجمہ ہی **قطعہ**

| | |
|---|---|
| ابر و باد و مہ و خورشید و فلک در کار اند | تا تو نانے بکف آری و بہ غفلت نخوری |
| ہمہ از بہر تو سرگشتہ و فرماں بردار | شرطِ انصاف نباشد کہ تو فرماں نہ بری |

اَلۡخَلۡقُ عَیَالُ اللّٰہِ سے خالق اور مخلوق کا علاقہ قلّ وَدلّ طور پر ظاہر ہوتا ہی۔ دنیا گھر ہی خدا ربّ البیت اور مخلوقات اُس کے بال بچے ربُّ البیت ہونے کی حیثیت سے خدا کا کام ہی اپنے بال بچوں کا پالنا۔ اور وہ پال رہا ہی۔ وَمَا مِنۡ دَآبَّۃٍ فِی الۡاَرۡضِ اِلَّا عَلَی اللّٰہِ رِزۡقُہَا اور عیال ہونے کی حیثیت سے ہمارا فرض ہی اُس کا حکم ماننا اس کی مرضی پر کاربند ہونا جس کا دوسرا نام ہی دین۔ بے شک دین ایک علم مبسوط ہوگیا ہی اور اگر ہم دین کے صرف خلاصے لکھنے چاہیں جیسے آج کل کے طالب علم مثلاً تاریخ کے سوالات بنا لیا کرتے ہیں تاہم عبادات ۔ معاملات ۔ اوامر و نواہی کی لمبی فہرستیں بنانی پڑیں گی ۔ مگر ان سب کا لُبِ لباب آخر کو جا کر ٹھیرے گا وہی دو جس کی نسبت میں نے ابھی کہا تھا کہ خدا کی طرف سے رحمت کے پیرائے میں ظاہر ہوتا ہی اور ہم بندوں کی طرف سے باہمی الفت محبت

۵۱ اللہ ہی (ایسا قادر مطلق) ہی جس نے آسمان و زمین کو پیدا کیا اور آسمان سے پانی برسایا پھر پانی کے ذریعے سے (درختوں سے) پھل نکالے وہ تمہاری روزی ہی اور کشتیوں کو تمہارے اختیار میں کر دیا تاکہ اُس کے حکم سے دریا میں چلیں اور (نیز) ندیوں کو تمہارے اختیار میں کر دیا اور (اسی طرح ایک اعتبار سے) سورج اور چاند کو تمہارے اختیار میں کر دیا کہ دونوں پڑے چکر کھا رہے ہیں اور (ایسا ہی ایک طرح سے) رات اور دن کو تمہارے اختیار میں کر دیا اور جو کچھ تم کو درکار تھا بقدر مناسب تم کو دیا اور اگر خدا کی نعمتوں کو گننا چاہو تو اُن کو پورا پورا گن نہ سکو۔ کچھ شک نہیں کہ انسان بڑا ہی بے انصاف (اور) بڑا ہی ناشکر ہو۔ ۱۲

۵۲ اور جتنے جاندار روئے زمین پر چلتے پھرتے ہیں ان (سب) کی روزی اللہ ہی کے ذمہ ہی ۱۲

شفقت ہمدردی خیر خواہی کی صورت میں۔ دنیا میں کسی مذہب کو بھی درد کی رعایت سے خالی نہ پاؤ گے اس لیے کہ مذہب کی بنیاد ہی درد پر رکھی گئی ہو بلکہ بعض نے تو درد کے بارے میں اتنا مبالغہ کیا ہو کہ جس طرح بہت شیرینی گلوسوز ہو جاتی ہو اُسی طرح اُنھوں نے درد پر اتنا زور دیا کہ حدِ امکان سے باہر ہو گیا اور اگر اُس پر عمل کیا جائے تو بجائے اس کے کہ امن و عافیت کو ترقی دے اُس میں خلل انداز ہو ؎

| | | | |
|---|---|---|---|
| لطفِ حق با تو مواسا ہا کند | | چوں کہ از حد بگذرد رسوا کند | |

عیسائیوں کے یہ احکام کہ اگر کوئی تیرے داہنے گلے پر طپانچہ مارے تو تو بایاں بھی اُس کے آگے کر دے یا یہ کہ اپنے اکلوتے بیٹے کی طرح جانی دشمن کے حق میں صدق دل سے دعا کر اسی قبیل سے ہیں ہندوؤں میں بھی دیا کی بڑی تاکید ہو یہاں تک کہ ان کے ہاں جان کے مارنے سے بڑھ کر کوئی ہتیا نہیں ؎

| | | |
|---|---|---|
| میازار مورے کہ دانہ کش است | | کہ جاں دارد و جانِ شیریں خوش ست |

ان میں کا ایک گروہ رات کو گھر میں چراغ نہیں جلاتا۔ مُنہ پر کپڑا لٹکائے رہتے ہیں۔ گئو کی رکھشا کرتے جانوروں کے پانی پینے کے لیے بازاروں میں پیاؤ بٹھائے رکھتے چیونٹیوں کے بلوں میں کھانڈ ڈالتے پھرتے۔ افسوس کہ ان رحم دل لوگوں میں اب ایک گروہ ایسا نکل پڑا ہے جو اپنے جیسے آدمیوں کو چین سے بیٹھنے نہیں دیتا۔ ”بدنام کنندۂ نکونامے چند“ لوگ غور نہیں کرتے۔ غور کریں تو جانیں کہ درد ہی اصل دین ہو۔ درد ہی وہ ستون ہو جس پر زمین و آسمان کھڑے ہیں درد ہی دنیا کی فلاح اور آخرت کی نجات کا ذریعہ ہے۔ درد ہی دین داری اور خدا پرستی کی معیار ہو مصرع

”آں را کہ عقل بیش غمِ روزگار بیش“

لوگ تو اس کے یہ معنی کرتے ہیں کہ جس میں عقل بہت ہوتی ہو وہ سب سے زیادہ دنیا کے کھکیڑوں میں مبتلا رہتا ہو اور میں یہ معنی کرتا ہوں اور یہی ہیں اور یہی ہونے چاہئیں کہ جس میں عقل بہت

ہوتی ہے اُس کو ابنائے روزگار کا درد بہت زیادہ ہوتا ہے یعنی دردِ قومی عقل کی کمی بیشی کی شناخت کی کسوٹی ہے۔ بزرگانِ دین کے حالات پر نظر کروگے تو پاؤگے کہ یہی درد اِن کے رگ وپے میں کوٹ کوٹ کر بھرا تھا۔ ہم جناب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے شروع کرتے ہیں کہ اِن کو جس قدر امت کا درد تھا ہم اس کا اندازہ ہی نہیں کر سکتے لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِنْ أَنْفُسِكُمْ عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِينَ رَءُوفٌ رَحِيمٌ وہ ہر وقت ایک ایک مسلمان کے لیے جان تک دینے کو موجود تھے۔ وہ مسلمانوں کو ننگا بھوکا نہ دیکھ سکتے اور آپ فقر و فاقہ سے بسر کرتے۔ اس سے بڑھ کر فقر و فاقہ اور کیا ہوگا کہ ساری عمر جَو کی روٹی پیٹ بھر نہ کھائی۔ پیٹ پر پتھر باندھے کہ بھوک کی ایذا محسوس نہ ہو۔ اکثر ایسا ہوا کہ بیتِ نبوی میں چراغ نہیں جلا۔ صحابہ کسی ضرورت سے حاضرِ خدمت ہوئے آپ لیٹے تھے اٹھ بیٹھے تو پہلوؤں میں کھجور کے بوریئے کی بدھیاں پڑی ہوئی تھیں یہ دیکھ کر صحابہ کا دل بھر آیا۔ اور بہ فرقِ مراتب قریب قریب یہی حال اہلِ بیت اور صحابہ کا تھا رضوان اللہِ علیہم اجمعین۔ ان لوگوں نے اسلام کی کھیتی کو خون اور پسینے سے سینچا تب کہیں جا کر وہ پھلی پھولی اور اس میں عزت اور دولت اور سلطنت اور تہذیب اور شایستگی کے پھل لگے ۵

تو کہ بدولتِ ایشاں رسی کہ نتوانی
بجز دو رکعت و آں ہم بصد پریشانی

اور یہ واقعات تاریخی اور نفس الامری ہیں۔ کہیں ایسا نہ سمجھ لینا کہ بزرگانِ دین میں سے جو لوگ فقیر منش تارک الدنیا ہو گزرے ہیں امت کے درد سے فارغ تھے۔ نہیں نہیں۔ ان کے پاس بھی درد کی کمی نہ تھی۔ مگر کسی کا درد ملک گیری اور ملک داری کی شکل میں ظاہر ہوا کسی کا وعظ و پند کی کسی کا اصلاح نفوس کی کسی کا تعلیم و تلقین کی۔ کسی کا درس و تدریس کی۔ کسی کا تصنیف و تالیف کی۔ اب میں دکھاتا ہوں کہ **سید احمد خاں** کا دردِ دل کن کن شکلوں میں ظاہر ہوا۔ وہ پاک دل لے کر پیدا ہوئے تھے۔ اور چوں کہ پاک اصل کی فرع تھے اور اُن کا خاندان مذہبی خاندان تھا اوائلِ عمر سے اُن کی توجہ مذہب کی طرف مصروف ہوئی وہ ایک مدت تک فقیروں کی طرف مائل رہے پھر اُن کو حدیث کا شوق ہوا اور میں خیال کرتا ہوں کہ کتب حدیث کے مطالعے نے اسلام کی

رقی ہے (اور) ان کو تمہاری بہبود کا ہوکا ہے (اور) مسلمانوں

سادگی اور آزادی کا نقش فی الحجر ان کے ذہن میں بٹھائی۔ آثار الصنادید ان کی ابتدائی تصنیف ہے جس سے ان کی طبیعت کا رجحان ظاہر ہوتا ہے۔ جبکہ ان کی عمر کے لوگ ایشیائی مشغلوں سے جی بہلاتے تھے یہ پرانی دلی کے کھنڈرات کی تحقیقات میں اپنا وقت صرف کرتے تھے۔ گزشتگان کی یادگاریں زیارتِ قبور کا حکم رکھتی ہیں جس کی نسبت آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے كُنْتُ نَهَيْتُكُمْ عَنْ زِيَارَةِ الْقُبُورِ أَلَا فَزُورُوهَا فَإِنَّهَا أَلْيَنُ لِلْقُلُوبِ[1] میں سمجھتا ہوں آثار الصنادید کی تصنیف سے **سید احمد خاں** کا طبعی ورود دل ڈیویلپ ہونا شروع ہوا پہلے فقہ پھر حدیث پھر آثار الصنادید کی تصنیف سے مزاج کی افتاد تو معلوم ہوئی مگر ابھی تک سید احمد خاں نے اپنا کوئی خاص مسلک قرار نہیں دیا تھا مسلک کی تعیین میں بہت دنوں تک ان کی حالت ان کے جدِ امجد ابو الانبیاء ابراہیم علیہ السلام کی سی رہی[2] وَكَذٰلِكَ نُرِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلِيَكُوْنَ مِنَ الْمُوْقِنِيْنَ فَلَمَّا جَنَّ عَلَيْهِ الَّيْلُ رَاٰ كَوْكَبًا قَالَ هٰذَا رَبِّيْ فَلَمَّآ اَفَلَ قَالَ لَآ اُحِبُّ الْاٰفِلِيْنَ فَلَمَّا رَاَ الْقَمَرَ بَازِغًا قَالَ هٰذَا رَبِّيْ فَلَمَّآ اَفَلَ قَالَ لَئِنْ لَّمْ يَهْدِنِيْ رَبِّيْ لَاَكُوْنَنَّ مِنَ الْقَوْمِ الضَّآلِّيْنَ فَلَمَّا رَاَ الشَّمْسَ بَازِغَةً قَالَ هٰذَا رَبِّيْ هٰذَآ اَكْبَرُ فَلَمَّآ اَفَلَتْ قَالَ يٰقَوْمِ اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ۝ اِنِّيْ وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِيْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِيْفًا وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ حیرت اور تردد کا جو کچھ اور جیسا کچھ پردہ دل کی آنکھوں پر پڑا ہوا تھا ۱۸۵۷ء کے غدر نے اس کو

---

[1] میں نے تم کو قبروں کی زیارت سے منع کر دیا تھا تو اب میں اجازت دیتا ہوں کہ قبروں کی زیارت کیا کرو اس لئے کہ قبروں کی زیارت دل کو خوب نرم کر دیتی ہے۔ ۱۲ منہ

[2] اور (جس طرح ابراہیم کے دل میں ہم نے یہ خیال پیدا کیا) اسی طرح ہم ابراہیم کو آسمان و زمین کا انتظام دکھانے لگے تاکہ وہ (کامل) یقین کرنے والوں میں سے ہو جائیں ۰ تو جب ان پر رات چھا گئی (ان کو ایک ستارہ نظر آیا اور اس کو دیکھ کر) لگے کہنے کہ یہی میرا پروردگار ہے۔ پھر جب وہ غروب ہو گیا تو بولے کہ غروب ہو جانے والی چیزوں کو تو میں پسند نہیں رکھتا (کہ خدا مان لوں) پھر جب چاند کو دیکھا کہ بڑا جگمگا رہا ہے تو لگے کہنے یہی میرا پروردگار ہے ۱۲ پھر جب (وہ بھی) غروب ہو گیا تو بولے اگر مجھکو میرا پروردگار راہِ راست نہیں دکھاتا گا تو بے شک میں (بھی) گمراہ لوگوں میں ہو جاؤں گا۔ پھر جب سورج کو دیکھا کہ بڑا جگمگا رہا ہے تو لگے کہنے کہ یہی میرا

ہٹا کر چودہ طبق روشن کر دیئے ۔ یہ غدر مسلمانوں کے حق میں ایک طرح کی قیامت تھی تو جس طرح حقیقی قیامت میں ساری حقیقت کھل پڑے گی غدر کی نقلی قیامت میں **سید احمد خاں** نے بچشمِ سر دیکھا کہ مسلمان پس گئے مٹ گئے ۔ تباہ و برباد ہو گئے ہمیشہ کے لئے حکامِ وقت کی نظر میں بے اعتماد ٹھہر چکے اِنَّ الْمُلُوْکَ اِذَا دَخَلُوْا قَرْیَۃً اَفْسَدُوْھَا وَجَعَلُوْٓا اَعِزَّۃَ اَھْلِھَآ اَذِلَّۃً وَکَذٰلِکَ یَفْعَلُوْنَ اب سید احمد خاں کی حُبِّ قومی نے اس زور سے خروج کیا جیسے کوہ آتش فشاں سے پگھلا ہوا مادّہ نکلا کرتا ہے ۔ انہوں نے جان و مال اور آبرو کی مطلق پروا نہ کر کے عین شورش کے زمانے میں گورمنٹ کے انتظام پر نکتہ چینی کی ۔ جو شخص غدر کے حالات سے واقف ہے وہ سمجھ سکتا ہے کہ **سید احمد خاں** کا یہ فعل کسی طرح جہادِ اکبر سے کم نہ تھا ۔ سید احمد خاں نے اسی پر بس نہیں کیا بلکہ گورمنٹ کے اصول کو سمجھا اور تمام حالات پر نظر کر کے یہ نتیجہ نکالا کہ برٹش گورمنٹ سے بہتر کوئی گورمنٹ ہو نہیں سکتی اور ملک کی فلاح اور بہبود اسی کے ثبات اور قیام اور اطمینان کے ساتھ وابستہ ہے پس یہ گر تھا جو سید احمد خاں نے پکڑ پایا اور پھر اس جزو ضعیف نے کوشش شروع کی کہ گورمنٹ اور رعایا میں جو اجنبیت ہے اُس کو کسی ڈھب سے دور کر دوں اس کے بعد سے اُس نے جو کچھ کیا اور بہت کچھ کیا اور جو کچھ کہا اور بہت کچھ کہا ۔ اور جو کچھ لکھا اور بہت کچھ لکھا سب کا ترجیع بند گورمنٹ اور رعایا کا اتحاد اور التیام ہے ۔ وہ بے شک مسلمان تھا اور سچا مسلمان تھا اور "اول خویش بعدہٗ درویش" کے نیچرل رول کے مطابق اُس کی کوشش مسلمانوں کے گروہ میں محدود تھی مگر اُس کے اصولِ عام تھے اور ہندو مسلمان یکساں طور پر

---

بقیہ نوٹ صفحہ ۲۵۵ پر ور دگار ہے کہ یہ سب سے بڑا ہے ۔ پھر جب (وہ بھی) غروب ہو گیا تو اپنی قوم سے مخاطب ہو کر) بولے کہ بھائیو جن چیزوں کو تم شریک (خدا) مانتے ہو میں تو اُن سے بے تعلق محض ہوں ۔ میں نے تو ایک ہی کا ہو کر اپنا رخ اُسی ذات پاک کی طرف کر لیا ہے جس نے آسمان و زمین کو بنایا اور میں مشرکوں میں سے نہیں ہوں ۔ ۱۲ سہ ۵۱ بادشاہ جب کسی شہر کو بزور فتح کر کے (اُس) میں داخل ہوا کرتے ہیں تو (اُن کا دستور ہے کہ) اُس کو خراب اور وہاں کے معزز لوگوں کو ذلیل کر دیا کرتے ہیں اور (واقع میں) ایسا ہی کیا کرتے ہیں ۱۲

اُس کی نصیحتوں سے مستفید ہوتے تھے۔ اُس نے ایسے بڑے کام کا بیڑا اُٹھایا تھا جو حقیقت میں رفارمر کا نہیں بلکہ پیغمبر مؤید من اللہ کے کرنے کا تھا اور صدیوں میں کرنے کا تھا اور ضرور تھا کہ قدم قدم پر اُس کو ناکامی پیش آئے اور آتی ہی تھی۔ میں اپنی جگہ **سیّد احمد** کی نسبت کہا کرتا تھا **مصرع**

چہ است در سر این قطرۂ محال اندیش

متصل اور متواتر ناکامیوں سے اُن کا غصہ بڑھ گیا تھا وہ جل کر اپنوں کو بھی سخت بات کہہ بیٹھا کرتے تھے۔ ایک دن اپنے خیال میں محو ٹہل رہے تھے میں جا نکلا تو بار بار اُن کے منہ سے نکلا پاجی! پاجی!! میں نے کہا کیا مجکو ارشاد ہوتا ہے۔ ایک بار لال پیلی آنکھیں نکال کر کہا ہاں تم کو۔ لوگ اس بھید سے تو واقف نہ تھے بگڑ بیٹھتے تھے۔ اُنہوں نے کانگریس کو پبلک اور گورمنٹ دونو کے حق میں مضر سمجھ کر سختی کے ساتھ مقابلہ کیا ؎

| | | | |
|---|---|---|---|
| دریا بخیال خویش موجے دارد | | خس پندارد کہ این کشاکش با اوست | |

ہندو بھائی خفا ہو گئے مگر اب کہ دامودر کو پھانسی دلوایا۔ تلک کو قید کرایا۔ ناٹو برادرز کو جلاوطن اور سڈیشن لا (قانونِ بغاوت) جاری کرا دیا۔ اب سمجھے کہ ہاں وہ بڈھا مسلمان ٹھیک کہتا تھا ؎

| | | | |
|---|---|---|---|
| کی مرے قتل کے بعد اُس نے جفا سے توبہ | | ہائے اُس زود پشیماں کا پشیماں ہونا | |

مگر ہندؤں میں بھی جو رمز شناس تھے وہ شروع سے **سیّد احمد** کے حق میں گمانِ نیک رکھتے تھے اور اس کی تمام باتوں کو پسند کرتے تھے۔ **علی گڈھ کالج** کے چندہ دینے والوں کی فہرست میں ہم مہاراجہ پٹیالہ۔ مہاراجہ وزیانگرم۔ مہاراجہ بنارس جیسے روشن ضمیر غیر متعصب سرداروں کے نام دیکھتے ہیں اور اب بھی تمہارے اسی شہر کے پنڈت جنار دہن نے میموریل فنڈ میں ایک ہزار روپیہ چندہ دیا ہے اور میں اُمید کرتا ہوں کہ ابھی بہت سے ہندو چندہ دے کر انصاف اور بے تعصبی اور انسانی ہمدردی کا پورا ثبوت دیں گے۔ افسوس تو اُن مسلمانوں پر ہے جو **سیّد احمد** کی نسبت مذہبی اشتباہات کی وجہ سے سیّد احمد کے جیتے جی اُس کے ساتھ مخالفت کرتے رہے

اور مرے پر سو دُرّے - علی گڑھ کالج کی بیخ کنی کے پیچھے پڑے ہیں اُذکرُ وا موتاکم بالخیر[۱]
کسی کو سید احمد کے حق میں کوئی بُری بات کہنی زیبا نہیں - سید احمد سے مذہبی فرائض
کے ادا کرنے میں کمی اور کوتاہی ہوتی ہوگی اور کس سے نہیں ہوتی ہ

| | | | |
|---|---|---|---|
| بندہ ہماں بہ کہ زتقصیر خویش | | عذر بدرگاہِ خدا آورد | |
| ورنہ سزاوارِ خداوندیش | | کس نتواند کہ بجا آورد | |

لیکن دین کی خدمت چند در چند طرح کی ہو - سید احمد خاں نے جب جب موقع پایا
سربکف ہو کر اسلام کی حمایت کی - غدر کا حال تو سُن ہی چکے ہو - ڈاکٹر ہنٹر نے ایک کتاب میں
لکھ مارا کہ مسلمان اسلام کی حیثیت سے برٹش گورمنٹ کا خیر خواہ ہو نہیں سکتا - تمام مسلمان مُونہ میں
گھنگنیاں بھر کر خاموش بیٹھے رہے کہ گویا کسی کے مُونہ میں زبان نہیں سر سیّد نے اس
زور سے ڈاکٹر ہنٹر کی تردید کی کہ یاد ہی تو کرتے ہوں گے - ڈاکٹر ہنٹر تو اپنے زعم میں
گورمنٹ کو مسلمانوں کی طرف سے بدظن کر ہی چکے تھے اور اُنھوں نے نیک نیتی سے ایسا ہی
سمجھا تھا مگر سید احمد خاں نے ڈاکٹر ہنٹر کی تردید کی اور گورمنٹ کو مسلمانوں کی طرف سے بدگمان
نہ ہونے دیا سر ولیم میور سید احمد خاں کے بڑے دوست تھے اُنھوں نے اپنی کتاب لائف آف محمد
میں اسلام پر بڑے سخت حملے کیے تھے سید احمد خاں نے دندان شکن جواب دیے - اب
حال میں ایک عیسائی صاحب نے جناب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم پر عیاشی اور شہوت پرستی
کا بیہودہ اور دل آزار الزام لگایا - سید احمد نے مرتے مرتے اس کا جواب لکھا اور وہ جواب
کالج میگزین اور شاید چودھویں صدی میں شائع ہوا - ہم نہیں جانتے کہ اس سے بڑھ کر اسلام کی
خیر خواہی اسلام کی حمایت اور کیا ہو سکتی ہو - ایک بار حضرت عباس رضی اللہ عنہ اور حضرت علی
کرم اللہ وجہہ میں کچھ یوں ہی سی تکرار ہو پڑی ہر ایک اپنی دینی خدمات فخر کے طور پر
بیان کرتا تھا - اور معلوم ہو کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے جناب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی کنارِ عاطفت

[۱] اپنے مُردوں کا ذکر بھلائی کے ساتھ کیا کرو ۱۲

میں پرورش پائی اور سنِ طفولیت سے اسلام لائے اور حضرت عباس تو کہیں فتح مکہ کے دن اسلام لائے ہیں خیر تو ان چچا بھتیجوں کی تکرار کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی اَجَعَلْتُمْ[۵۱] سِقَایَۃَ الْحَاجِّ وَعِمَارَۃَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ کَمَنْ اٰمَنَ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَجَاھَدَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ لَا یَسْتَوٗنَ عِنْدَ اللّٰہِ ہم میں سے کوئی کسی کا محتسب نہیں اور ہو بھی تو محتسب را درونِ خانہ چہ کار" اور دوسرے احتساب کرے بھی تو شرطِ احتساب بجالائے یعنی انصاف اور میں سمجھتا ہوں کہ سید احمد کی سیئات اور حسنات کا جبر و کسر ہو کر اُس کی حسنات کا پلہ جھکتا رہے گا فَاَمَّا مَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِیْنُہٗ فَھُوَ فِیْ عِیْشَۃٍ رَّاضِیَۃٍ[۵۲] ایک معتبر حدیث میں ہے کہ قیامت کے دن ایسی کھلبلی مچے گی اِنَّ زَلْزَلَۃَ السَّاعَۃِ شَیْءٌ عَظِیْمٌ[۵۳] یَوْمَ تَرَوْنَھَا تَذْھَلُ کُلُّ مُرْضِعَۃٍ عَمَّآ اَرْضَعَتْ وَتَضَعُ کُلُّ ذَاتِ حَمْلٍ حَمْلَھَا وَتَرَی النَّاسَ سُکٰرٰی وَمَا ھُمْ بِسُکٰرٰی وَلٰکِنَّ عَذَابَ اللّٰہِ شَدِیْدٌ کہ انبیا علیہم السلام بھی نفسی نفسی کہتے اُٹھیں گے مگر ہمارے پیغمبر صاحب علیہ الصلوٰۃ والسلام اُس وقت بھی اُمتی اُمتی کہتے ہوں گے۔ اُمت کا اتنا درد رکھتے تھے تب تو وہ بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر" کا درجہ پایا اَلَمْ نَشْرَحْ[۵۴] لَکَ صَدْرَکَ وَوَضَعْنَا عَنْکَ وِزْرَکَ الَّذِیْٓ اَنْقَضَ

---

۵۱ کیا تم لوگوں نے حاجیوں کے پانی پلانے اور (ادب و) حرمت والی مسجد (یعنی خانۂ کعبہ) کے آباد رکھنے کو اُس شخص (کی خدمتوں) جیسا سمجھ لیا جو اللہ اور روزِ آخرت پر ایمان لاتا اور اللہ کے رستے میں جہاد کرتا ہو اللہ کے نزدیک تو یہ (لوگ ایک دوسرے کے) برابر نہیں ۱۲ ۵۲ تو جن کے اعمال (نیک) تول میں زیادہ ٹھہریں گے تو وہ خاطر خواہ عیش میں ہوگا ۱۲ ۵۳ (کیوں کہ) قیامت کا زلزلہ ایک بڑی (سخت) مصیبت ہوگی جس دن وہ تمہارے سامنے آموجود ہوگی ہر دودھ پلانے والی (مارے ڈر کے) اپنے دودھ پیتے (بچے) کو بھول جائے گی اور جتنی حمل والیاں ہیں سب کے حمل گر پڑیں گے اور (مارے بدحواسی کے) لوگ متوالے دکھائی دیں گے۔ حالاں کہ وہ متوالے نہیں بلکہ خدا کا عذاب بڑا سخت ہے ۱۲

۵۴ (اے پیغمبر) کیا ہم نے تمہارا حوصلہ فراخ نہیں کیا (یعنی کیا) اور (اس کے علاوہ) بوجھ جس نے تمہاری کمر توڑ رکھی تھی تم پر سے اُتار دیا۔ اور تمہارے ذکر (خیر) کا آوازہ بلند کیا ۱۲

ظَهْرَكَ وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ اور خاتم المرسلین کہلائے۔ مَا کَانَ[۵۱] مُحَمَّدٌ اَبَا اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِکُمْ وَ لٰکِنْ رَّسُوْلَ اللّٰہِ وَخَاتَمَ النَّبِیّٖنَ۔ عَسٰی[۵۲] اَنْ یَّبْعَثَکَ رَبُّکَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا کی تفسیر میں تمام مفسرین نے بالاجماع لکھا ہے اور اُن کا اجماع مبنی ہے حدیث صحیح پر کہ مقام محمود سے مراد ہے مقام شفاعت۔
طبیعت ہی درود آشنا واقع ہوئی تھی کہ وہاں بھی درود کا دامن نہ چھوڑا اِنَّ[۵۳] اللّٰہَ وَمَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْہِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا اچھا تو یہی درود تھا جو سید احمد خاں نے اپنے نانا سے میراث میں پایا تھا اور یہی درود تھا جس کے لیئے ہم چند آدمی اُس کے گرد تھے میں اسی درود کی وجہ سے **سید احمد خاں** کے سید مستند ہونے پر اُن کی زندگی میں حلف کرنے کو موجود تھا اور اب بھی موجود ہوں میراثِ پدر خواہی علمِ پدر آموز "میں نے غالباً علی گڑھ کی تعلیمی کانفرنس میں سید احمد خاں کی سیادت کی نسبت ان الفاظ میں اپنا خیال ظاہر کیا تھا"

| | |
|---|---|
| سیادت کا دعویٰ اور اُمّت کا دشمن | ہمیں تو نہ آیا نہ آئے گا باور |
| اُسی باغ کو جڑ سے کاٹے اُجاڑے | کہ جو باغ ہو اُس کی میراثِ مادر |

دنیا کے لوگوں کا ہمیشہ سے یہی دستور رہا ہے کہ حق کا مقابلہ کرتے آئے ہیں دوست کو دشمن خیر خواہ کو بدخواہ سمجھا کئے ہیں اَلنَّاسُ[۵۴] اَعْدَآءُ لِمَا جَھِلُوْا مگر آخر کار حق غلبہ پاتا رہا ہے **سید احمد خاں** انوکھے رفارمر نہ تھے اُن کو بھی یہی معاملہ پیش آیا۔ وہ ایک روح تھی جو ایک وقتِ مقرر کے لیئے دنیا میں آئی اور **مصرع**

ہر کرا پنج روز نوبتِ اوست

---

۵۱ (لوگو!) محمد تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں (تو زید کے کیوں ہوں) وہ تو اللہ کے رسول ہیں اور (خطوں کی مہر کی طرح سب) پیغمبروں کے آخر میں ہیں ۱۲ ۵۲ عجب نہیں کہ (اس کی برکت سے) تمہارا پروردگار (قیامت کے دن) تم کو مقام محمود میں پونہچائے ۱۲ ۵۳ اللہ اور اُس کے فرشتے پیغمبر پر درود بھیجتے (رہتے) ہیں (تو) مسلمانو (تم بھی) پیغمبر پر درود اور سلام بھیجتے رہو ۱۲

۵۴ لوگ جس بات کو نہیں سمجھتے اُس کی مخالفت کیا ہی کرتے ہیں۔ ۱۲

جیسا کچھ اُس کی تقدیر میں تھا بھگت کر جھیل کر چلتی ہوئی۔

| | | | |
|---|---|---|---|
| دوران بقا چو باد صحرا بگزشت<br>بنداشت ستمگر کہ جفا بر ما کرد | | تلخی و خوشی و زشت و زیبا بگزشت<br>بر گردن او بماند و بر ما بگزشت | |

اُس کی طرف سے تو رفت و گزشت ہوا مگر خدا بھی رفت و گزشت ہونے دے۔ وہ فرماتا ہے
ثُمَّ اِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عِنْدَ رَبِّكُمْ تَخْتَصِمُوْنَ[۵۱] ہمارے پاس کوئی ذریعہ اس بات کے جاننے کا
نہیں کہ سید احمد خاں پر وہاں کیسی بنی مَنْ[۵۲] مَاتَ فَقَدْ قَامَتْ قِيَامَتُهٗ

| | | |
|---|---|---|
| حال عدم نہ کچھ کھلا گزری ہی ہر رفتگاں پہ کیا | | کوئی حقیقت آن کر کہتا نہیں بُری بھلی |

مگر ہاں اس سے کہ وہ دل درد مند رکھتا تھا اور اس سے کہ گھر گھر اُس کا ماتم ہے اور دوست دشمن اپنے بیگانے اُس کا ذکر خیر کرتے ہیں اُمید کی جاتی ہے کہ خدا نے اُس کو اپنے نیک بندوں میں لے جا داخل کیا ہوگا۔ وَذٰلِكَ[۵۳] هُوَ الْفَوْزُ الْمُبِيْنُ اے اہلِ پنجاب تم سید احمد خاں کے دوران باخبر نزدیک ہیں تھے اور اُس مرحوم کو بھی تم سے ایک خاص اُنس تھا۔ وہ سارے ہندوستان میں تم ہی کو زندہ دل کہا کرتا تھا تم نے جیتے مرے اُس کی قدر اوروں سے زیادہ اور بہت زیادہ کی اور میں اس کو تمہارے حق میں فالِ نیک سمجھتا ہوں اور اے اہلِ پنجاب تم اُس ناشاد نامراد مرنے والے کی تمنا سے بھی خوب واقف ہو اور اگر اُس کی دوستی کا دم بھرتے ہو تو اُس کی روح کو نہ ڈہاؤ نہ ترساؤ اور یاس و حرمان کے عذاب سے نہ ستاؤ وہ تم سے نہیں چاہتا کہ تم اُس کی قبر پر عالیشان گنبد بناؤ اُس کا سالانہ عرس کرو یا اُس کے پس ماندوں کی معاش کا بندوبست۔ وہ اگر کسی معاوضے کا خواہاں تھا تو اُسی معاوضے کا کہ تم دنیا میں خوش حالی اور عزت اور آبرو کے ساتھ رہو۔ وہ اپنی ذات سے عزت کے معراج الکمال پر پونہچ گیا تھا۔ وہ ذات کا سید تھا وہ سر تھا وہ ڈاکٹر تھا وہ آنریبل تھا۔ وہ فونڈر آف کالج تھا وہ

۵۱ پھر قیامت کے دن تم (دونوں فریق) اپنے پروردگار کے روبرو اپنے اپنے جھگڑے (پیش) کروگے
۵۲ جو مرا اُس کے حصے کی قیامت آچکی ۱۲ ۵۳ اور یہ صریح کامیابی ہے ۱۲

رفارمر تھا وہ مسلمانوں کا تسلیم کیا ہوا لیڈر تھا۔ کیوں تھا یا نہیں۔ وائسرائے اور لفٹنٹ گورنر اور ہندوستان کی بڑی بڑی ریاستوں کے امیر اور وزیر اُس کے مہمان ہوتے تھے۔ کیوں ہوتے تھے یا نہیں؟ وہ وائسرائے اور لفٹنٹ گورنر کی کونسل کا ممبر رہا تھا۔ کیوں رہا تھا یا نہیں؟ ہاں ہاں تھا اور تھا اور رہا تھا رہا تھا وگفتی بہ فخرا اگر میں تم سے سچ کہتا ہوں ؎

| | | |
|---|---|---|
| راست می گویم و یزداں نہ پسند د جز راست | | حرفِ ناراست سرودن روشِ اہرمن است |

از بس کہ وہ بدنام کنندۂ نیکو نامے چند میں کا تھا اور باوجود اس کے اُس کو ناز تھا کہ وہ ہم میں کا ہے اور یہ بڑی مضبوط دلیل اُس کی قومی ہمدردی کی تھی وہ اپنی عزت سے جھیپتا تھا ؎

| | | |
|---|---|---|
| طاؤس را بہ نقش و نگارے کہ ہست خلق | | تحسین کنند و او خجل از پائے زشتِ خویش |

وہ جوں جوں اونچا ہوتا گیا قوم کے لیے اور قوم کے آگے جھکتا اور خم ہوتا چلا گیا ؎

| | | |
|---|---|---|
| مرتبہ کم حرص رفعت سے ہمارا ہو گیا | | آفتاب اتنا ہوا اونچا کہ تارا ہو گیا |

غرض وہ جوں جوں اونچا ہوتا گیا قوم کے لیے اور قوم کے آگے جھکتا اور خم ہوتا چلا گیا۔ اس لیے کہ اس کے نانا کو خدا نے حکم دیا تھا وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِلْمُؤْمِنِينَ[۵۴] نانا اسی کی وصیت کر مرے تھے اور وہ اسی وصیت پر کاربند تھا۔ اُس کی ہیبت اُس کا زلزلہ اُس کا رعب و داب جو اُس کا لازمۂ ذاتی و منصبی تھا اُس سے پرے ہی پرے رہتا تھا "چو بانگِ دُہل ہولم از دور بود" اُس کے پاس جاؤ تو اُس کو اخلاق کا ایسا منتر یاد تھا کہ اُس کے ساتھ مصافحہ کرنا نہیں نہیں شیک ہینڈ بیعت کا حکم رکھتا تھا۔ میں تو خوب دل کھول کے سید احمد خاں کے محامد بیان کرتا اور بیان کرتا تو وہ حکایتِ واقعی ہوتے اس لیے کہ فی الواقع اُس شخص میں محامد بہت تھے اور بیان کرتا تو شاید اُس کا کچھ حق بھی ادا ہوتا۔ مگر مسلمانوں میں یہ ایک نیا روگ پیدا ہو گیا ہے کہ بزرگوں کے کارنامے سُن کر شیخی میں آجاتے ہیں۔ وہ کارنامے بیان تو اس لیے کیے جاتے

۵۱ اور فخر کے اعتبار سے یہ بات بس کرتی ہو ۱۲ ۵۴ اور مسلمانوں سے گو وہ کیسے ہی غریب ہوں ہمیشہ جھک کر ملنا ۱۲

ہیں کہ ان کی غیرت اور حمیت کو تازیانہ ہو اور ترقی کے میدان میں آگے بڑھیں مگر ان کا حال یہ ہو کہ تازیانہ کھا کر الف ہو جاتے یا اُلٹے اڑ کرنے لگتے ہیں۔ بزرگوں کے کارنامے سُننا اور ایک کان سے سن کر دوسرے کان سے نکال دینا بزرگوں کو خفیف کرنا ہو۔ اگلے بزرگوں کے ساتھ تو جو کچھ کیا سو کیا۔ **سید احمد خاں** کا تو ابھی کفن بھی میلا نہیں ہوا۔ از برائے خدا اُس کے ساتھ ایسا سلوک نہ کرو اور اُس کی وصیت کو پورا کر دکھاؤ۔ یونیورسٹی جو بنانی منظور ہو اس میں شک نہیں کہ بڑی لمبی چھلانگ اور بڑی اونچی اُچک ہو اور مسلمانوں کی حالت پر نظر کرتے شیخ چلّی کا منصوبہ معلوم ہوتی ہو۔ لیکن ہم کو ہاتھیوں کے ساتھ گنے کھانے پڑے ہیں یعنی کامپیٹیشن کا زمانہ ہو۔ کھانے میں پہننے میں آرام و آسایش کے سامانوں میں زندگی کی کل ضرورتوں میں۔ اور کامپیٹیشن بھی روم و فارس کے ساتھ نہیں یورپ کے ساتھ جو زندگی کی کتاب کو فر فر پڑھے چلے جا رہے ہیں اور ہم الف خالی بے کے نیچے ایک نقطہ میں پڑے ہیں یہ بات تو خدا کے ہاں سے فیصل ہو چکی ہو کہ ہم اہلِ یورپ کے ساتھ بے اس کے تو زمین پر رہ نہیں سکتے کہ انہیں کی طرح سائنس کو اوڑھنا بچھونا بنالیں اور اوڑھنا بچھونا بنانے کی اگر مشین ہو تو یونیورسٹی ہی بس زمین پر رہنا ہو تو آج کے آج اور کل کے کل یونیورسٹی تو بنانی پڑے گی۔ اسی طرح شروع شروع میں **علی گڑھ کالج** بھی شیخ چلّی کا سا منصوبہ معلوم ہوتا تھا مگر ایک شخص نے اور وہ بھی غیر معمولی شخص نہیں کہ کہیں کا راجہ یا نواب یا رئیس ہا ہو بلکہ سب جج کہ اب بھی کچھ نہ ہوں گے تو ہندوستان میں اُس جیسے سیکڑوں ہوں گے اور سب جج بھی پنشن خوار۔ اور اس پر مفلس اور مفلس ہونے کے علاوہ قرض دار کہ جو کچھ اثاثہ تھا پانچ پانچ کر بیٹوں کی تعلیم میں خرچ کر کے پنشن کی گنی بوٹی نپے شوربے پر گزران کرتا تھا۔ ایسے ایک شخص نے کمرِ ہمت چست باندھی تو علی گڈھ کالج کو ۲۰ برس کے عرصے میں ایسا کر دیا کہ آج ہندوستان کا کوئی کالج عمارتیں کالج اسٹاف کی اعلیٰ ترین لیاقت میں حُسنِ انتظام میں اُس کو لگا نہیں کھاتا۔ سید احمد خاں میں کوئی کرامت نہ تھی اور ہوتی کہاں سے وہ کرامت تو کرامت معجزے تک کا تو قائل تھا ہی

نہیں اُس کی کرامت سمجھو خرقِ عادت سمجھو بس یہ تھی کہ قوم نے اُس کو دھکّے دیئے، بُرا کہا پر وہ بھی ایسا لپٹنے والا تھا کہ قوم ہی کا دامن نہ چھوڑا۔ تو اے قوم تیرا دامن پکڑنے والا یہ کچھ کر دکھائے تو اگر خود آمادہ ہو مگر دل سے تو یونیورسٹی کا کھڑا کر دینا کون سی بڑی بات ہے۔ اب وہ مزاحمتیں بھی باقی نہیں جو **سید احمد خاں** کو جھیلنی پڑی تھیں اُس کے ابتدائی زمانہ میں تو مسلمانوں کا یہ حال تھا کہ انگریزی کا نام لیا اور کافر ہوا۔ یا اب یہ رنگ ہے کہ لڑکے کو بولنا بات کرنا آیا اور کان پکڑ مشن سکول پہنچایا۔ یونیورسٹی کے رستے میں بڑا سنگِ سخت مسلمانوں کی بے مقدرتی کا ہے مگر ہم تو اس کے قائل نہیں مقدور ایک امر اضافی ہے اس میں شک نہیں کہ دوسری قوموں کے مقابلے میں مسلمان بے دولت ہیں مگر پھر بھی کھاتے ہیں پیتے ہیں شادی بیاہ تیر تہوار سیر تماشے میلے ٹھیلے کیا نہیں کرتے ان فضولیات سے ہاتھ روکیں آپس کی مَنْ وتُو چھوڑ دیں۔ تعلیم کو شرطِ زندگی اور مصرفِ خیر سمجھیں اور روپئے سے لے کر کوڑیوں تک جو جس سے بن پڑے جی کڑا کر کے دے نکلیں تو ۱۸۹۸ء تو نہیں انگریزی اُنیسویں صدی کے ختم ہونے سے پہلے پہلے یونیورسٹی کا قائم کر دینا میرا تو کیا اعتبار کرو گے نواب **محسن الملک** کے ذمے خان بہادر برکت علی خاں کے ذمے سردار محمد حیات خاں کے ذمے۔ صاحبو! حامی بھر لو کہ گانٹھیں کُھل چلیں۔ میں نے یونیورسٹی کے رستے میں مسلمانوں کی بے مقدرتی کو سنگِ سخت کہا۔ اس سنگِ سخت کے علاوہ کچھ روڑے بھی ہیں ازاں جملہ ایک روڑا **سید احمد خاں** کے متعلق کا ہے اُن کو تو یہ خوشی کہاں نصیب تھی کہ وہ مسلمانوں کی یونیورسٹی کو دیکھ کر اپنی آنکھیں ٹھنڈی کرتے لیکن اگر یونیورسٹی اُن کے جیتے جی بن بھی گئی ہوتی تو وہ مرحوم کیا یونیورسٹی کو لے کر چاٹتے مگر اُن کا بھی قصور ہے کہ بیٹھے بٹھائے سب سے پہلے کیوں اُن کو یونیورسٹی کا خبط اُچھلا۔ ہم مسلمانوں میں ہم بدبخت بدقسمت بدنصیب مسلمانوں میں ابھی تک ایسے بھی ہیں اور افسوس ہے کہ بکثرت ہیں جو شاید سمجھانے سے یونیورسٹی کی ضرورت کو تسلیم بھی کریں مگر سید احمد کے نام سے ضرور بدکیں گے۔ گَأَنَّهُمْ[۵۱] حُمُرٌ مُّسْتَنْفِرَةٌ فَرَّتْ مِنْ قَسْوَرَةٍ

---

[۵۱] گویا وہ گدھے ہیں جو شیر سے بدک کر بھاگیں ۱۲۰

اس میں شک نہیں کہ سید احمد خاں کے بعض معتقداتِ مذہبی جمہور مسلمین کے معتقدات سے مغایر بلکہ مخالف تھے مگر میں نہیں سمجھتا کہ اختلافِ عقائد کو علی گڑھ کالج یا یونیورسٹی میں کیا دخل ہو سکتا ہو۔ نہ صرف میں بلکہ سید احمد خاں کے اور بہت دوست بلکہ اُن کے بعض حواری بھی اُن کے بعض معتقدات کو نہیں مانتے تھے اور میں ہمیشہ مجامعِ عام میں اپنی طرف سے اس کا اعلان کرتا رہا ہوں اور میری تحریریں اور میرے لکچر اس کے گواہ ہیں مگر ہم میں سے کسی نے ایک لمحہ کے لیے بھی سید احمد خاں کے اسلام میں شبہ نہیں کیا اور جو شخص فقہ اور تفسیر سے واقف ہو وہ خوب جانتا ہو کہ ایسے اختلافات شروع سے ہوتے چلے آئے ہیں بجائے اس کے کہ اختلاف کو بُرا سمجھیں ہم تو اس کو مسلمانوں کے حق میں رحمت سمجھتے ہیں اِخْتِلَافُ الْعُلَمَاءِ رَحْمَۃٌ اختلاف کا ضروری نتیجہ ہو وسعت اور آسانی۔ اختلاف ہی سے تو حنفی۔ شافعی حنبلی۔ مالکیوں کے چار گروہ پیدا ہوئے اور چاروں بالاجماع مسلمان ہیں کوئی ایک دوسرے کو کافر نہیں کہہ سکتا سیّد احمد خاں نے ایسا کیا کسی کا باپ مارا ہو کہ وہ کافر اُس کا علی گڑھ کالج کافر۔ اُس کا تہذیب الاخلاق کافر۔ اُس کا کانفرنس کافر۔ اُسکے مُلاقاتی کافر۔ اُس کی مجوزہ یونیورسٹی موجود ہونے سے پہلے کافر۔ ایک اور بات سمجھ میں نہیں آتی کہ ہر ایک مسلمان جو نماز پڑھتا ہو درود کے دوسرے فضائل کو جانے دو نماز میں تو درود ضرور پڑھتا ہو گا۔ یوں تو درود سینکڑوں ہیں مگر درود کا جزوِ اعظم ہو اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ۔ آلِ محمد سے مراد ہو پیغمبر صاحب کی نسل یعنی سادات و منہم سید احمد تو جو لوگ سیّد احمد کو برا جانتے اور برا کہتے ہیں چاہیئے کہ درود میں سے سیّد احمد کو مستثنیٰ کر دیا کریں اور بجائے اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کے اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ اِلَّا سَیِّدْ اَحْمَدْ پڑھا کریں یا سید احمد کو برا نہ کہیں۔ اُسی زبان سے درود بھیجنا اور اُسی زبان سے لعنت کرنا۔ کچھ بھی ہو یونیورسٹی کی طرف سے ہماری چھاتی ڈھکی ہوئی ہو۔ دو سبب سے۔ ایک تو اہلِ پنجاب کی زندہ دلی اور دوسرے یہ کہ یونیورسٹی کا بیڑا نواب محسن الملک مولوی مہدی علی خاں بہادر نے اٹھایا ہو۔ وہ سماں میری آنکھوں میں پھر رہا ہو کہ عرب کا ایک شاعر

اپنی قوم کی مدح میں کہہ رہا ہی ؎

| | | | |
|---|---|---|---|
| اِذَا مَاتَ مِنَّا سَیِّدٌ[۱] قَامَ سَیِّدٌ | | قَوُلٌ لِمَا قَالَ الْکِرَامُ فَعُوُلٌ | |

ایک مسئلہ اور بھی صراحت طلب ہی کہ پنجاب میں ایک تعلیمی انسٹیٹوشن انجمن حمایتِ اسلام بھی ہی جس نے بڑی نمایاں ترقی کی ہی اور بہت مفید کام کر رہی ہی۔ بعض کوتاہ اندیشوں نے انجمن کو علی گڑھ کالج کا مدِ مقابل قرار دے کر چاہا کہ دونوں کو لڑا ماریں اور دہیل جھینگے کو نگل لے مگر سر سیّد جو قومی تعلیم کے دل دادہ تھے اور بے تخصیصِ مقام سب کے خیرخواہ دفع دخل مقدر کے لیئے دہر دوڑے اگرچہ انجمن کی بدنصیبی سے سر سیّد زحمتِ سفر کے متحمل نہ ہوکر بہ نفسِ نفیس انجمن کے جلسہ سالانہ میں شریک نہ ہوسکے جس غرض سے وہ تشریف لائے تھے مگر نواب محسن الملک بہادر نے اپنی اور نیز اُن کی طرف سے انجمن کی محنت کی داد دی اور ممبرانِ انجمن کی حوصلہ افزائی فرمائی۔ اب موقع پر کوئی صاحب ایسا نہ سمجھیں کہ میموریل فنڈ اور یونیورسٹی کے نام سے انجمن کے حقوق غصب کیے جاتے ہیں۔ میموریل فنڈ اور یونیورسٹی علیگڑھ کالج کے فروع ہیں اور میں ایک بار علی رؤس الاشہاد کہہ چکا ہوں کہ علی گڑھ کالج میری دائیں آنکھ ہی تو اسلامیہ کالج میری بائیں۔ میرے دونوں میٹھے۔ اب بھی میں اسی بات کا اعادہ کرتا ہوں دونوں کو سسٹر[۲] انسٹیٹوشنز سمجھتا اور دونوں گھر آباد چاہتا ہوں منزلِ مقصود ایک ہی اور علی گڑھ کالج اور اسلامیہ کالج اُس تک پونہچنے کے دو رستے۔ اسلامیہ کالج اپنے رستے کا پہلا پڑاو ہی اور علی گڑھ کالج اپنے رستے کا شاید اخیر پڑاو۔ ہم کو دونوں رستوں کی خبر رکھنی ہی۔ اور دونوں کے مسافروں کو منزلِ مقصود پر پونہچانا ہی۔

---

[۱] ہم لوگوں میں جب کوئی سردار مرجاتا ہی تو اُس کی جگہ دوسرا سردار کھڑا ہوجاتا ہی اور وہ سرداروں ہی کی سی باتیں اور اُنھیں کے سے کام کرنے لگتا ہی ۱۲ [۲] دونوں کالج بہنیں بہنیں ہیں ۱۲

# چھتیسواں لکچر

جو

ایجوکیشنل کانفرنس کے چودھویں سالانہ جلسے میں بمقام لاہور ۱۸۹۸ء کو دیا گیا

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اُذْکُرُوا مَوْتٰکُمْ بِالْخَیْرِ [۱]

کانفرنس - بدبخت - بدنصیب بدقسمت کانفرنس کا یہ پہلا اجلاس ہو جس میں اس کا بانی اس کا موجد - اس کی جان اس کی روح و رواں - سر سید شریک نہیں - ہم تو اُس مرحوم کے شریک نہ ہونے کا افسوس کرتے ہیں مگر اُس کو تعلیم کے کاموں کے ساتھ ایسا شغف اور مسلمانوں کے ساتھ ایسا عشق تھا کہ اُس کی روح بشرطیکہ روح کو جسد سے مفارقت کیے پیچھے دُنیا سے کسی طرح کا تعلق باقی رہتا اور اُس کو دنیا کے واقعات سے آگہی ہوتی ہو اور اپنا تو معتقد یہی ہو کہ دنیا سے بھی تعلق باقی رہتا اور واقعات سے بھی آگاہی ہوتی ہو - بہرکیف اُس کی روح کانفرنس کے اجتماع اور اُس کی یاد سے کچھ نہ کچھ تو خوش ضرور ہوگی - کچھ نہ کچھ میں نے اس لیے کہا کہ اُس کی پوری خوشی تو تب ہو کہ کانفرنس یونیورسٹی بنا کر اُٹھے جس کا اُس کو ساری عمر ارمان رہا - میں کبھی خیال کرتا ہوں کہ اسلامی عقائد کے مطابق قبر میں رکھتے کے ساتھ منکر نکیر اور سید احمد خاں میں ضرور سوال و جواب ہوئے ہوں گے - نکیرین نے مَنْ رَّبُّکَ وَمَا دِیْنُکَ [۲] پوچھا ہوگا سوال تو معلوم ہیں - رہے جواب سو مَنْ رَّبُّکَ ایسا سوال ہو کہ مسلمان کا بچہ جب پیدا ہوتا ہی تو اُس کے کان میں اذان دی جاتی ہو اور پہلی آواز جو اُس کو سُنائی جاتی ہو اللہ اکبر کی آواز ہو - پھر وہ ساری عمر اس کو رٹتا رہتا ہو اور مَنْ رَّبُّکَ کا جواب ایسا اُس کے ذہن نشین ہو جاتا ہو کہ کوئی اُس سے سوتے ہوئے سے بھی پوچھ بیٹھے تو وہ بے تکان رَبِّیَ اللّٰہُ [۳] بول اُٹھے گا - یہ تو

[۱] اپنے مردوں کو نیکی سے یاد کرو ۱۲ [۲] تیرا پروردگار کون ہو اور تیرا دین کیا ہو؟ ۱۲ [۳] میرا پروردگار اللہ ہی ۱۲

عام مسلمانوں کا حال ہے جن کا ایمان علی الاکثر تقلیدی ہوتا ہے اور اُن کو تقلید سے چارہ نہیں اور سر سیّد تو مجتہد مسلمان تھے اور اُن کا ایمان استدلالی ایمان تھا تو نکیرین کو اُنھوں نے بڑے وثوق کے ساتھ جواب دیا ہوگا اور جواب بھی دیا ہوگا تو باصواب وہی جو یعقوب کو اُن کے بیٹوں نے دیا تھا اَمْ كُنْتُمْ[۵۱] شُهَدَاءَ إِذْ حَضَرَ يَعْقُوبَ الْمَوْتُ إِذْ قَالَ لِبَنِيهِ مَا تَعْبُدُونَ مِنْ بَعْدِي قَالُوا نَعْبُدُ إِلٰهَكَ وَإِلٰهَ آبَائِكَ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ إِلٰهًا وَاحِدًا وَنَحْنُ لَهُ مُسْلِمُونَ دوسرا سوال مَا دِيْنُكَ ہر چند پہلے سوال پر متفرع اور ایک اعتبار سے اُس کا لازمی نتیجہ ہے اور جو پہلے سوال مَنْ رَبُّكَ کا جواب صحیح دے۔ اس دوسرے سوال کے جواب میں غلطی کر نہیں سکتا مگر پھر بھی اس کے الفاظ دوسرے ہیں اور اس سے مراد ہے علی[۵۲] اَيِّ شَرِيْعَةٍ اَنْتَ یا مَا طَرِيْقُ[۵۳] عَمَلِكَ اگرچہ معلوم نہیں کہ سر سیّد نے اس کا کیا جواب دیا ہوگا۔

حالِ عدم نہ کچھ کھلا گزری ہے رفتگاں پہ کیا
کوئی حقیقت آن کر کہتا نہیں بُری بھلی

لیکن موت بھی ایک طرح کی نیند ہے اَلنَّوْمُ اَخُ الْمَوْتِ[۵۴] اور نیند کا حال یہ ہے کہ آدمی جو کچھ بیداری میں دیکھتا ہے وہی واقعات اُس کو بعینہا تو نہیں مگر کچھ ردّ و بدل ہو کر خواب میں بھی دکھائی دیا کرتے ہیں۔ پس اگر موت کو نیند پر قیاس کریں تو جیسے خیالات کسی کے زندگی میں رہے ہوں گے قبر میں نکیرین کو جواب دیتے وقت وہی خیالات اُس کے سامنے آموجود ہوں گے اور اُن ہی خیالات کے مطابق وہ نکیرین کو جواب دے گا۔ ایک بار صحابہ رضوان اللہ علیہم نے جناب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا کہ جناب جب دوزخی اور جنتی ہونا پہلے سے

۵۱ (ای یہود) بھلا کیا تم اُس وقت موجود تھے جب یعقوب کے سامنے موت آ کھڑی ہوئی (اور) اُس وقت اُنھوں نے اپنے بیٹوں سے پوچھا کہ میرے (مرنے) پیچھے کس کی عبادت کرو گے اُنھوں نے جواب دیا کہ آپ کے معبود اور ابراہیم اور اسمٰعیل اسحٰق آپ کے باپ دادوں کے معبود خدائے واحد کی عبادت کریں گے اور ہم اُسی کے فرماں بردار ہیں۔ ۱۲

۵۲ تو کس شریعت پر ہے؟ ۱۲ ۵۳ تیرا طریق عمل کیا ہے۔ ۱۲ ۵۴ نیند موت کا بھائی ہے ۱۲

تقدیر میں لکھا جا چکا ہے تو عمل سے کیا مفاد۔ فرمایا نہیں عمل کیئے جاؤ فَكُلٌّ مُيَسَّرٌ لِمَا خُلِقَ لَهٗ[۵۱] یعنی دوزخ اور جنت جس کے لیئے جو پیدا کیا گیا ہے اُسی کی اُس کو توفیق دی جاتی ہے یعنی اچھے بُرے عملوں سے اچھی بُری عاقبت پہچانی جاتی ہے اور اَلدُّنْيَا مَزْرَعَةُ الْآخِرَةِ[۵۲] کا ہے تو یہی مطلب ہے اگر یہ خیالات سچے ہیں اور ضرور سچے ہیں تو سیّد احمد خاں نے مَادِبُنَاكَ کے جواب میں ضرور دِيْنِيْ حُبُّ الْقَوْمِ يَا تَعْلِيْمُ الْقَوْمِ کہا ہوگا۔ قوم اور قومی محبت اور قومی ہمدردی اور قومی خیر خواہی اور اسی قسم کے دوسرے الفاظ کچھ شک نہیں کہ ہماری زبان کے الفاظ ہیں اور ان الفاظ کا ہونا دلالت کرتا ہے کہ ان کا مصداق بھی ہمارے ہاں تھا ورنہ یہ الفاظ کیوں وضع کیئے جاتے ایک۔ دوسرے ہم مسلمانوں میں قومی محبت اور قومی ہمدردی اور قومی خیر خواہی نہ ہوتی تو ہمارا جدید گروہ کیسے کھڑا ہو گیا یا دش بخیر قرون اولیٰ کے مسلمانوں نے ایسی عجلت کے ساتھ کہ جس کی نظیر دنیا کی تاریخ میں نہیں پائی جاتی اسلامی زبردست سلطنت کیسے قایم کی اور صدہا برس تک اُسے شان و شوکت کے ساتھ کیسے چلایا سچ پوچھو تو اسلامی عمارت کی بنیاد قومی محبت پر ہے یہ عقلی ڈھکوسلے نہیں ہیں واقعاتِ نفس الامری ہیں اور قرآن سے ان کی تصدیق ہوتی ہے۔ فرمایا ہے۔ وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا وَاذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖۤ اِخْوَانًا[۵۳] اور وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَتَذْهَبَ رِيْحُكُمْ[۵۴] اور هُوَ الَّذِيْۤ اَيَّدَكَ بِنَصْرِهٖ وَبِالْمُؤْمِنِيْنَ وَاَلَّفَ[۵۵]

---

۵۱ جو شخص جس انجام کے لیئے پیدا کیا گیا ہے اُسی کی اُس کو توفیق دی جاتی ہے۔ ۱۲ ۵۲ دنیا آخرت کی کھیتی ہے۔ ۱۲
۵۳ اور سب مل کر خوب مضبوطی سے اللہ کا ذریعہ پکڑے رہو اور ایک دوسرے سے الگ نہ ہونا اور اللہ کا وہ احسان یاد کرو جب تم (ایک دوسرے کے) دشمن تھے پھر اللہ نے تمہارے دلوں میں الفت پیدا کی اور تم اُس کے فضل سے بھائی بھائی ہو گئے۔ ۱۲ ۵۴ اور اللہ اور اُس کے رسول کا حکم مانو اور آپس میں جھگڑا نہ کرو کہ (آپس میں جھگڑا کرنے سے) تم ہمت ہار دو گے اور تمہاری ہوا اُکھڑ جائے گی۔ ۱۲ ۵۵ (اے پیغمبر) وہی (ذاتِ پاک ہے) جس نے اپنی امداد سے اور مسلمانوں سے تم کو قوت دی اور مسلمانوں کے دلوں میں باہم الفت پیدا کر دی۔ اگر تم روئے زمین کے سارے خزانے بھی صرف کر ڈالتے تو بھی ان کے دلوں میں الفت نہ پیدا کر سکتے مگر (وہ تو) اللہ (ہی تھا جس) نے ان لوگوں میں الفت پیدا کر دی۔ ۱۲

بَیْنَ قُلُوْبِھِمْ لَوْ اَنْفَقْتَ مَا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا مَّا اَلَّفْتَ بَیْنَ قُلُوْبِھِمْ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ اَلَّفَ بَیْنَھُمْ اور اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَۃٌ [۵۱] ایک قومی محبت تو وہ تھی کہ اوس اور خزرج کے قبیلوں میں سینکڑوں برس سے قلبی عداوت چلی آتی تھی اور فریقین میں سے ہزاروں کا خون ہو چکا تھا۔ اسلامی اخوت نے ایک دم سے سب کو گیا گزرا ہوا کر دیا اور ایک قومی محبت اب ہے کہ خانگی خرخشوں کے علاوہ خود اسلام تفرقہ اندازی کر رہا ہے تَحْسَبُھُمْ جَمِیْعًا وَّقُلُوْبُھُمْ شَتّٰی [۵۲] غرض قومی محبت قومی ہمدردی۔ قومی خیرخواہی مسلمانوں میں تھی اور ضرور تھی اور اعلیٰ درجے کی تھی مگر شروع شروع کے مسلمانوں میں۔ پھر اس میں یوماً فیوماً کمی ہوتی گئی اور اُسی نسبت سے دنیا و دین دونوں تباہ اور برباد ہوتے گئے۔ میری تو اتنی عمر ہونے آئی طفلی کیا جوانی میں بھی الفاظ قوم اور قومی محبت وغیرہ تحریر و تقریر میں نہ دیکھے نہ سُنے یہ الفاظ ہمارے یہاں بالکل مہجور و متروک ہو چلے تھے۔ پہلا شخص جس نے اِن الفاظ کو زندہ کیا۔ اور اِن الفاظ کو گیا زندہ کیا اسلام کی شرطِ ضروری کو زندہ کیا **سید احمد خاں** تھا اور زندہ بھی کیا تو ایسا کہ اب ہم سب کے تکیہ کلام ہیں۔ یہ الفاظ ہمارے تو تکیہ کلام ہیں اور سید احمد خاں کا تو دین و ایمان اور نماز اور روزہ اور وظیفہ سب یہی الفاظ تھے تو سید احمد خاں نے مَا دِیْنُکَ کے جواب میں ضرور دِیْنِیْ حُبُّ الْقَوْمِ یا تَعْلِیْمُ الْقَوْمِ کہا ہوگا۔ عام مسلمان جو اکثر لکیر کے فقیر ہوتے ہیں **سید احمد خاں** کے جواب دِیْنِیْ حُبُّ الْقَوْمِ یا تَعْلِیْمُ الْقَوْمِ کو ہرگز جواب باصواب نہیں مانیں گے مگر جن کو دین کی سمجھ دی گئی ہے وہ سمجھیں گے کہ سید احمد خاں کا یہ جواب اُن کے جدِ امجد صلی اللہ علیہ وسلم کے اُمَّتِیْ اُمَّتِیْ سے ملتا ہوا ہے کہ قیامت میں کُل آدمی یہاں تک کہ انبیاء علیہم السلام نَفْسِیْ نَفْسِیْ کہتے ہوں گے اور ہمارے پیغمبر صاحب سید احمد خاں کے جدِ امجد اُمَّتِیْ اُمَّتِیْ مصرع

---

[۵۱] مسلمان تو بس (آپس میں بھائی) بھائی ہیں ۱۲ [۵۲] تو (ان کا ظاہر حال دیکھ کر تو) ان کو سمجھے کہ سب ایک ہیں حالاں کہ ان کے دل (ایک دوسرے سے) پھٹے ہوئے ہیں۔ ۱۲

## ایں خانہ تمام آفتاب است

قومی محبت کے بہت سے پیرائے ہیں لیکن جو پیرائے ہم مسلمانوں میں مروّج ہیں اول تو میں اُن کو سرے سے قومی محبت ہی نہیں سمجھتا وہ سب شخصی محبتیں ہیں لیکن اگر ان کو قومی محبت ہی سمجھا جائے تو بھی از قبیلِ علاج مرض ہیں اور تعلیم القوم سدِّ مرض - اور وہ انگریزی مثل تو آپ صاحبوں نے سُنی ہی ہو گی پریونشن[۱] از بیٹر دین کیور - فرداً فرداً لوگوں کی حاجتوں اور ضرورتوں پر نظر کی جائے تو خاص کر مسلمان طرح طرح کی تکلیفوں اور مصیبتوں میں مبتلا ہیں تا بحدے کہ ان کی ایذاؤں کے اقسام کا ضبط کرنا دشوار ہے لیکن ہم ان جزئیات سے ایک مفہوم کُلّی پیدا کرنا چاہیں تو آخر کو یہ بات جا کر ٹھہرتی ہے کہ ساری خرابیاں ایک تعلیم کے نہ ہونے سے پیدا ہوئی ہیں - مگر کون سی تعلیم - نہ وہ تعلیم جو انگریزی عملداری سے پہلے ہم لوگوں میں مروّج تھی - وہ تعلیم اگر کسی کام کی ہوتی تو ہم اس روزِ بد ہی کو کیوں پونہچتے - اور نہ یہ تعلیم جو اب گورنمنٹ کی نگرانی میں ہو رہی ہے - اس تعلیم کا مَبلغُ العلم تو یہیں تک ہے کہ برسوں رٹ کر امتحان پاس کیے - ہزار میں سے دو چار وہ بھی شاید بی - اے ایم - اے - ہوئے - کوئی تو امتحانوں کی جنتری میں نکلتے نکلتے چیں بول گئے - کوئی گراں جاں ہوا اور اُس کا دل و دماغ ان زحمتوں پر صحیح رہا تو وہ نوکری کی جستجو میں دربدر مارا مارا پھرنے لگا - بخت و اتفاق سے کلارک شپ مل گئی اب بیٹھے فگر زد (ہندسے) جوڑ رہے ہیں - یا فائل (مثل) میں کاغذ شامل کر رہے ہیں جب تک دو چار شیٹ (تختے) کاغذ مالِ مفت دلِ بے رحم ضائع نہ کر لیں معمولی ڈاکٹ (مراسلے) کا جواب نہیں لکھا جاتا - اور اگر اس تعلیم کی بدولت کوئی اکّا دُکّا اچھی خدمت پر بھی پونہچ گیا تو اُس کو قومی فلاح قومی بہبود اور قومی ترقی نہیں کہہ سکتے - ہم تو ایسی تعلیموں کے قائل ہیں نہیں - ہم تعلیم یافتہ اور مفلس؟ ہم تعلیم یافتہ اور مبتذل نوکریوں کے طلبگار؟ ہم تعلیم یافتہ اور سوئی بچکپ اور

---

[۱] مرض کا روک دینا اُس کے علاج سے بہتر ہے - ۱۲

دیا سلائی اور چھُری اور چاقو یعنی کل ضروریاتِ زندگی کے لیئے یورپ کے دست نگر؟ ہم تعلیم یافتہ اور کم ہمت۔ گھر گھسنے۔ کاہل ڈرپوک؟ ہم تعلیم یافتہ اور زمین و آسمان کے اگلے پچھلے واقعات اور حالات سے بے خبر اور کسی سے کسی بات میں ہیٹے؟ ہم تعلیم یافتہ اور آفاتِ ارضی و سماوی طاعون اور قحط اور زلازل کے ہدف؟ ہم تعلیم یافتہ اور بودے۔ کمزور ناتواں؟ ہم تعلیم یافتہ اور ہمارا اوسط عمر گھٹا ہوا؟ ہم تعلیم یافتہ اور آپس کے جھگڑے ہم تعلیم یافتہ اور مذہب میں متشکّی اور مقلد؟ ہم تعلیم یافتہ اور برٹش گورمنٹ کی برکات کے قدر ناشناس؟ کچھ معلوم ہو کہ انسان کس لیئے پیدا کیا گیا ہو۔ اس لیئے پیدا کیا گیا ہو کہ روئے زمین پر خدا کا خلیفہ اور نائب ہو کر رہے وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّيْ جَاعِلٌ فِي الْاَرْضِ خَلِيْفَةً[۵] یا بعبارتِ دیگر خدا نہیں تو خدا کے سے اختیارات عمل میں لائے۔ اور واقع میں انسان کو عقل کا ایسا وزیر باتدبیر دیا گیا ہو کہ اُس سے مدد لے اور اُس سے صلاح لے تو وہ اپنے اختیارات کامل طور پر نافذ کر سکتا ہو۔ اور جو کچھ بھی آدمی نے دنیا میں کیا ہو اور کر رہا ہو اور کرے گا اسی وزیر کی مدد اور صلاح سے کیا ہو اور کر رہا ہو اور کرے گا۔ اب ہم خدا اور اُس کی خلافت یا نیابت اور اُس کی قدرت کو اپنے حال سے منطبق کرتے ہیں تو پاتے ہیں کہ ہم بڑے نالائق خلیفہ اور نائب ہیں۔ کودن۔ جاہل۔ ہم کو بنایا خلیفہ اور ہم ہو گئے خفیفہ۔ اِس لیئے کہ ہم کو عقل یعنی تعلیم نہیں۔ اور جن کو ہو جیسے فی زماننا ہٰذا اہلِ یورپ وہ ایک طرح کی خدائی یعنی حکمرانی کر رہے ہیں نہ صرف اپنے ابنائے جنس پر بلکہ آب و خاک باد و آتش عناصر پر۔ سیٹم پر۔ برقی وغیرہ تمام قوتوں پر یعنی نیچر پر۔ اچھا تو وہ تعلیم۔ وہ اعلیٰ درجے کی تعلیم جو ہم کو خلافتِ الٰہی کے شایاں بنائے ہم کو حاصل ہو تو کیوں کر ہو۔ وہ حاصل ہوا ہی یونیورسٹی سے جس کی فکر میں سر سید احمد خاں تھے ع فکرِ ہر کس بقدرِ ہمتِ اوست" بہت

---

[۵] اور (اے پیغمبر ان لوگوں سے اُس وقت کا تذکرہ کرو جب تمہارے پروردگار نے فرشتوں سے کہا کہ میں زمین میں اپنا (ایک) نائب بنانے والا ہوں ۱۲

لوگ ایسا سمجھا کیئے اور غالبًا اب بھی سمجھتے ہوں گے کہ سید احمد خاں کا مقصودِ اصلی علی گڑھ کالج کا بنانا تھا۔ جو لوگ ایسا سمجھتے ہیں انھوں نے حقیقت میں سید احمد خاں کو نہیں سمجھا۔ جو لوگ سید احمد خاں کو سمجھتے تھے وہ یہ بھی خوب سمجھتے تھے کہ سید احمد خاں اس تعلیم کو جو انگریزی کالجوں اور اسکولوں میں ہو رہی ہے مسلمانوں کی اصلاحِ حالت کے لیئے ہرگز کافی نہیں سمجھتے۔ لیکن مشکل یہ آکر پڑی تھی کہ جیسی اعلیٰ درجے کی تعلیم سید احمد خاں مسلمانوں کو دلانی چاہتے تھے حالاتِ موجودہ پر نظر کرتے ہوئے اُس کے سامان کا مہیا کرنا کچھ آسان نہ تھا اور اہی کاش اتنا ہی ہوتا کہ آسان نہ تھا۔

| ملنا ترا اگر نہیں آساں تو سہل ہے | دشوار تو یہی ہے کہ دشوار بھی نہیں |
|---|---|

سامان باتوں سے مہیّا نہیں ہوتا اس کو چاہیئے مشوف مُعَلَّم[۹۱] ابیضِ صبّاح بلکہ صَفرَاءُ فَاقِعٌ لَوْنُهَا تَسُرُّ النَّاظِرِيْنَ غرض ہر پھر کر بات آکر ٹھہری روپیئے پر کہ روپیہ کہاں سے آسے۔ آئے مسلمانوں سے جن کو یونیورسٹی کی ضرورت ہے۔

| نہ خارد کسے جز سرِ انگشتِ من | بوقتِ فرو ماندگی پشتِ من |
|---|---|

سو ہم مسلمان تقدیر پر شاکر توکل پر قانع سیلف ہیلپ[۹۲] کیا جانیں۔ یہ نہیں کہ ہم تنگ دل ہیں اور روپیہ کو عزیز رکھتے ہیں بلکہ مال و دولت کے تعلق سے ہم مسلمان اُلٹے اسراف و تبذیر میں بدنام ہیں اور اِسی اسراف و تبذیر کے تو اب خمیازے ہم کو بھگتنے پڑے ہیں۔ اگر اپنی سلطنت کے زمانے میں ہم نے دولت جمع کر رکھی ہوتی تو دس لاکھ روپے کے لیئے کیوں ایک ایک کے آگے ہاتھ پھیلاتے پڑے پھرتے۔ سر سیّد میموریل فنڈ میں عیسائیوں اور ہندوؤں نے بھی مدد کی ہے۔ اور ہم اُن کے ممنونِ احسان ہیں مگر اپنی جگہ خوش نہیں۔

| حقا کہ با عقوبتِ دوزخ برابر است | رفتن بپائے مردیِ ہمسایہ در بہشت |
|---|---|

اِسی خیال کو ایک ریختہ گو نے بھی لیا ہے۔ اور وہ کہتا ہے۔

[۹۱] زرد داور ہرا اُس کا رنگ خوب گہرا ہو کہ دیکھنے والوں کو بھلی لگے ۱۲ [۹۲] اپنی مدد آپ کرنا - ۱۲

| | |
|---|---|
| نہ پکڑیں دامن الیاس گرداب بلا میں ہم | کہ بدتر ڈوب کے مرنے سے ہے جینا سہارے کا |

اب میموریل فنڈ کمیٹی ضرورت اور غیرت کی کشمکش میں پڑی ہے نہ رو کرتے بن پڑتا ہے اور نہ رکھتے بن پڑتا ہے ؎

| | |
|---|---|
| قَوْمِي هُمُ قَتَلُوا اُمَيمَ اَخِي<br>فَلَئِنْ عَفَوْتُ لَاَعْفُوَنَّ جَلَلاً | فَاِذَا رَمَيتُ يُصِيبُنِي سَهْمِي<br>وَلَئِنْ سَطَوْتُ لَاُوهِنَنَّ عَظْمِي |

اگرچہ بھیک کمیٹی مانگتی ہے مگر ازبسکہ قوم کے لیے مانگتی ہے حقیقت میں مسلمان مانگتے ہیں مگر کمیٹی کی آڑ میں۔ سو خیر الحمد للہ خدا نے ابھی تک تو اتنا پردہ ڈھک رکھا ہے۔ ہم کو تو وہ دن دکھائی دے رہا ہے کہ خدانخواستہ یونیورسٹی کھڑی نہ ہوئی تو مسلمانوں کی نسلیں ٹوٹ نہ پھوٹ کر بھیک مانگتی پھریں گی۔ غرض مسلمانوں نے کمائی کے دنوں میں تو روپیہ رکھ نہ جانا اور روپیہ کی ضرورت آ کر پڑی تو کما نہ جانا۔ جب اسراف کسی شخص یا کسی قوم کے خصائل میں ہوتا ہے تو اس کا رنگ جا اور بے جا سبھی طرح کے خرچوں میں جھلکتا ہوتا ہے چنانچہ مصارفِ خیر میں بھی مسلمانوں کی فیاضی کی یادگاریں۔ ان کی مسجدیں۔ ان کے مقبرے ان کے گنبد۔ ان کے مدرسے۔ ان کی خانقاہیں۔ ان کی سرائیں۔ ان کے پل۔ ان کی نہریں۔ ابھی تک جگہ جگہ موجود ہیں تعلیمی چندوں میں جو ان کی طرف سے بخل اور مضایقہ ہوتا ہے تو اس کے چند در چند سبب ہیں۔ لوگوں سے پوچھو تو وہ سب سے پہلے بے مقدرتی کا عذر پیش کریں گے۔ مگر میں نے کبھی اس کو ایک لمحہ کے لیے بھی تسلیم نہیں کیا اور نہ اب تسلیم کرتا ہوں۔ بے شک بِالْاِضَافَةِ اِلٰی اَقْوَامٍ آخر مسلمان مِنْ حَیْثُ اِنَّهُمْ قَوْمٌ کم بلکہ بہت کم مقدرت رکھتے ہیں لیکن بے مقدرتی کا اثر آخر میں مجموعے پر ظاہر ہونا چاہیے یعنی جس سے جتنا ہو سکے دے اور پھر بھی رقم مجموعی بقدرِ کافی جمع نہ ہو تو معلوم ہو کہ قومی بے مقدرتی کا روڑا گاڑی کو نہیں چلنے دیتا

ؔ اے امیمہ میرے بھائی کو میری ہی قوم نے قتل کیا ہے تو اب اگر میں ان پر تیر چلاتا ہوں تو الٹا مجھ ہی پر آتا ہے۔ پس اگر میں معاف کر دوں تو بڑے بھاری قصور کو معاف کروں گا اور اگر حملہ کر دوں تو اپنی ہڈیوں کو بودا کر لوں گا۔۱۲

وَ اِذْ لَیْسَ فَلَیْسَ[1] - اچھا قومی بے مقدرتی تعلیمی چندوں کے جمع نہ ہونے کا سبب نہیں تو پھر کیا سبب ہی؟ ہاں تو ایک سبب نہیں کئی سبب ہیں - ایک تو یہ کہ ہم کو مجتمع ہو کر کسی کام کے کرنے کی عادت نہیں - کسی کے دل میں کسی کام کے کرنے کا تقاضا پیدا بھی ہوا تو اگر اُس سے اکیلے کرتے بن پڑا کر گزرا اور نہ ہاتھ پر ہاتھ دھر کر بیٹھ رہا مثلاً کسی نے کسی مولوی صاحب کے وعظ میں سُن پایا کہ مسجد کا بنانا بڑے ثواب کا کام ہی اور جناب رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہی مَنْ بَنیٰ لِلّٰہِ مَسْجِدًا بَنَی اللّٰہُ لَہٗ بَیْتًا فِی الْجَنَّۃِ کہ جو کوئی خدا کی عبادت کے لیے مسجد بنائے گا خدا اُس کے لیے جنت میں گھر بنوا رکھے گا - اب اُس کو مسجد کے بنانے کا خیال آیا مگر فرض کرو کہ اُس غریب کو صرف ڈیڑھ اینٹ کا مقدور ہی تو وہ یا تو کسی ڈھب سے جو اب تک میری سمجھ میں نہیں آیا عجب نہیں رُڑکی کالج کے سٹوڈنٹ (طلبا) اُس کو سمجھتے ہوں بہرکیف وہ یا تو کسی ڈھب سے اُسی ڈیڑھ اینٹ میں مسجد کو پورا کرے گا - چنانچہ ڈیڑھ اینٹ کی مسجدیں مسلمانوں میں کثرت سے موجود ہیں - اور اگر اُس کو ڈیڑھ اینٹ میں مسجد کے پورا کرنے کا ڈھب نہیں آتا ہو گا جیسا کہ مجکو نہیں آتا تو وہ کہیں بھی قبلے کی طرف کو مُونہ کر کے نماز کی نیت باندھ لے گا اور کہے گا کہ پیغمبر صاحب نے جہاں مَنْ بَنیٰ لِلّٰہِ مَسْجِدًا بَنَی اللّٰہُ لَہٗ بَیْتًا فِی الْجَنَّۃِ فرمایا ہی وہاں جُعِلَتْ لِیَ الْاَرْضُ کُلُّھَا مَسْجِدًا[2] بھی فرمایا ہی - ڈیڑھ اینٹ بھی کیوں خرچ کروں گھر میں پڑی ہی تو آخر کچھ کام ہی آجائے گی - مگر یہ نہیں کرے گا کہ ڈیڑھ اپنی اور ڈیڑھ دوسروں سے لے کر تین پوری کرے ایک رکھے قبلے کی طرف اور دو کھڑی کرے اُس کے پہلو میں کہ چھوٹے سے سکیل پہ گھر کی شکل تو نمودار ہو جائے - یہ نفسی نفسی ہی تو ہی کہ ہم میں تجارت کی کمپنیاں نہیں اور نہ ہم کسی بڑے کام پر ہاتھ ڈال سکتے ہیں - دنیا میں کون سا مرض ہی جس کی دوا نہیں - کونسا زہر ہی جس کا تریاق نہیں - محتاجی اور افلاس اور بے قدری کے دور کرنے کی بھی بہت سی تدبیریں ہیں - لیکن ایک سہل سا الٹکا تو مجتمع ہو کر کام کرنے کی

[1] اور نہیں تو پھر نہیں - ۱۲ [2] ہمارے لیے تمام روئے زمین مسجد قرار دی گئی ہی - ۱۲

عادت کا ڈالنا ہو کہ اِس کو نہ ہلدی درکار ہو اور نہ پھٹکری اور یہ ایسا درخت ہو کہ اِدھر لگاؤ اور اُدھر پھل کھانے شروع کر دو۔ جب کبھی کسی قوم نے ترقی کی اسی طریق سے کی ہو۔ قومی اتفاق ہو۔ قومی اتحاد ہو۔ ایک کو دوسرے پر اعتماد ہو۔ ایک دوسرے کا شریک ورد ہو۔ یہ بجائے خود بڑی دولت ہو۔ شارع اسلام نے تو مسلمانوں میں اجتماعی قوت پیدا کرنے کی بہت سی تدبیریں کیں لَا تَفَرَّقُوا[1] اور اَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ[2] اور اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ[3] اور شَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ[4] اس طرح کے تاکیدی احکام کثرت سے قرآن میں موجود ہیں اور میں تو ایسا سمجھتا ہوں کہ دین کا لُبّ لباب یہی ہو کہ لوگ سازگاری اور صلح کاری سے زندگی بسر کریں یہاں تک تو ہو کہ عام اُمت اگر ایک امام کو تسلیم کرے اور دوسرا اُس پر خروج کرے تو حکم ہو کہ اُس کی گردن مار دو۔ عند اللہ اجتماع کی پسندیدگی کا اس سے بڑھ کر اور کیا ثبوت ہوگا۔ کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نمازِ جماعت نمازِ منفرد پر ستائیس درجے فضیلت رکھتی ہو اور یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ جو شخص نمازِ جماعت میں شریک نہ ہو میرا جی چاہتا ہو کہ اُس کا گھر پھونک دوں۔ حج کے لیے جو دنوں کی تخصیص ہو اَلْحَجُّ اَشْهُرٌ مَّعْلُوْمٰتٌ[5] اس میں بھی یہی اجتماعی مصلحت مضمر ہو۔ مگر مسلمان اجتماع کی مصلحتوں کو نہ سمجھیں اور خدا رسول کی صلاح پر عمل نہ کریں تو اپنا سر کھائیں اور کھا ہی رہے ہیں۔ الغرض تعلیمی چندوں کے جمع نہ ہونے کا ایک سبب تو یہ ہو کہ ہم مسلمانوں کو مجتمع ہو کر کسی کام کے کرنے کی عادت نہیں۔ دوسرا چاہے قومی نہ ہو اور اکثری بھی نہو مگر ہو کہ بعض لوگ یا تھوڑا ہی دے سکتے ہیں یا تھوڑا ہی دینا چاہتے ہیں مگر اس خیال سے کہ کوئی ان کو بخیل یا بے مقدور نہ سمجھے مطلقاً دینے سے کنارہ کش رہتے ہیں اُنھوں نے فِيْ زَعْمِهِمْ بَيْنَ النَّاسِ اپنی قدر کا اور اُسی کی مناسبت سے چندے کا ایک اندازہ ٹھہرا رکھا ہو اور کم دینے کو

---

[1] آپس میں پھوٹ نہ ڈالو ۱۲ [2] سچے مسلمان وہ ہیں جو اپنے کام آپس کی صلاح سے کرتے ہیں ۱۲ [4] اور معاملات (صلح و جنگ) میں (بدستور سابق) ان کو شریک مشورہ کر لیا کرو [3] مسلمان تو بس (آپس میں بھائی) بھائی ہیں ۱۲

[5] حج (کے مہینے) معین ہیں جو سب کو معلوم ہیں

اپنی توہین کا موجب سمجھتے ہیں اور آپ اپنی توہین کرنی نہیں چاہتے اور کوئی بھی نہیں چاہتا تو یہ لوگ حکمت کیا کرتے ہیں کہ سرے سے شریک چندہ ہی نہیں ہوتے کہ دے کر کیوں لوگوں کو گفت و شنید کا موقع دیا جائے۔ یہ لوگ اپنا اور کل قوم کا نقصان کرتے ہیں لَیَحْمِلُنَّ[۵۱] اَثْقَالَهُمْ وَاَثْقَالًا مَّعَ اَثْقَالِهِمْ اپنا تو اس لیے کہ ثواب سے محروم رہے۔ خدا واسطے کا دینا ٹھہرا تو اپنے نام و نمود اور لوگوں کی گفت و شنود سے کیا بحث باقی رہی اور قوم کا نقصان تو ظاہر ہے کہ ان کے نہ دینے سے اور لوگ بھی پیچھے ہٹ رہے۔ وہ تو یہی سمجھیں گے کہ جس کام کے لیے چندہ مانگا جاتا ہے اسی میں کچھ فتور ہے ایسے ہی لوگوں کے حق میں خدا فرماتا ہے اِنَّ[۵۲] اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ مُخْتَالًا فَخُوْرَا الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ وَيَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ وَيَكْتُمُوْنَ مَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ اگر بات کا یہ خطرناک پہلو نہ ہوتا تو سیدھی سی تدبیر تھی کہ ایسے لوگ اخفار نام کے ساتھ چندہ دیں کہ ان کی شیخی بھی کرکری نہ ہو اور قومی کام بھی بند نہ رہے۔ خدا کے نام دینا تو ہر طرح اچھا ہے اِنْ[۵۳] تُبْدُوا الصَّدَقٰتِ فَنِعِمَّا هِيَ وَاِنْ تُخْفُوْهَا وَتُؤْتُوْهَا الْفُقَرَآءَ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَيُكَفِّرُ عَنْكُمْ مِّنْ سَيِّاٰتِكُمْ جتا بتا کر دو تو اس میں یہ فضیلت ہے کہ دوسروں کو دیکھ کر ترغیب ہوتی ہے اَلدَّالُّ[۵۴] عَلَى الْخَيْرِ كَفَاعِلِهٖ کی رو سے اضعافاً مضاعفۃً ثواب ملتا ہے۔ لکا چھپا کر دینے میں یہ خوبی ہے کہ منّ و اذیٰ کا دخل نہیں پاتا جو مُحبط صدقہ ہے جیسا کہ فرمایا ہے يٰۤاَيُّهَا[۵۵] الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُبْطِلُوْا

---

۵۱ گمراہ (قیامت کے دن) اپنے (گناہوں کے) بوجھ (بھی) اُٹھائیں گے اور اپنے بوجھوں کے ساتھ اور بوجھ بھی (یعنی اُن لوگوں کے بھی جن کو اُنھوں نے بہکایا اُکسایا) ۵۲ اللہ اُن لوگوں کو دوست نہیں رکھتا جو اترائیں (اور) بڑائی مارتے پھریں آپ بخل کریں (سو کریں) دوسرے لوگوں کو بھی بخل کرنے کی صلاح دیں اور اللہ نے اپنے فضل سے جو کچھ اُن کو دے رکھا ہے اُس کو چھپائیں ۱۲ ۵۳ اگر خیرات ظاہر میں دو تو وہ بھی اچھا اور اگر اُس کو چھپاؤ اور حاجت مندوں کو دو تو یہ تمہارے حق میں زیادہ بہتر ہے اور ایسا دینا تمہارے گناہ کا کفارہ ہوگا ۱۲ ۵۴ جو شخص نیک کام کرنے کی صلاح دے اُس کو وہی ثواب ملے گا جو اُس نیک کام کے کرنے والے کو ملنے والا ہے ۱۲
۵۵ مسلمانو! اپنی خیرات کو احسان جتانے اور (سائل) کو ایذا دینے سے اُس شخص کی طرح اکارت مت کرو جو

صَدَقٰتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَذٰى كَالَّذِیْ یُنْفِقُ مَالَهٗ رِئَآءَ النَّاسِ وَلَا یُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَ
الْیَوْمِ الْاٰخِرِ فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ صَفْوَانٍ عَلَیْهِ تُرَابٌ فَاَصَابَهٗ وَابِلٌ فَتَرَكَهٗ صَلْدًا لَا
یَقْدِرُوْنَ عَلٰى شَیْءٍ مِّمَّا كَسَبُوْا وَاللّٰهُ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الْكٰفِرِیْنَ ٥

اللہ میاں نے من واذی کی وجہ سے صدقے کے ضائع ہونے کی دو مثالیں دیں ایک تو
یہی کمثل صفوان الخ اس کے بعد مثال اُس صدقے کی ہو جو خالصًا لوجہ اللہ دیا جاتا ہو
وَمَثَلُ الَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ وَتَثْبِیْتًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ كَمَثَلِ
جَنَّةٍۭ بِرَبْوَةٍ اَصَابَهَا وَابِلٌ فَاٰتَتْ اُكُلَهَا ضِعْفَیْنِ فَاِنْ لَّمْ یُصِبْهَا وَابِلٌ فَطَلٌّ وَاللّٰهُ بِمَا
تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ[۱] پھر اُسے من واذی کے صدقے کے دوسری مثال بیان فرمائی اَیَوَدُّ[۲]
اَحَدُكُمْ اَنْ تَكُوْنَ لَهٗ جَنَّةٌ مِّنْ نَّخِیْلٍ وَّاَعْنَابٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ لَهٗ فِیْهَا مِنْ كُلِّ
الثَّمَرٰتِ وَاَصَابَهُ الْكِبَرُ وَلَهٗ ذُرِّیَّةٌ ضُعَفَآءُ فَاَصَابَهَاۤ اِعْصَارٌ فِیْهِ نَارٌ فَاحْتَرَقَتْ كَذٰلِكَ یُبَیِّنُ اللّٰهُ

بقیہ نوٹ صفحہ ۲۷۷ جو اپنا مال لوگوں کے دکھاوے کے لیے خرچ کرتا ہو اور اللہ اور روز آخرت کا یقین نہیں رکھتا
تو اُس کی خیرات کی مثال چٹان کی سی ہو کہ اُس پر کچھ تھوڑی سی (مٹی پڑی ہو پھر اُس پر بارانِ زور کا اور اُس کو سپاٹ کر کے
بہ گیا، گیا (اسی طرح قیامت میں) ریاکاروں کو اُس (خیرات) میں سے جو اُنھوں نے کی تھی کچھ بھی ہاتھ نہیں لگے گا
اور اللہ اُن لوگوں کو جو نعمت کی ناشکری کرتے ہیں ہدایت نہیں دیا کرتا ۱۲ [۱] اور جو لوگ خدا کی رضا جوئی
کے لیے اور اپنی نیت ثابت رکھ کر اپنے مال خرچ کرتے ہیں اُن کی مثال ایک باغ کی سی ہو جو اونچے پر واقع
ہو اُس پر بڑا زور کا مینہ تو وہ چند پھل لایا اور اگر اُس پر زور کا مینہ نہ (بھی) پڑا تو (اُس کو) ہلکی پھوار (بھی بس کرتی ہو)
اور تم لوگ جو کچھ بھی کرتے ہو اللہ (اُس کو) دیکھ رہا ہو ۱۲

[۲] بھلا تم میں سے کوئی اس بات کو پسند کرے گا کہ کھجوروں اور انگوروں کا اُس کا ایک باغ ہو اور اُس کے تلے
نہریں پڑی بہ رہی ہوں ہر طرح کے میوے اُس کو وہاں میسر اور بڑھاپے نے اُس کو آلیا اور اُس کے (چھوٹے چھوٹے)
ناتواں بچے ہیں اب اُس (باغ) پر چلا ایک بگولا جس میں (بھری) تھی آگ تو باغ جل بھن کر رہ گیا۔ اسی طرح اللہ
اپنے احکام کھول کھول کر تم لوگوں سے بیان کرتا ہو تاکہ تم غور کرو ۱۲

لَکُمُ الْاٰیٰتِ لَعَلَّکُمْ تَتَفَکَّرُوْنَ میں اوپر تلے جھڑا جھڑ قرآن کی آیتیں تو پڑھتا چلا جا رہا ہوں
مگر ڈرتا بھی ہوں کہ کہیں حاضرین پر گراں نہ گزرے کہ اب کی بار تو اس نے کانفرنس کو وعظ
کی مجلس بنا دیا۔ لیکن دینے کی باتیں گراں گزرتی ہیں تو اس سے زیادہ گراں گزرے گا
جب۔ ایسا ہی گراں گزرتا ہے تو کانفرنس کو بلایا ہی کیوں۔ جانتے تو تھے کہ **علی گڑھ کالج**
ہوا۔ **سرسید میموریل فنڈ** ہوا۔ **کانفرنس** ہوا سب مانگنے ہی والے ہیں۔ شکر کرو
کہ تم کو دیا ہے تو تم سے مانگا بھی جاتا ہے۔ اور مانگا بھی جاتا ہے تو اپنے لیے نہیں۔ تمہاری ہی نسلوں
کے لیے۔ تمہارے ہی بھائی بندوں کے لیے بلکہ تمہارے ہی لیے اور ڈرو اس دن سے
کہ دینے کا نام آئے اور کسی کا ذہن تمہاری طرف منتقل نہ ہو وَاَنْفِقُوْا[۱۵] مِمَّا رَزَقْنٰکُمْ
مِنْ قَبْلِ اَنْ یَّاْتِیَ اَحَدَکُمُ الْمَوْتُ فَیَقُوْلَ رَبِّ لَوْلَآ اَخَّرْتَنِیْٓ اِلٰٓی اَجَلٍ قَرِیْبٍ
فَاَصَّدَّقَ وَاَکُنْ مِّنَ الصّٰلِحِیْنَ ۝ وَلَنْ یُّؤَخِّرَ اللّٰہُ نَفْسًا اِذَا جَآءَ اَجَلُہَا وَاللّٰہُ
خَبِیْرٌ بِمَا تَعْمَلُوْنَ۔ میں نے جو صدقات کے بارے میں لمبی تقریر کی اور ابھی اور بھی کروں گا
تو اس لیے کہ میں صدقات کو بڑا مہتم بالشان سمجھتا ہوں جہاں تک میں اپنا خیال دوڑاتا ہوں
صدقات ہی تھے جن کی بدولت اسلام کھڑا ہوا۔ جن کی بدولت اسلام جما جن کی بدولت
اسلامی سلطنت قائم ہوئی۔ جناب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنی ذات بابرکات سے تو
یہ حال تھا کہ محض بے سر و سامان آدمی تھے۔ پیدا نہیں ہوئے تھے کہ باپ کا سایہ سر سے
اٹھ گیا۔ باپ کے انتقال کے پیچھے دادا متکفل ہوئے انھوں نے بھی انتقال کیا تو چچا

---

۱۵ ہم نے تم کو جو کچھ دے رکھا ہے اس میں سے (راہ خدا میں بھی کچھ) خرچ کرتے رہا کرو (مگر) اس سے
پہلے (ہی پہلے خرچ کر لو اور اس کی نوبت نہ آنے دو کہ) تم میں سے کسی کو موت آ موجود ہو اور وہ (اس وقت)
لگے کہنے کہ اے میرے پروردگار کاش تو مجھ کو تھوڑے دنوں کی اور مہلت دیتا۔ تو میں خیرات دیتا۔ اور دوسرے
نیک بندوں میں (ایک نیک بندہ میں بھی) ہوتا۔ اور جب کسی کی موت آ موجود ہوتی ہے تو خدا کبھی اس کو
مہلت نہیں دیا کرتا اور جو کچھ بھی تم کرتے ہو اللہ کو اس کی (سب) خبر ہے ۱۲۰